تاریخ ارائیاں

تاریخِ آرائیاں

علی اصغر چودھری

القمر انٹرپرائزز غزنی سٹریٹ اُردو بازار ○ لاہور

فرمانِ خداوندی

يَاَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ط

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (حضرت آدمؑ اور حواؑ) سے پیدا کیا اور تم میں قومیں اور قبیلے بنا دیئے ہیں‘ بے شک سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔“

(26/49 الحجرات)

فرمانِ رسول ﷺ

ایک صحابیؓ نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا۔ ”یا رسول اللہ! اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی عصبیت میں داخل ہے؟“ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”نہیں‘ بلکہ عصبیت یہ ہے کہ انسان ظلم و ناانصافی میں اپنی قوم کا مددگار رہو۔“ (ابن ماجہ)

درثلہ بن اشفع نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ عصبیت کیا ہے؟“ فرمایا۔ ”ظلم میں اپنی قوم کا مددگار ہونا۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

”جو شخص لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں اور جو کوئی عصبیت کی بناء پر مقاتلہ (جنگ) کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص عصبیت میں جان دے وہ ہم میں سے نہیں۔“ (ابن ماجہ)

احادیثِ نبوی ﷺ

1- حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہند کے خلاف جہاد کرے گا اور ایک گروہ وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے کر یہودیوں کے ساتھ جہاد کرے گا۔" (نسائی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 52 'غزوۃ الہند)

2- ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (مسلمانوں سے) وعدہ فرمایا۔ جہاد ہند میں (بخشش کا) اگر میں (ابو ہریرہؓ) نے اس جہاد کا وقت پایا تو میں اس میں اپنی جان و مال صرف کروں گا' اگر میں شہید ہو گیا تو افضل الشہداء ہوں گا اگر زندہ لوٹ آیا تو میں ایسا ابو ہریرہؓ ہوں گا جو سزائے آخرت سے آزاد ہوں گا۔" (نسائی جلد 2' صفحہ 52' غزوۃ اہند)

3- اِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّیْنَارِ وَالدِّرهَم وَ تَبَایَعُوْا بِالْعَیْنِ وَاتَّبَعُوْا اِذْنَابَ بِقَرٍ وَ تَرَكُوْ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهِمْ بَلاَءً وَ لَنْ یَّرْفَعَهُ حَتّٰى یُرَاجِعُوْا

ترجمہ: "جب لوگ روپیہ پیسہ (کی محبت میں) بخل کرنے لگیں گے اور تجارت اور کھیتی باڑی میں اتنے مصروف ہوں گے کہ جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دینگے تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت نازل کر دے گا اور یہ ذلت اس وقت تک دور نہ ہو گی جب تک دوبارہ اسی کو (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) ہی کو اختیار نہیں کریں گے۔"

احادیثِ نبوی ﷺ

1- حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچالیا۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہند کے خلاف جہاد کرے گا اور ایک گروہ وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے کر یہودیوں کے ساتھ جہاد کرے گا۔'' (نسائی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 52 'غزوۃ الہند)

2- ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (مسلمانوں سے) وعدہ فرمایا۔ جہاد ہند میں (بخشش کا) اگر میں (ابو ہریرہؓ) نے اس جہاد کا وقت پایا تو میں اس میں اپنی جان و مال صرف کروں گا' اگر میں شہید ہو گیا تو افضل الشہداء ہوں گا اگر زندہ لوٹ آیا تو میں ایسا ابو ہریرہؓ ہوں گا جو سزائے آخرت سے آزاد ہوں گا۔'' (نسائی جلد 2 'صفحہ 52 غزوۃ اہند)

3- اِذَا ضَنَّ النَّاسُ بِالدِّیْنَارِ وَالدِّرهم وَ تَبَایَعُوْا بِالْعَیْنِ وَاتَّبَعُوْا اِذْنَابَ بِقَرٍ وَ تَرَکُوْ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهِمْ بَلَاءً وَ لَنْ یَّرْفَعُهٗ حَتّٰی یُرَاجِعُوْا

ترجمہ: ''جب لوگ روپیہ پیسہ (کی محبت میں) بخل کرنے لگیں گے اور تجارت اور کھیتی باڑی میں اتنے مصروف ہوں گے کہ جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دینگے تو اللہ تعالیٰ ان پر ذلت نازل کر دے گا اور یہ ذلت اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک دوبارہ اسی کو (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) ہی کو اختیار نہیں کریں گے۔''

حسن ترتیب

ارشاد خداوندی 5

احادیثِ نبوی ﷺ 6

عرضِ ناشر 9

پیش لفظ 11

ابتدائیہ 15

حصہ اوّل 19

پہلا باب

ارائیں برادری اور تاریخی حقائق 21

ارائیوں کا تعارف اور تاریخی پس منظر 21

قریش کا شجرۂ نسب 23

دوسرا باب

تاریخ اسلام کی چند تلخ حقیقتیں 24

تیسرا باب

عربوں کی سندھ میں آمد 32

اریحا 38

چند شامی کمانڈر 47

حجاج کا نہایت اہم خط 55

محمد بن قاسم کی پیشقدمی 57

راجہ داہر کی پیشقدمی 61

چوتھا باب
شامی سیاست کے دوررس نتائج 83
ارائیوں کا ذوق سپہ سالاری 94
سرزمین سندھ ملتان پر عربوں کی حکومت 97
پانچواں باب
ارائیوں کے متعلق دوسروں کے نظریات
مذہب قوم اور گوت 135
ارائیوں کی گوتیں 164
دوسرا حصہ 170
پہلا باب
دور ابتلاء اور تدریجی نقل مکانی 173
دوسرا باب
تدریجی نقل مکانی 198
برادری کی تاریخی کتابوں پر ایک تنقیدی نظر 211
پاکستان کی تعمیر و ترقی میں ارائیوں کا حصہ 220
ارائیں برادری کے ذہنی تجزیہ 228
جنرل محمد ضیاء الحق 236
ارائیں معززین کے چند اہم کارنامے 258
برادری کی تاریخ سابق ہندوستان میں 264
برادری میں بیداری انجمنیں اور جلسے 266
تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ اور ارائیں برادری 289
ارائیں بھارت میں 294
پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف 305

عرض ناشر

ارائیوں کے اولین جد امجد کون تھے؟ مختلف زمانوں میں ان کی نسل کس پیمانے پر اور کن حالات میں پھلی پھولی؟ اس قسم کے کئی سوالات اہل فکر ارائیوں کے ذہن میں اکثر پیدا ہوتے رہے ہیں' پھر ارائیوں نے گزشتہ کئی صدیوں میں برصغیر پاک و ہند کے ہر شعبہ حیات میں وقتاً فوقتاً ایسے کارنامے سرانجام دیئے اور ملک و ملت کے وقار میں اضافہ کیا۔ ارائیں قبیلے کی تاریخ پر کوئی معتبر و مستند کتاب موجود نہیں۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنے مورخانہ انداز میں کچھ نشاندہی کی لیکن اسے مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔

گزشتہ نصف صدی کے دوران میں ''سلیم التواریخ'' اور ''آل ذورعین'' سامنے آئیں لیکن زیر نظر کتاب ''تاریخ ارائیاں'' کافی حد تک تاریخ کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ مصنف نے اسے بڑے خلوص اور محنت کے ساتھ مرتب کیا۔ بہت سے ماخذوں سے اہم مواد اکٹھا کیا۔ مختلف ادوار کی معاشرتی حالت بیان کی' جس سے قاری کے علم میں خاصا اضافہ ہو جاتا ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ قوم محض سبزی فروش نہیں بلکہ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

کتاب کا جدید ایڈیشن نظر ثانی کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ اصلاحات کے بعد زائد مواد نکال دیا گیا ہے۔ کتاب کو صرف برادری کی تاریخ تک محدود کر دیا گیا ہے کیونکہ گزشتہ اشاعت میں چند ارائیں خاندانوں کے تذکرے اور شخصیات کو تقریباً دو اڑھائی سو صفحات دیئے گئے تھے۔ ہم نے تازہ اشاعت میں مصنف سے مشورے کے بعد حذف کر دیئے ہیں تا کہ قاری صرف تاریخ کا مطالعہ تسلسل کے ساتھ کر سکے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی مثلاً ادب، انجینئرنگ، سائنس، قانون، اکاؤنٹس، تعلیم، جنگلات، طب، زراعت، سیاست، صنعت، علماء فقہا اور فوج وغیرہ میں ارائیں برادری نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اس لیے طے کیا گیا ہے کہ ارائیں خاندانوں کے تذکرے اور شخصیات کے تعارف کیلئے اس کی جلد دوم شائع کی جائے کیونکہ سابقہ ایڈیشن میں بعض شخصیات کا تعارف بہت ہی مختصر تھا اور بعض شخصیات تعارف سے بالکل محروم رہ گئی تھیں۔ اس سلسلہ میں قارئین کی آراء کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

ناشر

پیش لفظ

تاریخ ہم کو بزرگوں کے حالات سے واقف کر کے دل اور دماغ میں ایک بابرکت جوش پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے قوم کو اپنے تاریخی حالات سے کماحقہ واقفیت ہوتی ہے وہ اپنے قومی امتیازات اور خصوصیات کو محفوظ اور قائم رکھنے کے لئے کوشاں رہتی ہے ارائیں برادری کی بارہ سو سالہ اور پرانی ابتدائی تاریخ کو مستند پرانی تاریخوں میں تفصیل سے ڈھونڈھنا کوئی آسان بات نہیں ہے جبکہ پرانی تاریخیں اور جملہ یادداشتیں عربی زبان میں غیر مطبوعہ ہونے کے علاوہ مختلف اسلامی ملکوں اور لائبریریوں میں ہیں۔

بنو امیہ کے دور میں کئی صوبوں کا وائسرائے حجاج بن یوسف تھا سندھ کا راجہ داہر ایک ظالم انسان تھا۔ جس نے بنو امیہ کی سلطنت کے باغیوں کو پناہ دینے کے علاوہ سراندیپ کے آٹھ جہازوں کو جو خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں تحائف لے جا رہے تھے۔ جن میں بہت سے عرب مرد' عورتیں اور بچے بھی تھے۔ دیبل بندرگاہ پر لوٹا اور قید کر لیا اس پر حجاج نے راجہ داہر کی تادیب کے لئے پہلے عبداللہ اسلمی کو تھوڑی سی فوج دے کر پھر بدیل مجاشی کو چار ہزار فوج دے کر سندھ بھیجا۔ یہ دونوں مہمیں ناکام ہوئیں تو حجاج کی آنکھیں کھلیں کہ راجہ داہر پوری تیاری کر چکا ہے۔ اب یہ کوئی معمولی مہم نہیں رہی جو اپنے طور پر انجام دی جا سکے۔

اس پر حجاج بن یوسف نے خلیفہ ولید کی امداد اور اجازت سے چھ ہزار شاہی فوج جو قابل بھروسہ اور بڑی بہادر سمجھی جاتی تھی۔ اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کی ماتحتی میں مع مجاہدین جو عراق سے شامل ہوئے سندھ بھیجی حضرت عمرؓ کے وقت رومی عیسائیوں سے فتح کئے ہوئے شام و فلسطین وغیرہ پر امیر معاویہؓ عامل تھے۔ انہوں نے خلیفہ عمرؓ کی اجازت سے سلطنت کے استحکام کے لئے شام و فلسطین وغیرہ کے نہایت اہم جنگی مقامات پر عربوں کے چیدہ چیدہ ہزاروں بہادر خاندانوں کو معہ اہل و عیال لا کر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں جس طرح عراق اور ایران وغیرہ میں مجوسی سلطنت معہ اپنے دارالخلافہ قسطنطینہ کے قائم تھی۔ اور عیسائی رومیوں کا سمندر کے راستے اپنے زبردست بحری بیڑہ سے اپنے مقدس و متبرک مقام یوروشلم (بیت المقدس) کو لینے کے لئے حملہ آور ہونے کا بھی خطرہ تھا۔ قدیم ایام سے رومیوں کی فوجی چھاؤنی اریحا (جس کا قبل مسیح الرہا' اور اس سے پہلے اوڈیسہ نام تھا) میں جو ایک نہایت ہی اہم جنگی مقام تھا چلی آتی تھی۔ جس کو مسلمانوں نے حال ہی میں فتح کیا تھا۔

اس کے علاوہ سمندر کے راستہ بیت المقدس پر حملہ کو روکنے کا یہ موزوں ترین مقام تھا۔اور مصر یا شمالی افریقہ کی طرف فوج بھیجنے کے لئے قریب ترین جگہ تھی۔اس لئے امیر معاویہؓ نے اریحا چھاؤنی میں بہادر عربوں کی زبردست فوج رکھی اور اس کو مستقل طور پر ایک مضبوط طاقت کا مرکز بنایا۔ یہی مرکز کی فوج بنی امیہ کی حکومت کے قیام کے بعد شاہی فوج کہلاتی تھی۔ سندھ میں محمد بن قاسم کے ماتحت جو شاہی فوج گئی وہ زیادہ تر اریحا کی چھاؤنی سے گئی اور اندلس (سپین) کو فتح کرنے کے لئے موسیٰ بن نصیر کی فوج کا بڑا حصہ بھی اسی چھاؤنی سے خلیفہ ولید نے بھیجا تھا۔ خلیفہ ولید کی وفات کے بعد سلیمان خلیفہ بنا۔ وہ حجاج اور موسیٰ سے سخت ناراض تھا۔ حجاج فوت ہو چکا تھا۔ اس کے بھتیجے محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر کی گرفتاری عمل میں آئی۔"

سندھ اور اندلس (سپین) کو شام سے گئی ہوئی شاہی فوج کو واپس عرب یا شام آنے کی سخت ممانعت کی گئی کہ کہیں یہ اپنے ہر دلعزیز سپہ سالاروں پر کی گئی سخت زیادتی اور ظلم پر واپس شام میں آکر شورش برپا نہ کر دیں۔ موسیٰ کو شام سے جو فوج اندلس فتح کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی وہ اندلس سے اور محمد بن قاسم کی ہمراہی میں شاہی فوج کو سندھ سے واپس عرب یا شام جانا نصیب ہی نہیں ہوا۔

سندھ میں پیر سید محبّ اللہ کی گوٹھ پیر جھنڈا نزد سعید آباد ضلع حیدر آباد کے پرانے کتب خانہ میں میں نے محمد بن قاسم کے قریب کے زمانے میں لکھی ہوئی عربی زبان میں قلمی تاریخیں خود وہاں جا کر دیکھیں۔

اب سے پچپن سال پہلے صوفی محمد اکبر علی صاحب نے سلیم التواریخ کے نام سے برادری کے چند سر کردہ خاندانوں کی ڈائریکٹری لکھکر قوم کو ایک دوسرے سے روشناس کرایا۔ جس کے لئے برادری ان کی بیحد ممنون ہے۔ انہوں نے اس ڈائریکٹری میں چند سطروں میں اس بات کی بھی نشان دہی فرمائی کہ قوم ارائیں کے بزرگ سندھ کے فاتح محمد بن قاسم کی فوج میں تھے۔ اس نشاندہی سے تحقیق و تجسس کی راہ آسان ہو گئی۔

جناب علی اصغر چوہدری بی اے۔ بی ٹی نے تن تنہا بے سرو سامانی کے عالم اور ہزاروں پریشانیوں کے جھرمٹ میں محصور ہو کر بڑی محنت اور جانفشانی سے ارائیوں کی ابتدائی تاریخ کا مواد طبع شدہ مستند تاریخوں سے اکٹھا کر کے تاریخ قوم ارائیں مرتب کی تھی۔ جس کو چوہدری سردار محمد صاحب ارائیں مالک علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور نے دیدہ زیب صورت میں شائع کیا ہے۔

خدا کا فضل ہوا ہے کہ جوں جوں برادری کو اس کتاب کے شائع ہونے کا علم ہوا یہ بکتی چلی گئی۔ دوسرے ایڈیشن کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے تیسرا ایڈیشن شائع کیا۔ وہ بھی فروخت ہو گیا اور مانگ اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب ان کو اندازہ ہوا کہ ارائیں برادری اپنے آباؤ اجداد کے حالات معلوم کرنے کے لئے کتنی بے چین اور کس قدر تڑپ رکھتی ہے اور اب یہ بات ان پر واضح ہوئی۔

اگر نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔

ادھر علی اصغر چوہدری مزید ریسرچ اسی جذبہ اور انہماک سے بدستور کرتے رہے جب بہت سے تاریخی حقائق اور مزید حالات کا کافی مواد جمع کر چکے تو اسے چوتھے ایڈیشن میں شامل کرنا ضروری سمجھا اور اس کتاب کو نئے سرے سے پھر مرتب کیا۔ کئی ترمیموں اور بہت سے اضافہ کے ساتھ اس کو ترتیب دیا۔ اب یہ تاریخ قوم ارائیں پہلے ایڈیشنوں سے بدرجہا بہتر زیادہ مستند اور معیاری تاریخ کی صورت میں مرتب ہوئی ہے میں علی اصغر چوہدری کی ہمت لگن اور سخت محنت کی داد دیتا ہوں۔ جو بارہ سو سالہ ملبہ کو ہٹانے اور تاریخی حقائق واضح کرنے میں دیوانگی کی حد تک اسی طرح مصروف رہے ہیں جس طرح کوئی فرہاد اکیلا ہی پہاڑ سے ہڑپہ اور موہنجوڈار کے پرانے غرق شدہ شہروں کے ملبہ کو ہٹانے اور شہروں کو برآمد کرنے میں مصروف ہو۔

ان اولین فاتحوں کی اولاد جو ارائیں قوم کے نام سے پکاری اور پہچانی جاتی ہے۔ ایک ہزار دو سو سال یہاں رہنے اور یہاں کی غیر مسلم اقوام سے میل ملاپ نے ان کو بہت کچھ تبدیل کر دیا' تاہم آج بھی جملہ مسلم اقوام سے نرالی خصوصیات ان میں موجود ہیں۔ ان میں شرافت جذبہ محنت صبر و تحمل 'خدا پرستی اور مذہب کے ساتھ وابستگی دوسری مسلم اقوام سے زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔

اس ملک میں اولین فاتحوں کی اولاد جو براہ راست عرب دنیا سے اسلام کا پیغام لائی جنہوں نے تہذیب اسلامی کے پھول بکھیرے اور پیغام توحید کی خوشبو سے اس ملک کو معطر کر دیا۔ اور آج بارہ سو سال کے بعد بھی کچھ کچھ شرافت کا جوہر تھامے چلی آتی ہے۔

ان پر دوسری اقوام سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو پیغام اور اسلامی تہذیب ان کے بزرگ لائے تھے ان کی اولاد کو وہی نظام اور وہی دستور زندگی رائج کرنے میں پیش پیش ہونا چاہئے کیونکہ حضور سرور کائناتؐ نے ہند کے ساتھ جہاد کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اب پت جھڑ کا وقت قریب آچکا ہے پرانی صفیں لپٹی جانیوالی

ہیں اور نئی صفیں بچھانے کا کرہ ارض پر قدرت کی طرف سے اہتمام ہو رہا ہے۔ ایسے نازک ترین وقت میں اسلام کا دامن مضبوطی سے تھام کر اپنی تنظیم کریں۔ نئی پود کو تعلیم کے ساتھ بااخلاق بنانے پر پوری پوری توجہ دیں۔ حضورؐ نے اس زمانہ اور مستقبل قریب کے متعلق جو سینکڑوں حدیثوں میں واضح طور پر فرمایا ہے اس کو پڑھ کر غور و فکر کریں۔ طوفان کی آمد آمد ہو تو قافلہ اکٹھا ہو جاتا ہے۔ منتشر رہنا امن کی حالت میں تو ذلت و رسوائی کا موجب ہے اور طوفانی موسم میں موت کے مترادف۔

آخر میں میں ایک حدیث کا ترجمہ جو شاعر مشرق علامہ اقبال نے شعروں میں کیا تھا۔ لکھتا ہوں تاکہ اس ملک میں اولین عرب فاتحوں کی اولاد مستقبل کے پردوں میں اپنی پوزیشن سمجھ لے اور۔

جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کرے۔

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر اُستوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

سردار محمد شفیع
صدر انجمن ارائیاں پاکستان
عثمان والا (قصور)

ابتدائیہ

اَرِیحائی سے ارائیں تک

(پروفیسر محمد شفیق جالندہری شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی)

تاریخ انسانی میں جب بھی کسی قوم، قبیلے، برادری یا گروہ نے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ اپنی اہمیت و فوقیت کی بناء پر ممتاز مقام حاصل کیا تو اس گروہ کے متعلق دوسروں اور خود اس کے اپنے افراد میں تجسس اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ لوگوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ایک قوم اور گروہ کی حیثیت ان لوگوں کو کیسے اور کب ملی؟ یہ کہاں سے آئے؟ ان کا نسلی سلسلہ کہاں سے چلا؟ وغیرہ۔

قوم ارائیاں یا راعیان یا رعین

برصغیر کی ایک ایسی قوم ہے۔ جس کے افراد کو آغاز ہی سے یہاں ممتاز اور نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس کے افراد ابتلاء و آزمائش کے دور سے بھی گزرے، زمانے کی سختیاں بھی انہوں نے برداشت کیں لیکن اپنی بے حد محنت، خداداد صلاحیتوں اور خلوص نیت کی بنا پر فنون سپہ گری میں ہمیشہ پیش پیش رہے یہ لوگ مختلف علوم و فنون صنعت و تجارت، زراعت و باغبانی اور سیاست میں نمایاں مقام بنا لیتے رہے۔ برصغیر کی مختلف تحریکوں اور انقلابات میں ارائیوں کا جو اہم کردار رہا اور پاکستان میں اس قوم کے افراد کو سیاست و معیشت اور علم و ادب میں جو اہمیت حاصل ہوئی۔ اس سے ہر ذہن میں ارائیوں کی تاریخ اور ابتداء کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

خود اس برادری کے لوگ جو ذات برادری کی تمیز پر زیادہ یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان کے دل میں بھی اپنی تاریخ اور آغاز کے متعلق جاننے کی تمنا پیدا ہوئی۔

ارائیں عربی النسل ہیں۔ اور ان کا تعلق قدیم ترین تہذیب و تمدن کے مرکز شہر اریحا اور یمن سے ہے۔ اریحا ہی کی مناسبت سے یہ اریحائی کہلائے۔ اور یہ نام بدلتے بدلتے ارائیں ہوا۔ بعض الراعی یا ذو رعین یا رعین بھی اسے کہتے ہیں۔ اریحا کا شہر دمشق سے بیت المقدس جانیوالی سڑک پر واقع ہے۔

یہ لوگ مختلف علوم وفنون اور صنعتوں سے بھی واقف تھے تبلیغ اسلام ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ بڑی عزت اور سر فرازی سے رہتے رہے۔

بنو امیہ کے زمانہ میں دمشق کی حفاظت کے لئے اریحا عربوں کی ایک عظیم الشان چھاؤنی تھی۔

اریحا کی اہمیت کے پیش نظر وہاں ایسے لوگوں کو آباد کیا گیا جو بنو امیہ کے اعلی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے یا جن کی بنو امیہ سے وفاداری مسلم تھی۔ ان لوگوں کو سارے علاقے میں جاگیریں عطا کی گئیں۔ جس کی وجہ سے اس کی سر سبزی قابل رشک تھی۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے ماتحت منظم ہوتا تھا اور سپہ سالار اعظم ان سرداروں کے نام احکام جاری کرتا تھا۔ یہ لوگ جہاں میدان جنگ میں بہترین کارنامے سرانجام دیتے وہاں اپنی اراضی کی کاشت میں بھی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے یہ پشت ہا پشت سے جنگجویانہ خوبیوں کے مالک تھے۔

جب سندھ کے راجہ داہر کی طرف سے مسلمانوں کے جہاز لوٹنے اور مسلمان بچوں اور خواتین کو قیدی بنائے جانے پر حجاج بن یوسف (گورنر عراق وغیرہ) نے فتح سندھ کے لئے محمد بن قاسم کو روانہ کیا تو اس کے ساتھ اسی چھاؤنی اریحا کے چھ ہزار بہترین سپاہیوں کو مع دوسرے مجاہدین جو عراق وغیرہ سے شامل ہوئے۔ بھیجا گیا حجاج بن یوسف اور خلیفہ عبدالملک کی وفات کے بعد خلیفہ سلیمان نے حجاج بن یوسف کے خاندان سے ذاتی عداوت کی بناء پر فاتح سندھ محمد بن قاسم کو واپس بلایا تو اس کے ساتھیوں کو ہند میں ہی قیام کرنے کی سخت ہدایت کی۔ یہ لوگ بر صغیر میں ہی رہ گئے۔ انہوں نے پھر منظم ہو کر اور گورنر بنو امیہ کی قیادت میں سندھ اور ملتان اور گردونواح میں اپنی حکومت قائم کی بنو امیہ کے بعد بنو عباس کے گورنر فرماں روا رہے۔ پھر شخصی حکومت ۴۱۶ھ تک قائم رہی۔

۴۰۰ھ کے قریب شیعہ عناصر نے آکر ہر جگہ مسلمانوں میں قبائلی تعصب بھڑکا کر ان کی اجتماعی اور مدافعت کی قوت کو کمزور کردیا محمود غزنوی نے سومنات کی یلغار کے بعد حملہ کر کے ان عرب حکومتوں کو آسانی سے فتح کرلیا۔

تاریخ کے اوراق اور مستند حقائق گواہ ہیں کہ ان ہی جفاکش اور محنتی لوگوں نے سندھ بلوچستان اور سرحد سے لے کر پنجاب تک کے بے آب وگیاہ علاقے سر سبز وشاداب بنائے۔

محمد غوری اور بعد میں پٹھانوں کی افواج کا بیشتر حصہ انہی مجاہدین یعنی ارائیوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ بعد میں بابر، ہمایوں، اکبر سے لیکر اورنگ زیب تک کی فوج کشی میں ان کو اہمیت حاصل رہی۔

اس دوران ان کو ان کے کارناموں کے عوض جاگیریں ملتی رہیں۔ یہ لوگ زار روس کے خلاف مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کا ساتھ دینے کے لئے کوہ قاف (کاکیشیا) تک پہنچے تحریک ریشمی رومال اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور شاہ اسماعیل کی تحریک جہاد میں ان لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ لوگ مجاہد اول فاتح سندھ کے ساتھ اسلام کی شمع لئے برصغیر میں فاتح کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔

تحریک پاکستان میں اگر سر میاں محمد شفیع ' سر شاہنواز اور میاں عبدالباری جیسی شخصیتوں نے نام پیدا کیا تو قیام پاکستان کے بعد چوہدری محمد علی ' میاں عبدالباری ' حمزہ ایم اے ' سردار محمد شفیع ' میاں طفیل محمد جیسی شخصیتیں اپنے خلوص ' اصول پسندی اور جرات و بے باکی کے لئے ہر دلعزیز ہوئیں ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو حکومت کے خاتمہ پر ایک صالح مدبر اور نیک حکمران کے طور پر اس قوم کے ایک فرد محمد ضیاء الحق نے تاریخ اقوام میں اپنا مقام پیدا کیا۔ قوم ارائیاں کے فرزندوں نے ایک طرف اگر انجینئرنگ ' سائنس ' میڈیکل ' تدریس و تحقیق اور صنعت و تجارت میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں تو دوسری طرف علم و ادب ' اور صحافت میں بھی میاں عبدالرشید اور میاں عنایت اللہ بانیان روزنامہ "کوہستان" "روزنامہ مشرق" اور "روزنامہ تعمیر" نسیم حجازی ' میاں محمد شفیع (م۔ش) وقار انبالوی ' عبدالعزیز خالد ' محمد طفیل ' مدیر نقوش ' حافظ مظہرالدین ' علم الدین سالک ' ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک پرنسپل اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی۔۔

"محبوب جاوید میر مون ڈائجسٹ" ڈاکٹر عبدالرشید تبسم ' عبدالقدیر رشک ' چوہدری علی محمد خادم (مرحوم) میاں بشیر احمد (مرحوم) مدیر ماہنامہ "ہمایوں" لاہور ' میاں افتخار الدین ' ضیاء شاہد اور حنیف رامے جیسے نامور لوگ پیدا ہوئے۔

ارائیں اس وقت پاکستان کی سب سے بڑی اور سب سے اہم برادری ہیں۔ سیاست صنعت ' زراعت ' اور معیشت میں اہمیت کے علاوہ جس قدر سائینسدان ' انجینئرز ' پروفیسرز اور ٹیکنو کریٹس اس برادری نے پیدا کئے ہیں اس تعداد میں ایسے سرمایہ افتخار لوگ مہیا کرنے کی سعادت کسی دوسری برادری کے حصے میں نہیں آئی۔

اس قوم کے افراد کے متعلق یہ حقیقت اب ہر جگہ تسلیم کی جاتی ہے کہ ارائیں محنتی ' شریف النفس بہادر اور غیور لوگ ہیں مجموعی طور پر ان میں تدبر ' تحمل ' بردباری خوش اخلاقی اور عالی ظرفی کے اوصاف نمایاں ہیں انہوں نے قومی اور ملکی سطح پر اعلیٰ پائے کے مخلص سیاست دان پیدا کئے ہیں۔ ان لوگوں میں ذات ' برادری کی بنیاد پر ووٹ دینے یا لیڈر

چننے کا تعصب نہیں پایا جاتا۔اس سلسلے میں یہ قوم عالی ظرف اور کشادہ دل ہے ورنہ جس قدر تعداد اس کے افراد کی ہے۔اس کے پیش نظر پاکستان کے کسی بھی ضلع میں بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر کسی دوسری برادری کا کوئی فرد بھی رکن اسمبلی منتخب نہ ہو۔

یہ اس قوم کے افراد کی قومی ملی حمیت ہی کی بناء پر ہے کہ اس کی ساٹھ ستر فی صد آبادی والے علاقوں سے بھی اکثر و بیشتر دوسری برادریوں ہی کے لوگ اسمبلیوں وغیرہ کے رکن منتخب ہوتے رہے ہیں۔

تاریخ ارائیاں

پہلا حصہ

پہلا باب

ارائیں برادری اور تاریخی حقائق

ارائیوں کا تعارف اور تاریخی پس منظر

ملک شام کے کے علاقہ اریحا سے مجاہد اعظم محمد بن قاسم کی شامی فوجوں میں شامل ہو کر ہندوستان آنیوالے یہ اریحائی لوگ جو عرب سے براہ راست اسلام کا پیغام لائے اور جنہوں نے برصغیر میں تہذیب اسلامی کے پھول بکھیرے۔ سندھ کو فتح کرنے کے بعد یہیں آباد ہو گئے۔ بعدازاں امتداد زمانہ کے ہاتھوں اور ماحول کے زیر اثر صوتی تبدیلی سے اریحائی کی بجائے ارائیں بن گئے۔اوران اولین فاتحوں کی اولاد ہندوپاک میں اب ارائیں کے نام سے پکاری اور پہچانی جاتی ہے۔ جنہوں نے اپنی خداداد قابلیت سے تعلیم، علم وادب سیاست صنعت، وزراعت، سپہ گری، مذہب اور روحانیت غرض ہر شعبہ حیات میں نمایاں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور ملک وملت کے وقار میں اضافہ کیا۔پاکستان میں ارائیں برادری کی تعداد ایک کروڑ سے زائد بلکہ بعض کے نزدیک دو کروڑ ہے۔ہندوستان میں بھی ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ آزاد قبائل اور افغانستان میں بھی ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ آزاد قبائل اور افغانستان میں بھی یہ برادری کافی تعداد میں آباد ہے۔

برصغیر میں ارائیں برادری کے افراد جہاں بھی آباد ہیں سماجی بہبود اور اجتماعی فلاح کے کاموں میں باقاعدہ تنظیمیں بنا کر قابل قدر خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

ارائیوں کی اصل اور مستند تاریخی شہادت

برصغیر ہندوپاک کے مشہور مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی اپنی معرکتہ آلارا تصنیف آئینہ حقیقت نما کے صفحہ نمبر ۱۶۶۔ ۱۶۷ پر مسلم فاتحین کے سندھ پراحسان کے عنوان سے لکھتے ہیں:۔

" ان شامی لوگوں کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ملک شام میں واپس جانا نصیب نہ

ہوااور مجبوراً یہیں اقامت اختیار کرنی پڑی۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں ان پر مصائب آئے۔ پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ منصورہ کی خود مختار ریاست کا قیام پھران کے لئے راحت و اطمینان کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی پھران کے لئے مصائب ونوائب کا نزدل تھا۔ کچھ کوہ سلیمان کی طرف متوجہ ہو گئے کچھ ملتان میں آکر آباد ہو گئے اور جہاں کسی کے سینگ سمائے چلے گئے۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیااور اس طوفان میں ملتان کا مرکزی مندر بھی قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ لیکن محمود غزنوی نے جلد ہی اس فتنہ کو فرد کر دیا۔ اور اس طرح ان عربی باقیات میں شام سے آئی ہوئی نسلوں کو زیادہ تر ملتان میں ہی جمع ہونا پڑا۔ چند ہی روز بعد پنجاب کا تمام ملک غزنی سلطنت کا صوبہ بن گیااور مستقل طور پر محمود غزنوی نے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ ملتان سے اکثر قبائل پنجاب کی طرف چلے آئے۔

ارائیں

ان ہی قبائل میں ایک قبیلہ وہ تھا جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا۔ اور رار یحائی کہلا تا تھا پنجابی لہجے اور تلفظ نے اس کو ارائیں بنادیا۔ ان تمام مذکورہ حوادث اور تغیرات کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ یہ لوگ پنجاب کے سرسبز و شاداب علاقے میں آکر افغانی فاتحوں اور ہندو مفتوحوں بے تعلق رہ کر زراعت وکاشتکاری میں مصروف ہو جائیں اور اپنے تجربات کو کام میں لائیں جو ریاست منصورہ کی سرسبزی و شادابی کے لئے وہ کام میں لا چکے تھے عرب کا ملک زرعی نہیں ہے لیکن عربی قومیں جہاں بھی زرعی ملک میں گئیں وہ سب سے بہتر کاشتکار اور نہایت قابل کسان ثابت ہوئیں یہی عربی قومیں جب اندلس پہنچیں تو انہوں نے اندلس کو گل گلزار بنادیا اور ایک چپہ بھر زمین ایسی نہ چھوڑی جہاں کھیتی اور سرسبزی نہ ہو۔ جب اندلس سے بے دخل ہوئے تو وہ ملک پھر بنجر اور ویران نظر آنے لگا۔ آج تک اس سرزمین اندلس میں وہ سرسبزی واپس نہیں آئی جو عربوں نے وہاں پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح عربوں نے منصورہ کو گلزار بنادیا تھا"۔

ارائیوں کے تاریخی پس منظر کو سمجھنے کے لئے ہم ذیل میں قریش کا شجرہ نسب درج کرتے ہیں تاکہ واقعات کو اس کی روشنی میں دیکھا اور سمجھا جائے؟

قریش کا شجرۂ نسب

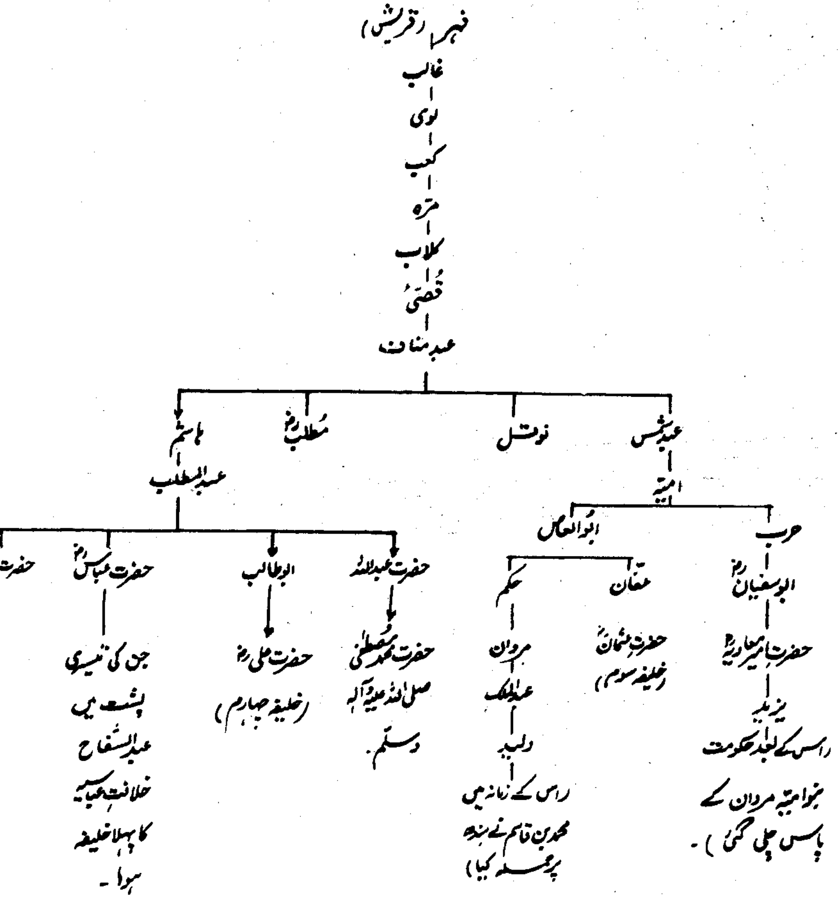

دوسرا باب

تاریخ اسلام کی چند تلخ حقیقتیں

بنو ہاشم اور بنو امیہ

آنحضرت ﷺ سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکزی قریش کا قبیلہ تھا۔ اگرچہ قریش میں بھی کئی چھوٹے چھوٹے حصے ہو گئے تھے۔ تاہم برابر کے حریف صرف بنو ہاشم اور بنو امیہ تھے۔ اور جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے کہ جمعیت اور ملکی اقتدار میں بنو امیہ کا پلہ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر حضرت صدیق اکبرؓ پر اتفاق عام ہو گیا تھا مگر بنو ہاشم دیر تک اپنے دعوے پر قائم رہے اور ان کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس بھی ہوا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کی باضابطہ ولی عہدی نے بنو ہاشم کو ایک بار پھر مایوس کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسی مساویانہ تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہ دے سکے۔ حضرت علیؓ بھی ان منتخب لوگوں میں شامل تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو اس نزاع کو طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؓ نے صبر جمیل کیا۔ چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی اس لئے ان کے عہد خلافت تک بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں ہی خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہ رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے ملکی عہدے بنو امیہ کے ہاتھوں میں دے دیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ تو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے ہی شام کے گورنر تھے لیکن اس عہد میں ان کا اقتدار اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ شام کے مستقل فرمانروا سمجھے جانے لگے تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران بنی امیہ ملکی اور مالی دونوں حیثیت سے بہت طاقتور تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن اہل شام نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جن کی وجوہات پر ہم آئندہ ابواب میں بحث کریں گے۔ صرف اہل شام نے ہی نہیں بلکہ کئی جلیل القدر صحابہؓ نے بھی آپ سے اختلاف کیا۔ اور اس طرح تمام عالم اسلام میں ایک انتشار پیدا ہو گیا۔ آخر کار حضرت علیؓ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اور ان کی شہادت کے بعد تمام مملکت اسلامیہ پر حضرت امیر معاویہؓ کا تسلط ہو گیا۔ اور وہ بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انہوں نے بڑی مضبوطی اور عمدگی سے حکومت کی۔

حضرت معاویہؓ کی فتوحات

حضرت ابو بکرؓ کے زمانے ہی میں حضرت امیر معاویہؓ شام کے معرکوں میں ہمیشہ آگے آگے رہے تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی جہاد کیا۔ قیساریہ کا عظیم الشان معرکہ انہوں نے ہی سر کیا تھا اس ہولناک جنگ میں دشمن کے اسی ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ جس سے حضرت امیر معاویہؓ کا رعب و دبدبہ اس علاقہ کے تمام رومیوں پر ہمیشہ کے لئے طاری ہو گیا تھا۔ دمشق فتح ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے یزیدؓ بن ابو سفیانؓ (حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے بھائی) کو شام کا گورنر مقرر کر دیا اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ حضرت امیر معاویہؓ کو شام کا گورنر بنا دیا گیا ان کی بیدار مغزی، دور اندیشی معاملہ فہمی اور ملکی انتظام کی مہارت کی وجہ سے انہیں "کسری عرب" کہا جاتا تھا۔ اور عاقلان عرب میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تو بہت امن و عافیت اور آرام و سکون سے گزرا مگر بعد میں مفسدوں اور فتنہ پردازوں نے ایسے جھگڑے بکھیڑے نکالے جو برابر بڑھتے ہی رہے اور ملک کا امن غارت ہو گیا۔ چونکہ حضرت امیر معاویہؓ نہایت صائب الرائے اور دور اندیش تھے اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو مشورہ کے لئے بلایا۔ حضرت معاویہؓ بڑی احتیاط

سے دمشق میں بیٹھے پوری مملکت اسلامیہ کی سیاست کا گہری نظر سے جائزہ لے رہے تھے۔ خلیفہ وقت کے بلانے پر فوراً حاضر ہوگئے اور کہا موجودہ واقعات کو دیکھ کر میرا یہ اندازہ ہے کہ حالات سدھرنے کی بجائے اور بگڑ جائیں گے۔ اس لئے مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہے لہٰذا آپ میرے ساتھ دمشق تشریف لے چلیں جب حالات سدھر جائیں تو آپ بیشک مدینہ واپس تشریف لے جائیں۔" مگر جواب میں حضرت عثمانؓ نے کہا:

"میں دیار نبی ﷺ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔"

اس جواب کو سن کر حضرت معاویہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپ مدینۃ النبی چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تو کم از کم یہ ضرور کریں کہ فوج کا ایک مضبوط دستہ اپنی حفاظت کے لئے مقرر فرمائیں تاکہ وقت آنے پر آپ کی جان محفوظ رہے اور آپ کو دشمن گزند نہ پہنچا سکیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔" معاویہؓ! میں اپنی ذات کے لئے (خزانہ) بیت المال پر ایک فوجی دستے کی تنخواہ کا بار نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس لئے مجھے تمہاری یہ تجویز منظور نہیں"

اس پر حضرت امیر معاویہؓ آبدیدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ امیر المومنین ! اللہ تعالیٰ آپ پر فضل کرے جب آپ میری کوئی بات مانتے ہی نہیں تو پھر مجھے آپ کے خون کا قصاص ہی لینا پڑے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ "اس وقت کا مسئلہ اس وقت دیکھا جائے گا۔"

اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ دمشق چلے گئے اور فتنہ پردازوں کی کارروائیاں جاری رہیں حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ کی مشکلات

کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغیوں نے خلیفہ سوم کو بے گناہ شہید کر دیا۔ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس بیعت کا سب سے بڑا محرک عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا جو بظاہر مسلمان بن گیا تھا مگر باطن میں اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بھی اسی کا اٹھایا ہوا تھا۔ اس نے مدینہ کے بعض اکابر سے حضرت علیؓ کے لئے جبراً بیعت لی اور کہا اگر بیعت نہ کرو گے تو تمہاری گردنیں تلوار سے اڑا دی جائیں گی۔ اس موقع پر خاص طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل شام میں سے (جن میں حضرت امیر معاویہؓ بھی شامل تھے) کسی نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی اور وہ آخر وقت تک آپ کے خلاف رہے۔

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت امیر معاویہؓ کو امارت شام سے معزول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب شام کی گورنری پر حضرت علیؓ نے مقرر کرنا چاہا تو انہوں نے کہا" معاویہؓ کے قدم شام میں اس مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں کہ ان کو وہاں سے اکھاڑنا بظاہر ناممکن ہے اور کوئی شخص بھی جو وہاں امیر بنا کر بھیجا جائے گا معاویہؓ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا لہذا مجھے اس خدمت سے باز رکھیں۔"

اس پر حضرت علیؓ نے سہل بن حنیف کو شام کی گورنری اور حضرت معاویہؓ کی معزولی کا پروانہ دیکر روانہ کیا مگر شام کی سرحد پر چند سواروں نے انہیں دھمکا کر واپس کر دیا۔ اس عرصہ میں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔ اس جنگ میں حضرت معاویہؓ بالکل الگ تھلگ رہے۔ اس جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو بیعت کرنے کے لئے خط بھیجا جس کا جواب حضرت معاویہؓ نے یہ دیا کہ میری بیعت اس امر پر منحصر ہے کہ آپ قاتلان عثمانؓ کو سخت سزا دیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا قصاص کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس لئے تمام اسلامی ممالک میں نہایت شدت سے اس کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ بد قسمتی سے قاتلان عثمانؓ کا بہت بڑا گروہ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھا۔ اور باغیوں کا لیڈر محمد بن ابو بکر حضرت علیؓ کا زیادہ منظور نظر تھا۔ اسے حضرت علیؓ نے مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔

مصالحت کی کوشش

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی چپقلش کو دیکھ کر بعض صحابہؓ کو بڑا دکھ ہوا حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو امامہ باہلیؓ دو معزز صحابی حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا گیا کہ جب حضرت علیؓ آپ سے ہر بات میں افضل ہیں وہ آپ سے پہلے اسلام لائے۔ آپ سے زیادہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت کی پھر آپ ان سے کیوں جھگڑا کرتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ نے ان کی تمام تقریر کا یہ جواب دیا۔

"ہمارا اور علیؓ کا جھگڑا صرف عثمانؓ کے قصاص پر ہے۔ اگر علیؓ ان قاتلوں اور فتنہ پردازوں کو قرار واقعی سزا دیں۔ جنہوں نے خلیفہ سوم کو بے گناہ شہید کیا تو اس کے بعد

میرا اور ان کا کوئی جھگڑا نہ رہے گا میں فوراً ان کی بیعت کر لوں گا لیکن جبتک قاتلان عثمانؓ لشکر علیؓ میں موجود ہیں۔ اس وقت تک میں ان کی بیعت کس طرح کر سکتا ہوں۔ جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قاتلوں کی پشت پناہ بنے ہوئے ہیں۔ نہ انہوں نے قتل عثمانؓ کی تحقیق کی اور نہ کسی مجرم کو سزا دی۔ قاتل عثمانؓ کے قصاص میں قتل کر ڈالیں یا میرے حوالے کر دیں تو میں سب سے پہلے ان کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے ان کی فضیلت سے ہرگز انکار نہیں۔"

حضرت معاویہؓ کی یہ گفتگو سن کر دونوں بزرگ صحابی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے صورت واقعہ بیان کی۔ جب حضرت علیؓ کے لشکریوں کو معلوم ہوا کہ دمشق سے دو صحابی آئے ہیں اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کی یہ گفتگو حضرت علیؓ سے دہرائی ہے تو یہ سنتے ہی حضرت علیؓ کی فوج میں سے بیس ہزار آدمی باہر نکل آئے اور نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

"ہم ہیں قاتلان عثمانؓ ہم سب نے مل کر عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ چڑھا دو ہم سب کو پھانسی پر اور قتل کر دو ہم میں سے ایک کو۔"

اس پر حضرت علیؓ نے دونوں صحابیوں سے فرمایا۔

"دیکھا تم نے بتاؤ ایسی حالت میں میں کیا کر سکتا ہوں۔"

بغاوت اور سرکشی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو امامہؓ حیران رہ گئے۔

"کاش! قاتلان عثمانؓ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تاکہ بعد میں قتل و خون کا بازار گرم نہ ہوتا۔

صلح

غرض حضرت معاویہؓ کی طرف سے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ اور حضرت علیؓ کی طرف سے ان کی معزولی یا بیعت کرنے کا مطالبہ آخر کار جنگ صفین پر منتج ہوا اور ثالثی تک نوبت پہنچی مگر یہ مشن بھی ناکام رہا چنانچہ آخر میں بقول طبری حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ آؤ اب صلح کر لیں میرے پاس شام اور مصر رہے اور آپ کے پاس حجاز، یمن، الجزیرہ، عراق اور فارس و کرمان رہیں۔ نہ آپ میرے ملک پر حملہ کریں نہ میں آپ کے مقبوضات پر چڑھائی کروں۔" حضرت علیؓ نے ملک میں عام بدنظمی اور بے چینی کو مد نظر

رکھتے ہوئے اسے خوشی سے منظور کر لیا اور صلح کا معاہدہ لکھا گیا۔ اگرچہ دونوں فریق آرام سے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے مگر اس وقت تک ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کا خون ناحق بہہ چکا تھا۔

حضرت حسنؓ کی دستبرداری

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے بڑے فرزند حضرت حسنؓ عراقیوں کے خلیفہ بنے مگر ان کو ان کے والد محترم کی طرح چین نہ ملا۔ اور ان کے ساتھ بھی ان کے مریدوں نے نہایت ناشائستہ سلوک کیا ان کے نیچے سے ان کا مصلے کھینچ لیا۔ ان کے جسم پر سے ان کی چادر اتار لی ان کے خیمے سے ان کا تمام مال واسباب لوٹ لیا۔ ران پر کاری زخم لگایا۔ غرض آپ کو بے حد پریشان کیا گیا اپنے ساتھیوں کی یہ بیوفائی اور کوفہ والوں کی دغا بازی دیکھ کر آپ پچاس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ کے عوض حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور باقی عمر امن وعافیت سے گزاردی۔

حضرت امیر معاویہؓ

اب حضرت امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے ساری اسلامی سلطنت کے حکمران تھے۔ اس لئے ان کی توجہ فتوحات کی جانب مبذول ہو گئی۔ اور انہوں نے عین درمیان بھی بیٹھ کر ایک طرف بحراوقیانوس تک اور دوسری طرف افغانستان تک اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ مشرق میں بلخ، ہرات، خراسان، کابل، قلات اور افغانستان وغیرہ کو فتح کیا مغرب میں بحیرہ روم کے قیمتی جزیرے روڈس اور سسلی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انطاکیہ اور قسطنطنیہ پر بھی حملہ کیا۔

آج جو لوگ حضرت امیر معاویہؓ کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے اور نام لیتے بھی ہیں تو لعن طعن کرتے ہیں ان کے لئے شائد یہ بات عجیب ہو گی کہ جو اصحاب رسول ﷺ حضرت علیؓ کے نہایت ہمدرد، معاون اور مددگار تھے اور جن سے زیادہ دشمن اور مخالف امیر معاویہؓ کا اور کوئی نہیں ہو سکتا وہ حضرت معاویہؓ کی قسطنطنیہ پر بھیجی ہوئی اس فوج میں نہایت خوشی سے شامل ہوئے تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی اور ان کے سچے خیر خواہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے عقیدمند اور رسول اللہ ﷺ کے عاشق حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت علیؓ کے فرزند دلبند حضرت امام حسینؓ۔

اس جنگ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ وفات پاگئے۔ تو ان کی وصیت کے مطابق

سالار لشکر یزید بن معاویہؓ نے ان کا جنازہ آگے رکھ کر کوچ کا حکم دیا اور لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے۔ آگے راستہ نہ تھا اس لئے میزبان رسول اللہ ﷺ کو وہیں دفن کر دیا لیکن قیصر سے یہ بات کہہ دی کہ ہم نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے ایک مقدس صحابی کو یہاں دفن کیا ہے اور اگر تم نے قبر کی ذرا بھی بے حرمتی کی تو یاد رکھنا کہ شام میں عیسائیوں کے جتنے گرجے ہیں سب مسمار کر کے برابر کر دوں گا۔

یہ قہری نوٹس سن کر قیصر روم حیران رہ گیا اور اس وقت سے لے کر کسی بھی عیسائی بادشاہ کو مجال نہ ہوئی کہ قبر ابی ایوب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکتا۔ قبر آج تک موجود ہے اور مرجع خاص و عام ہے خاندان عثمانیہ کے ہر سلطان کی تاجپوشی کی رسم اس پر نور قبر پر ادا ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی یاد رہنی چاہئے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "یہ پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہو گا وہ مغفرت یافتہ ہے۔" (بخاری) اسی لئے نامور صحابہ نے اس میں شرکت کی تھی۔

حضرت معاویہؓ اور ان کی شخصیت

حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں میں جہاز رانی اور جنگی بحری بیڑہ بنانے کے موجد ہیں' ان کا جنگی بیڑہ اتنا مضبوط تھا کہ اس میں سترہ سو جنگی جہاز تھے۔ جن کے بل بوتے پر انہوں نے قیصر روم کی بحری افواج کو شکست دے کر بحیرہ روم پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں کے علاوہ بہت سی نئی بستیاں بھی آباد کیں اور انہیں عموماً ایسی جگہوں پر بسایا جہاں دشمن کی سرحدیں قریب پڑتی تھیں تاکہ اپنے ملک کی حفاظت ہوتی رہے۔

حکومت بنوامیہ

خاندان بنوامیہ میں حضرت امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خود اپنے زور بازو سے شام میں مستقل حکومت قائم کی اور آخر میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا پھر تمام عرب سے اس کی بیعت لی۔

خاندان بنوامیہ کی سیاسی تاریخ درحقیقت حضرت امیر معاویہؓ کے عہد سے شروع ہوتی ہے لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے جو حکومت قائم کی تھی۔ اس نے بہت تھوڑی عمر پائی۔ اگرچہ یزید ان کا جانشین تھا لیکن اس کی وفات کے بعد ہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقل طور پر دعوی خلافت کیا اور شام کے سوا تمام دنیائے اسلام ان کے قبضہ اقتدار میں آ گئی۔ شام

اور مصر کے لوگوں نے یزید امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن چند ہی دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس نے کسی کو جانشین نہ بنایا۔ اب یہ دونوں ملک بھی گویا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے اور بنو امیہ کا نام بظاہر صفحہ ہستی سے مٹ گیا مگر دفعتہً بنو امیہ کی سیاسی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ جو پہلے سے زیادہ پر عظمت' وسیع اور زیادہ شاندار تھا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی کے زمانہ میں خاندان بنو امیہ کے مردان بن الحکم نے بغاوت کر کے شام و مصر پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس نے اس قدر کم زمانہ پایا کہ اس کے عہد میں اس خاندان کو سیاسی استقلال حاصل نہ ہو سکا۔

مردان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک تخت نشین ہوا جس نے حکومت کا اصل ڈھانچہ قائم کیا۔ اس نے مستقل طور پر اکیس سال تک حکومت کی جس میں سات آٹھ سال اگرچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خانہ جنگی میں صرف ہو گئے لیکن چودہ سال تک اس نے نہایت اطمینان سے دنیائے اسلام پر تنہا حکومت کی۔ تاریخ اسلام میں بنو امیہ اور بنو عباس باہم حریف مقابل ہیں لیکن بنو امیہ کو نہ صرف بنو عباس بلکہ تمام فرمانروایان اسلام پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے اسلامی حکومت کے حدود کو اپنے زور بازو سے اس قدر وسیع کر دیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

خلفائے راشدین کے زمانہ تک صرف عرب' شام 'مصر اور ایران اسلام کی حدود سلطنت میں داخل تھے لیکن خلفائے بنو امیہ نے اپنے دور حکومت میں اس نقطہ کو دائرہ اور اس حباب کو دریا بنا دیا تھا۔ انہوں نے ایک طرف تو افریقہ اور مغرب کے تمام شہروں کو فتح کر کے اندلس کو اسلامی یادگاروں کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا تھا۔ اور دوسری طرف مشرق میں سندھ 'کابل اور فرغانہ کو فتح کر کے سرزمین چین میں اپنا جھنڈا نصب کیا' روم کی طرف بڑھے تو قسطنطنیہ کی چار دیواری تک پہنچ کر دم لیا۔ جزائر میں قبرص 'روڈس وغیرہ کو فتح کر لیا۔ غرض مشرق مغرب اور شمال جنوب' عرب عجم' تاتار' ترک چینی اور ہندی تمام قوموں نے ان کے آگے سر جھکا دیا اور تمام ممالک ان کے زیر نگیں ہو گئے۔

حکومت بنو امیہ کا رقبہ مغرب میں اندلس کے آخری گوشوں سے لے کر جنوب میں سندھ تک پھیلا ہوا تھا اور شمال میں بلاد روم سے شروع ہو کر مشرق میں چین کی دیواروں تک ختم ہوتا تھا۔ اس طرح گویا اس وقت دمشق کا پایہ خلافت افریقہ اور ایشیا کے برہائے اعظم کا مرکز تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بنو امیہ کے بعد کسی دوسری مسلمان حکومت کو اتنی وسیع سلطنت نصیب نہیں ہوئی۔

تیسرا باب

عربوں کی سندھ میں آمد

برصغیر ہندوپاک میں بلاشبہ یہ فخر خطہ پاک سندھ کو حاصل ہے کہ اسلام کی روشنی اسی راستے سے اس ملک میں پھیلی۔ باب الاسلام کی یہی وہ مقدس سرزمین ہے جس نے بقول بعض مورخین صحابہ کرامؓ کے قدم چومے اور مجاہد اعظم حضرت محمد بن قاسمؒ کے لشکر میں تو بہت سے تابعین اور تبع تابعین بھی موجود تھے۔ جن کے مقدس جسم اس خاک میں مدفون ہیں یہاں لشکر اسلام کے مبارک قدموں کے نقوش قدیم کھنڈرات کی صورت میں اب بھی موجود ہیں۔ نخل عرب کھجور سے ان مجاہدوں کی نہایت شیریں یادگار اس سرزمین کے اکثر و بیشتر حصوں میں جلوہ فگن ہے۔

سرزمین سندھ میں عرب مجاہدین کا داخلہ

عبدالملک بن مردان کے عہد میں جو بنوامیہ کا ایک جلیل القدر خلیفہ ہو گزرا ہے۔ راجہ داہر والئی سندھ نے سلطنت اسلامیہ کے دو باغیوں محمد اور معاویہ علافی کو اپنی پناہ دے کر لڑائی کا سبب پیدا کیا تھا۔ اور حجاج بن یوسف ثقفی جو عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا چاہتا تھا کہ اس کا بدلہ لے مگر خلیفہ نے اس کی اجازت نہ دی تاہم ان ہی دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ بدل کے رکھ دیا تفصیل اس کی مندرجہ ذیل ہے:۔

جزیرہ سراندیپ کے مسلمان

۳ سلطنت اسلامیہ اب چونکہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی لہذا سراندیپ کا راجہ اپنی حفاظت اور عافیت کے لئے بھی اس بات کی ضرورت محسوس کرتا تھا کہ وہ سلطنت اسلامیہ سے باقاعدہ تعلق پیدا کرے۔ چنانچہ راجہ نے حجاج بن یوسف ثقفی گورنر کی عنایات کو اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے آٹھ جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا۔ ان جہازوں میں سراندیپ کے قیمتی تحائف لادے گئے اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں اور سوداگروں میں سے بعض اشخاص جو اپنے وطن جانے اور حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہونے کے لئے بے چین تھے ان جہازوں میں سوار ہو گئے۔ نیز بعض عرب سوداگروں کی بیوائیں اور ان کے یتیم بچے جو واپس اپنے وطن جانے کے خواہاں تھے ان کو بھی ان جہازوں میں سوار کر دایا گیا۔

حجاج کے لئے یہ بیڑہ جو قیمتی تحائف کے علاوہ عازمین حج، یتیموں، اور بیواؤں کو بھی وطن واپس لا رہا تھا۔ نہایت بیش قیمت تھا۔

یہ جہاز جب بحیرہ عمان میں داخل ہوئے تو باد مخالف نے ان کو سمندر میں آوارہ اور بے قابو کر کے ساحل دیبل پر پہنچا دیا۔ دیبل سندھ کی سب سے بڑی بندگاہ اور راجہ داہر کے مشہور شہروں میں سے ایک شہر تھا۔ جہاں راجہ کا گورنر اور سپہ سالار رہتا تھا۔

آگے بڑھنے سے پیشتر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کو دیبل کا کچھ حال بتائیں تا کہ آئندہ واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

دیبل زمانہ قدیم میں

یہ شہر قدیم زمانہ میں سندھ کی سب سے زیادہ مشہور بندرگاہ تھی اور خاصا بڑا شہر تھا جس میں راجہ داہر کا گورنر اور سپہ سالار رہتا تھا۔ اس کے وسط میں ایک مندر تھا جس کے کلس پر ایک چھوٹا سا بت تھا اور اس کے اوپر ایک پھریرا لہراتا رہتا تھا۔ بلاذری کی روایت کے مطابق مسلمان فاتحین میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانے میں عمان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے اپنے بھائیوں مغیرہ اور حکم کو ایک لشکر دے کر ہندوستان پر حملہ کی غرض سے بھیجا تھا جنہوں نے دیبل پر حملہ کیا تھا۔ ان کے بعد محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء یعنی ۹۱ھ میں اسے مکمل طور پر فتح کر کے اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بنا دیا تھا۔ جب عربوں کی حکومت کو زوال آیا تو دیبل کی عظمت بھی گہنا گئی اور اس کی اہمیت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ آج اس کا نام بھی مٹ گیا ہے۔ حالانکہ چھ سو سال تک اس کی عظمت کا ڈنکہ بجتا رہا۔ اور سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ اس سے وابستہ رہی تھی۔

دیبل موجودہ ایام میں

آج کل کی تحقیقات اور محکمہ آثار قدیمہ کی رپورٹوں کے مطابق موجودہ بھنبھور ہی دیبل تھا ۱۹۵۱ء میں بھنبھور کی کھدائی کی گئی اور اس میں سے جو چیزیں دستیاب ہوئی تھیں ان میں سے بیشتر عربی دور کی یادگار ہیں۔ عربی خط نسخ اور خط کوفی میں لکھی ہوئی پتھر کی تختیاں اور منصور بن جمہور الکلبی کے عہد حکومت کے سکے ملے ہیں۔ واضح رہے کہ منصور نے بنی امیہ کے زوال کے وقت تقریباً ۷۴۷ء یعنی ۱۳۰ھ میں عراق سے آکر سندھ میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کی اور اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ اس کا دارالخلافہ منصورہ تھا اور دوسرا بڑا مرکز دیبل تھا جس پر اس کے بھائی منظور بن جمہور نے قبضہ کیا تھا یہ جگہ دھابے جی ریلوے اسٹیشن

اور سب قیدی ہمارے پاس واپس بھجوادیئے جائیں اور ظالموں کو سزا دی جائے۔ مگر راجہ داہر نے حجاج کا یہ نامہ پڑھکر بڑی بے پرواہی سے جواب لکھا کہ ان قزاقوں پر ہمارا زرد نہیں چلتا۔ تم خود آکر اپنے قیدی چھڑالو اور اپنا مال واسباب لے جاؤ۔ حالانکہ راجہ داہر کی یہ بات بالکل غلط تھی کیونکہ یہ تمام قیدی الور کے قلعہ میں موجود تھے اور وہاں سے ہی مسلمانوں نے ان کو لڑائی کے بعد چھڑایا تھا۔

حجاج کی طرف سے کاروائی

حجاج کے پاس جب راجہ داہر کا یہ نامعقول جواب پہنچا تو اس نے عبداللہ بن بنہان اسلمی کو فوج دیکر روانہ کیا تاکہ دیبل پر قبضہ کرے مگر عبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ شہید ہو گیا اس کے بعد بدیل بن طہفقہ البجلی کو بھیجامگر اس کا بھی یہی ہشر ہوا۔ اب حجاج کی آنکھیں کھلیں کہ سندھ کا راجہ داہر جنگ کی کافی تیاری کر چکا ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے خاص بندوبست کی ضرورت ہے۔ اسی اثناء میں عبدالملک فوت ہو گیا اور اس کے بعد اسکابیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ حجاج نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ پہلے تو خلیفہ نے انکار کر دیا۔ تاکہ مسلم مجاہدین کا بلاوجہ جانی نقصان نہ ہو۔ اور خزانہ پر مالی بوجھ بھی نہ پڑے۔ لیکن جب حجاج نے یقینی طور پر فتح حاصل کرنے کے لئے اپنی ذات پر بہت سی پابندیاں عائد کرلیں تو خلیفہ نے بمشکل راضی ہو کر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔ ہم ذیل میں چچ نامہ سے یہ واقعہ مفصل طور پر نقل کرتے ہیں۔

حجاج کادربار خلافت سے دوبارہ جہاد کی اجازت طلب کرنا

ابوالحسن مدائنی نے بشیر بن خالد سے روایت کی ہے کہ بدیل کے قتل ہو جانے کے بعد حجاج نے خلیفہ ولید کے پاس ایک خط بھیجا جس میں ہندوستان کے فتح کرنے کی اجازت طلب کی لیکن خلیفہ نے لکھا کہ۔

وہ قوم جاہل اور ملک دور ہے لشکر اور اسلحہ وغیرہ کی تیاری اور بندوبست پر بھی بڑی رقمیں خرچ ہو ں گی اور بیت المال پر بڑابوجھ پڑے گا۔ جو سخت خراب بات ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں توقف کرنا چاہیئے کیونکہ جب بھی لشکر جاتا ہے۔ مسلمان ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے کوئی تدبیر سوچنی چاہیئے۔"

حجاج نے اس خط کے جواب لکھا کہ:۔

"اے امیر المومنین کتنی مدت گزر گئی ہے کہ مسلمان قیدی کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہیں اور اسلام کا لشکر ایک مرتبہ شکست کھا چکا ہے جس کا بدلہ لینا اور مسلمانوں کو آزاد کرانا ضروری ہے۔ اور خط کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ولائت دور ہے اور لشکر کی تیاری اور انتظام پر بے فائدہ رقم خرچ ہو گی۔ تو اس کے لئے عرض ہے کہ ہمارے پاس اسباب اور ہتھیار وغیرہ سب کچھ پہلے سے ہی موجود ہیں اور زیادہ فرق نہیں پڑے گا تاہم اگر کوئی خرچ وغیرہ کی بار بار تکلیف ہوئی تو اس کو رفع کرنے کا ذمہ میں اپنے سر لیتا ہوں اور اس بات کا ذمہ دار بھی ہوتا ہوں کہ دارالخلافہ کے خزانے سے اس لشکر پر جتنی رقم خرچ ہو گی اس سے دوگنی سہ گنی رقم خزانے میں۔ کہ خدائے تعالیٰ اسے بھرپور رکھے۔ داخل کرائی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ!"

خلیفہ ولید نے حجاج کا خط پڑھ کر جہاد کی اجازت دیدی۔ جس کے جواب میں حجاج نے مندرجہ ذیل عرضداشت دربار خلافت میں بھیجی۔

"اے امیر المومنین آپ کے اجازت نامہ سے مشرف ہوا ہوں اب آپ مہربانی کرکے شام کے سرداروں میں سے چھ ہزار کو حکم فرمائیں کہ جنگ کے ہتھیاروں اور دوسرے سازوسامان کے ساتھ اس لشکر کی طرف روانہ ہوں یہ لوگ ایسے نامور ہوں کہ جنگ کے وقت ان میں سے ہر ایک کا نام مجھے معلوم ہوا اور وہ میری موافقت کریں اور لڑائی سے منہ نہ موڑیں"۔

ابوالحسن مدائنی نے اسحاق بن ایوب سے روائت ہے کہ حجاج کی تحریر پر شام کے امیروں کے فرزندوں میں ایسے چھ ہزار جوان کہ جن کے ماں باپ زندہ تھے اور پوری تیاری کرسکتے تھے اور وہ نامور بہادر کہ جو اپنے ننگ ونام کی خاطر میدان جنگ میں جم کر محمد بن قاسم سے وفاداری دکھا سکتے تھے آکر حاضر ہوئے۔"

ان پیراگرافوں پر غور کریں اور اندازہ لگائیں کہ خود حجاج کو بھی اس مہم کی سنگین نوعیت کا کس قدر احساس تھا اور اسے یقین تھا کہ جب تک شجاع ترین مجاہدین اس مہم میں شامل نہ ہوں گے' کامیابی ہرگز نہ ہو گی۔ ابوالحسن مدائنی کی

روایت ہے کہ حجاج کے اس خط کے پہنچنے پر دربار خلافت کے حکم سے شام کے بہادروں میں ایسے چھ ہزار منتخب کئے گئے جو نامور تھے اور اپنی بہادری جوانمردی اور وفاداری میں ضرب المثل تھے کیونکہ ایسے مجاہدین فی الحقیقت اس قسم کی مہم کے لئے موزوں ہو سکتے تھے۔ جنت السندھ میں لکھا ہے۔

"سندھ پر عربی لشکر یعنی (محمد بن قاسم کے ساتھیوں) نے حملہ کیا تھا۔ اسمیں شامی' عراقی' یمانی اور حجازی افسر تھے۔ ان میں سے کئی ایسے بزرگ تھے جنھوں نے صحابہ کرامؓ کی مبارک صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا اور بعض ایسے تھے جنھوں نے تابعین سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اس لئے ان کی حکومت میں اسلامی روح تھی۔ اس لشکر میں قریش' بنوامیہ' بنوکلب' بنوقیس' بنواسد' بنوتمیم' بنوسلیم' ربیع' شیبانی' عمانی' ازدی اور یمن اور حجاز کے شریف مجاہد شامل تھے۔ جنہوں نے یرموک اور مدائن جیسے خونریز معرکوں میں قیصرو کسریٰ کی عظمت کو خاک میں ملا دیا تھا۔"

ان منتخب ہونیوالے سرداروں اورجوانمردوں میں ایک معقول تعداد اریحا کے رہنے والوں کی تھی۔ جیسا کہ مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اپنی مایہ ناز تصنیف آئینہ' حقیقت نما" کے صفحہ نمبر ۱۴۴ پر مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان" کے عنوان سے لکھا ہے۔ جسے ہم گزشتہ صفحات میں درج کر چکے ہیں اسی مناسبت سے ہم اریحا کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی اہمیت اور ان مجاہدوں کی عظمت معلوم ہو سکے۔

اریحا

اس عنوان کے تحت مفصل لکھنے سے پیشتر ہم آپ کو ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور بابت ماہ مئی ۱۹۶۲ء میں "اردون" کے چند اقتباسات کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں جس میں جناب امین اللہ نے اریحا کے متعلق لکھا ہے۔

"اردن مقدس سرزمین ہے جہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصیٰ واقع ہے (واضح رہے کہ ۱۹۶۷ء کے بعد سے اس پر اسرائیل کا قبضہ ہے) جہاں بیت اللحم ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرقد مبارک ہے۔ اس سرزمین سے دنیا بھر کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقیدت مندانہ جذبات وابستہ ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے اردون شام ہی کا حصہ ہے اور شام لبنان' فلسطین اور اردن دراصل ایک ہی طبعی وحدت کے مختلف اجزا ہیں عظیم شام شمال میں ترکی سے لیکر جنوب میں مصر کی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اور برگزیدہ پیغمبروں کی جائے پیدائش اور گہوارہ رہ چکا ہے' یہاں سے انوارالٰہی کی شعاعیں انسانیت کو پیغام نور وہدایت دیتی رہی ہیں۔

آثار قدیمہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ اردون انسان کا قدیم ترین مسکن ہے کہا جاتا ہے کہ اریحا کا شہر جواب بھی بحیرہ مردار کے قریب پچاس ہزار انسانوں کی بستی ہے۔ دنیا میں سب سے پرانا مسکن انسانی ہے۔ اس شہر کے آثار سے اندازہ لگایا ہے کہ اس کی بنیاد تقریباً آٹھ ہزار سال پیشتر رکھی گئی تھی۔ پانچ سو سال قبل مسیح میں اس علاقہ کے باشندے تانبے کا استعمال جانتے تھے اور مختلف علوم وفنون اور صنعتوں سے واقف تھے۔ ان کی تہذیب بڑے اونچے درجے کی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے عظیم الشان شہر بسائے تھے۔

۱۹۱۸ء میں عربوں اور انگریزوں نے مل کر ترکوں کا مقابلہ کیا اور سارے شام سے انہیں نکال دیا۔ جنگ کے خاتمے پر انگریزوں نے عربوں سے غداری کی اور سارے عرب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کچھ عرصہ بعد اردون کی حیثیت سے ایک ملک نقشہ عالم پر نمودار ہوا۔

اریحا انسانی آبادی کا قدیم ترین شہر بحیرہ مردار کے قریب واقع ہے۔

یہاں سیاحوں کے لیے بڑے بڑے ہوٹل تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہاں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے تعمیر کردہ قلعے کے آثار آج تک موجود ہیں۔ اس شہر کے قدیم ترین زمانہ کے آثار بھی سیاحوں کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہیں۔ اریحا کی آبادی تقریبا پچاس ہزار ہے۔"

نوٹ:۔ (اریحا پر ۱۹۶۷ء میں اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا اور اب بیت المقدس بیت اللحم اور اریحا' اسرائیل کے شہر ہیں)'

اریحا کے قدیم نام اور معنی

اریحا کو جریکویاریحو بھی کہتے ہیں۔ یہ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر فلسطین میں سب سے پہلے اس شہر پر حملہ کیا تھا اور بائبل کے بیان کے مطابق حملے کے ساتھ ہی اسکی فصیل گر گئی تھی۔

اریح کے لفظی معنی خوشبو کے ہیں اور اریحا کا ترجمہ بوستان ہونا چاہیے یہ نام اس علاقہ کی سرسبزی' زرخیزی اور گل وگلزار کی بہتات کا ثبوت ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ہمیشہ سرسبزوشاداب رہا ہے اورمیلوں تک خوبصورت پھولوں کی وجہ سے جاذب نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے بنوامیہ نے اس کو چھاؤنی میں تبدیل کر لیا تھا۔

(۱) پروفیسر فلپ کے ہٹی۔ اپنی مشہور کتاب تاریخ شام' لبنان اور فلسطین دوسرا ایڈیشن مطبوعہ لنڈن میں اریحا کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

اریحا' ریکو اور ریحو سب اریحا ہی کے نام ہیں جو مختلف ادوار میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے صفحہ نمبر ۸ اور صفحہ نمبر ۱۲۸ پر جو نقشے دیئے ہیں۔ ان میں اس شہر کی جغرافیائی پوزیشن بالکل واضح ہے۔ یہ یروشلم (بیت المقدس سے) دمشق جانیوالی سڑک پر واقع ہے (اسرائیل اور عرب کی گزشتہ جنگ کے دوران روزنامہ جنگ کراچی میں ایک تصویر شائع ہوتی تھی۔ جس میں ایک سڑک پر ٹینک کھڑا ہے۔ ایک سپاہی اس ٹینک کے سامنے ہے۔ سڑک پر میل اور شہر بتانے والا کھمباجھکا ہوا ہے۔ اس کے اوپر انگریزی میں جریکو اور عربی رسم الخط میں اریحا لکھا ہوا ہے اور اس تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے۔

(بیت المقدس کے پرانے شہر کے قریب جبل الزیتون اور اریحا کو جانیوالے دوراہے پر ٹینک کے ساتھ پہرہ دیا جا رہا ہے۔
یہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے۔ صفحہ نمبر ۱۸
ریکو (چاند کا شہر) موجودہ نام اریحا صفحہ نمبر ۸۱ فٹ نوٹ ریکو سے قبل از تاریخ کے زمانہ کے آثار قدیمہ اور نادر نقوش برآمد ہوئے ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۵۔

اریکو کی زرخیزی نے ملکہ قلوپطرہ کو اپنی جانب متوجہ کیا ار ملکہ اسے دیکھکراس قدر مسحور ہوئی کہ اس نے وہاں باغات لگائے۔ صفحہ نمبر ۱۰۸
وہاں کے قدیم لوگ اپنے مردہ بچوں کو مرتبانوں میں بند کرکے فرش کے نیچے دفن کر دیتے تھے۔ صفحہ نمبر ۱۲۳
(۲) سراج نظامی صاحب نے اپنے مضمون "صلیبی جنگیں" جو سیارہ ڈائجسٹ ماہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا' میں لکھا ہے کہ صلاح الدین کے ان جنگی منصوبوں پر عمل کیا گیا اور مندرجہ ذیل مشہور مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آگئے (ان شہروں کی فہرست میں ارعین اور اریحا دونوں کے نام آتے ہیں):

اریحا کی اہمیت

(۱) روزنامہ جنگ مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۶۷ء میں بزمی انصاری صاحب کا ایک مضمون" اسلام کا قبلہ اول شائع ہوا تھا جس کا ایک اقتباس ہدیہ قارئین ہے۔
"علامہ جلال الدین سیوطی مسجد کے بارے لکھتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا اتفاق ہے کہ محراب زکریا علیہ السلام مسجد اقصیٰ کے شرقی رواق کے اندر ہے۔ اس محراب میں حضرت زکریا علیہ السلام دفن ہیں جو حضرت مریمؑ کے قریبی عزیز تھے اور اسی نسبت سے انہوں نے حضرت مریم پر بہتان لگانے والوں کے خلاف ان کی زبردست حمائت کی تھی اور افتراپردازوں کے منہ بند کر دیئے تھے۔ اریحا کے قدیم تاریخی شہر کے قریب دریائے اردن میں حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند حضرت یحیٰی علیہ السلام نے جن کا مزار اقدس دمشق کی جامع مسجد کے اندر واقع ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بپتسمہ دیا تھا۔

(۲) تفہیم القرآن جلد اول از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ نمبر ۴۶۰ پر ایک نقشہ بنی اسرائیل کی صحرا انوردی "کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ اس کے فٹ نوٹ کا ایک اقتباس پڑھیئے۔

"کوہ عباریم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا اور ان کے بعد ان کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون نے مشرق کے دریائے اردن کو پار کرکے شہر اریحو (اریحا) کو فتح کیا۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔"

(۳) ہفتہ روز ایشیا لاہور ۹ جولائی ۱۹۶۷ء میں مولانا مودودی کے سفر نامہ ارض القرآن کا ایک چھوٹا سا اقتباس تھا۔ جس میں بیت المقدس کی طرف سے اس سفر کرنے کا ذکر تھا جو انہوں نے جنوری ۱۹۶۰ء میں کیا تھا۔ اس کا ایک حصہ پڑھیے:۔

"دریائے اردن کو پار کرنے کے بعد ہم فلسطین میں داخل ہوئے سب سے پہلا شہر جو اس کے بعد ہمارے راستے میں آیا اریحا تھا یہ ایک بہت ہی قدیم شہر ہے۔ کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ شہر اسی طرح آباد تھا۔ غور کے علاقے میں ہونے کی وجہ سے یہ نہایت سرسبز وشاداب ہے۔ اس میں ہر طرف پھلوں کے باغات نظر آتے ہیں۔ اریحا کے قریب ہی فلسطینی مہاجرین کا وسیع کیمپ ہے۔"

اریحا خلفائے بنوامیہ کے دور میں

اس علاقے پر سب سے پہلے حضرات امیر معاویہؓ کی توجہ مرکوز ہوئی کیونکہ آپ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے زمانے سے ہی شام کے گورنر تھے۔ اور دمشق آپ کا دارلخلافہ تھا۔ اریحا کا علاقہ دمشق سے متصل بیت المقدس تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کا صدر مقام اریحا اپنی جغرافیائی حدود کی وجہ سے نہایت اہم تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ رومیوں کے مقابلہ پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ نے بلاد روم میں آگے بڑھ کر بہت سی شاندار فتوحات حاصل کیں۔ اور بحری جنگوں کی داغ بیل ڈالی۔ خلیفہ

چہارم حضرت علیؓ کے زمانہ میں باہمی نزاع کی وجہ سے اگرچہ فتوحات تو نہ ہو سکیں مگر ان کی شہادت اور حضرت امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد فتوحات کا یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں میں جہاز رانی اور جنگی بحری بیڑہ بنانے کے موجد ہیں۔ ان کا یہ جنگی بحری بیڑہ اتنا مضبوط تھا کہ اس میں سترہ سو جنگی جہاز تھے۔ جنکے بل بوتے پر قیصر روم کی بحری افواج کو شکست دے کر بحر روم پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں کے علاوہ بہت سے نئے شہر بھی آباد کیے۔ اور انہیں عموما ایسی جگہ بسایا جہاں دشمن کی سرحدیں قریب پڑتی تھیں تاکہ اسطرح اپنے ملک کی حفاظت ہوتی رہے۔

آپ کا دارلخلافہ دمشق تھا جو ارض شام میں دل کی حیثیت رکھتا تھا اور دمشق کا ایک دروازہ اس وقت سے آج تک باب اریحا کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ اس کا رخ اریحا کی طرف ہے۔ اس سے اریحا کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس وقت چونکہ گھوڑ سوار اور ناقہ سوار فوجیں ہوتی تھیں۔ اورفوجی جب شہر میں داخل ہوتے تھے تو اپنی سواریوں کو بے تحاشا دوڑاتے ہوئے آتے جس سے اکثر لوگ کچل کر مر جاتے تھے۔ اس لئے بھی فوجیوں کا دمشق جیسے شہر سے دور رکھنا ضروری تھا۔ نیز چھاؤنیوں ہمیشہ بڑے شہروں سے دور کھلی آب وہوا میں ہوتی تھیں تاکہ شہروں کے مفاسدسے محفوظ رہیں۔ البتہ چھاؤنی بناتے وقت اس جگہ کی جغرافیائی پوزیشن اور دشمن کی حدود کو ہمیشہ بدنظر رکھا جاتا۔ مختلف چھاؤنیوں میں فوج کے مختلف یونٹوں کا قیام بھی ان ہی حالات کا متقاضی ہوتا ہے۔ پہاڑی اور میدانی علاقوں میں فوج کو رکھتے وقت سپاہیوں میں سردی اور گرمی کی برداشت اور مناسب اسلحہ کی فراہمی پر غور کرنا اشد ضروری ہوتا ہے۔ نیز دارلخلافہ کے پاس والی چھاؤنی میں صرف ایسی فوج رکھی جاتی ہے جو بہادر، تجربہ کار اور وفادار ہو۔

سے تقریباً ایک میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔اور اس کے متصل وسیع سمندر ہے۔ شمال مغرب کی طرف ٹیلے ہیں جن میں یہ شہر مدفون ہے۔اس وقت تک قلعہ مندر اور مسجد کھدائی سے برآمد ہو چکے ہیں۔ نیز جو چیزیں دستیاب ہوئیں ان کو ایک عجائب گھر میں رکھا گیا ہے تا کہ تاریخی نوعیت کے یہ نوادر ضائع نہ ہونے پائیں۔ یہ عجائب گھر وہیں موجود ہے۔ان نادرات میں عربی رسم الخط میں لکھی ہوئی تختیاں سکے ہتھیار اور مورتیاں شامل ہیں۔ کچھ ظروف بھی ہیں جن سے قدیم ترین معاشرت پر روشنی پڑتی ہے یہاں تہذیب کے کئی دور دفن ہیں۔

ان کھنڈرات میں سے کسی اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو پورے شہر اور اس کی جغرافیائی حدود کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بندرگاہ کی اہمیت اور مسلم فاتحین کی جاں نثاریوں کا نقشہ بھی تصور میں آ جاتا ہے اس بندرگاہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا گیا ہے۔اور مسلم فاتحین کا اس پر قبضہ کر لینا ان کی بہادری کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ ابھی تک اس شہر کی مکمل کھدائی نہیں ہو سکی اور نہ اس کی مکمل تباہی کے اسباب کا پتہ چل سکا ہے۔امید ہے جب کھدائی ہو جائے گی تو کئی حیرت انگیز انکشافات ہوں گے۔ موجودہ حکومت نے یہاں پورٹ محمد بن قاسم کے نام ایک بندرگاہ بنا کر اس کی عظمت رفتہ کو بحال کر دیا ہے۔

مذکورہ جہازوں پر بحری قزاقوں کا حملہ

جب جہاز دیبل کی بندرگاہ میں داخل ہوئے تو بحری قزاقوں نے جو راجہ داہر کے نمک خوار تھے۔ انہیں لوٹ لیا عورتوں بچوں اور مردوں کو لونڈی غلام بنا لیا اور جہاز کو بحری بیڑے میں شامل کر لیا۔ان مظلوموں میں سے ایک یا دو آدمی بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے عراق میں جا کر اس واقعہ کی اطلاع حجاج کو دی اور یہ بھی کہا کہ ایک عورت نے گرفتاری کے وقت پکار کر کہا تھا۔اغثنی یا حجاج (اے حجاج میری مدد کر) یہ سن کر حجاج بے اختیار لبیک کہہ اٹھا۔

ان جہازوں میں سراندیپ کے راجہ کے جو ملازم تھے انہوں نے ان ظالم قزاقوں کو بہتر سمجھایا کہ یہ جہاز ہمارے راجہ کے ہیں اور اس نے ہمیں سفیر بنا کر بھیجا تھا مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور سب کو گرفتار کر لیا۔

یہ واقعہ سن کر حجاج کو بہت ملال ہوا اور اس نے راجہ داہر کو لکھا کہ تمہارے آدمی بے گناہ مردوں' عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے اور جہازوں پر مع مال واسباب کے قبضہ کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لہذا جہاز' ان کا مال و اسباب

اریحا کی جغرافیائی پوزیشن

ملک شام میں رومی حکمرانوں کی بنیادیں بہت مضبوط تھیں۔ مگر حضرت خالدؓ کے ہاتھوں پے درپے شکستیں کھانے کے بعد ہرقل کی افواج بڑی حسرت دیاس سے شام کا ملک چھوڑنے لگیں۔ تاہم ان کا مکمل اخراج اور استیصال حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ہوا۔

اسی لئے تو انہوں نے اریحا کے علاقہ کو پسند کیا۔ اور یہاں عظیم الشان چھاؤنی کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی جغرافیائی حدود کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ دمشق کے متصل واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں بلاد روم اور کھلا سمندر ہے جہاں سے رومی حملہ آوروں کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ قریب ہی بیت المقدس ہے جس پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے نہ صرف قیصر روم بلکہ پورا یورپ ہر وقت بے چین رہتا تھا۔ شمال مشرق اور جنوب مغرب میں ایران عراق اور عرب کی حکومتیں تھیں۔ جن میں بنوامیہ کے مخالفین کا زور تھا۔ اور آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے شاہی فوجی چھاؤنیوں کو مضبوط رکھنے میں ہی بنوامیہ کی بقاء کا راز مضمر تھا اور اریحا چونکہ دمشق کی قریب ترین چھاؤنی تھی۔ لہذا اس کے استحکام کی زیادہ ضرورت تھی بلکہ خود دمشق کے خلاف ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی خطرے کے سدباب کاکام بھی دیتا تھا۔

اریحا جوانمردوں کے قدموں تلے

اریحا کی اس اہمیت کے پیش نظر وہاں ایسے لوگوں کو آباد کیا گیا تھا جو بنوامیہ کے اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یا جنکی بنوامیہ سے وفاداری ہمیشہ سے مسلم تھی۔ ان میں بنوامیہ اور ان کے ہمدرد قبائل شامل تھے۔ جیسے بنوکلب جو حضرت امیر معاویہ کے سسرال تھے اور انہوں نے یزید کی شادی بھی اسی قبیلہ میں کی تھی تاکہ ایک زبردست قبیلہ کی حمائت انہیں ہر وقت حاصل رہے اس کے علاوہ بنی سلیم' بنواسد' بنوقیس اور حجازی قریشی وغیرہ بھی شامل تھے لیکن غالب اکثریت بنو کلب بنو سلیم اور بنو امیہ کی تھی۔

ان لوگوں کو سارے علاقے میں جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ جس کی

وجہ سے اس کی سرسبزی قابل رشک تھی۔ ان دنوں ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے ماتحت منظم ہوتا تھا۔ اور سپہ سالار اعظم ان سرداروں کے نام احکام صادر کرتا تھا۔ جن کی تعمیل میں یہ سردار اپنے جوانوں کو دشمن سے لڑاتے تھے۔ سرکاری اور شاہی فوج کے سرداروں اور افسروں کو جاگیریں اور زمینیں عطا کی جاتی تھیں تاکہ وہ ان پر محنت کرکے اپنا گزارہ کریں۔ کیونکہ جنگ کے بعد زیادہ عرصہ ان کو اپنی جاگیروں پر ہی رہنا پڑتا تھا۔ اور مال غنیمت کے علاوہ ان جاگیروں سے زرعی پیداوار حاصل کرنا ان کے لئے سامان معشیت کا مستقل ذریعہ تھا۔ یہ لوگ جہاں میدان جنگ میں حیرت انگیز کارناموں کا باعث تھے۔ وہاں زرعی اراضی میں بھی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ جوانمرد بڑی رئیسانہ زندگی گزارتے تھے۔ غرض اریحا میں چیدہ چیدہ' بہادر' نامی گرامی سردار' شجاع ترین شہسوار اور عالی خاندانوں کے چشم وچراغ جمع ہو گئے تھے۔

سندھ پر لشکر اسلام کے حملہ کا پس منظر

گزشتہ صفحات پر غور کرنے سے چند باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں:-

(۱) مسلمانوں کے پہلے لشکر کا شکست کھانا اور بدیل کا شہید ہو جانا۔ حجاج کی غیرت اسلامی کے لئے چیلنج بن گیا تھا۔

(۲) مسلمانوں کا کافروں کی قید میں رہنا حجاج کو بے قرار رکھتا تھا۔

(۳) خلیفہ ولید بن عبدالملک اسلامی لشکر کی شکست اور مسلمانوں کی شہادت کا واقعہ سن کر انتقام لینے سے مایوس ہو چکا تھا۔ اسکے خیال میں مسلمانوں کی جانیں اور مال خواہ مخواہ ضائع کرنا اور اس قدر دور دراز علاقہ میں فوجوں کو بھیجنا سراسر نقصان بلکہ حماقت کے برابر تھا۔

(۴) حجاج کو مسلمانوں کی جانبازی اور بہادری پر پورا پورا یقین تھا۔ اس لئے اس نے اپنی ذات پر پابندیاں عائد کرکے خلیفہ سے اجازت طلب کی۔

(۵) حجاج کی نگاہ میں دیبل کی فتح، مسلمان قیدیوں کی رہائی بدیل کی موت کا انتقام اور لشکر اسلام کی شکست کا بدلہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ شام کے نامور سپاہیوں کا لشکر بھیجا جائے۔

(۶) اس نے شامی سرداروں کا لشکر دربار خلافت سے طلب کیا۔ اور یہ شرط رکھدی کہ وہ نامور ہوں، وفادار ہوں، جم کر لڑنیوالے ہوں۔ اور ان کے نام تک اسے معلوم ہوں۔

(۷) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شام کے سرداروں کی فوج شاہی فوج تھی۔ جس پر ہر مشکل کی گھڑی میں اعتماد کیا جاسکتا تھا۔

(۸) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ عام سپاہی نہ تھے بلکہ سردار تھے۔

(۹) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ امیر اور جاگیردار تھے کیونکہ اسلحہ اور دوسرا ضروری جنگی سامان فراہم کرنا حکومت کی بجائے خود ان سرداروں کی اپنی ذمہ داری تھی۔ اور ظاہر ہے کہ غریب آدمی یا عام سپاہی خواہ وہ کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو، لڑ تو سکتا ہے لیکن شام سے دیبل تک پہنچنے کے لئے ضروری سامان اور جنگی اسلحہ فراہم نہیں کر سکتا تھا۔

(۱۰) شامی سرداروں کا نامور بہادر اور امیر ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ انہیں حکومت کی طرف سے زرخیز علاقوں میں وسیع جاگیریں دی گئی ہوں گی۔ جہاں وہ اونٹ اور گھوڑے پالتے' اپنے اہل وعیال کا گزارہ کرتے 'خوشحال زندگی گزارتے' اسلحہ اور ضروری سامان جنگ وغیرہ جمع رکھتے' اور اپنا لہو گرم رکھنے کیلئے فوجی مشقیں کیا کرتے تھے۔

(۱۱) یہ لوگ انگریزی حکومت کے (KNIGHTS) کی مانند تھے اور فیوڈال ازم (FEUD ALISM) جیسی زندگی گزارتے تھے۔

(۱۲) یہ لوگ پشت ہا پشت سے جنگجو تھے ان کے فرزند اور اہالی موالی سب سپاہی ہوا کرتے تھے۔

(۱۳) حکومت وقت نازک ترین گھڑیوں میں ان مجاہدین سے کام لیتی تھی اور تاریخ ثابت کرتی ہے کہ یہ لوگ کسی معرکے میں بھی ناکام نہیں ہوتے۔

(۱۴) یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سردار کسی ایک قبیلے کے افراد نہیں تھے بلکہ کئی قبیلوں کے چشم وچراغ تھے اور بروائت "جنت السندھ" ان میں صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) شامل تھے جو قبیلہ کلب' بنوازد' انصاری ثقفی' بنوتمیم وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ایک تاریخی شہادت

اب آپ اندازہ کیجئے کہ اریحا والوں کو اس اہم پر بھیجنا کس قدر ضروری تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ شاہی معتمد اور بہترین جنگجو کی حیثیت سے معروف تھے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ہندوپاک کے مشہور مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان۔ نجیب آبادی نے اپنی معرکتہ آلارا تصنیف' آئینہ حقیقت نما" کے صفحہ نمبر۱۶۶پر مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان کے عنوان سے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"اوپر کئی جگہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کا ذکر آچکا ہے کہ وہ شامی اور عراقی گروہوں پر مشتمل تھے۔ شامی لوگ سب سے زیادہ بااعتماد اور خلافت بنوامیہ کے حامی اور ہمدرد تھے۔ ان ہی لوگوں کو شاہی فوج اور شاہی قوم سمجھا

گیا تھا۔ یہ عموماً بنی امیہ اور حجازی تھے۔ ان لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملک شام کے مقام اریحا میں آباد تھی اور حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو چھ ہزار فوج بھیجی تھی۔ اس میں ایک معقول تعداد اریحا کے باشندوں کی تھی۔

جب یہ چھ ہزار عالی خاندان' بہادر'اور وفادار اور منتخب جنگجو نوجوان حجاج کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے اپنے نوجوان داماد محمد بن قاسم کو جو شیراز کا گورنر تھا۔ بلاکراس کا سپہ سالار مقرر کیا اور کہا۔

"میں نے شجاع ترین مردوں کا لشکر اکٹھا کرکے تمہیں اس کا سالار مقرر کیا ہے تاکہ تم فتوحات حاصل کرکے خلیفہ کی نظروں میں اپناوقار قائم کر لو مگردیکھنا ان مجاہدوں کی دل آزادی نہ کرنا بلکہ ہرمعاملہ میں ان سے مشورہ لینا۔ اور ان کی بات ماننا کیونکہ یہ سب صائب الرائے اور تجربہ کار ہیں۔" (بحوالہ چچ نامہ)

چندشامی کمانڈر

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ کو چند شامی سرداروں کا مختصر سا تعارف کرائیں تاکہ آپ کو ان کی جوانمردی کا کچھ علم ہو سکے۔

عبدالرحمٰن بن سلیم الکلبی

نہایت تجربہ کارسپہ سالار تھا۔ اس نے ۸۲ھ میں "دیرالجمام" والی جنگ میں عبدالرحمٰن الاشعث کو شکست دی تھی۔ اس وقت یہ میمنہ کا سپہ سالار تھا وہ خود بہت بہادر تھا اور بہادروں کا قدر دان تھا۔ وہ بنوامیہ کا نہایت وفادار افسر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد جب یزیدبن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے عبدالرحمٰن کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ اس وقت اس نئے خلیفہ کے خلاف ہر جگہ عام شورش ہو رہی تھی۔ اس لئے عبدالرحمٰن نے کہاکہ مجھے خراسان کی گورنری سے یہ بات زیادہ عزیز ہے کہ میں آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں۔ چنانچہ یزیدبن ابی مہلب کی بغاوت اس نے فرد کی

تو مسلمہ بن عبدالملک نے جو اس وقت عراق کا وائسرائے تھا۔ عبدالرحمٰن کو اس کے کارہائے نمایاں کے اعتراف کے طور پر بصرہ کا گورنر بنا دیا۔

سفیان بن الابرد الکلبی

یہ بہت تجربہ کار اور دلیر سپہ سالار تھا۔ اس نے خلیفہ عبدالملک کے دور میں خارجیوں کو پے درپے شکستیں دے کر ان کا خاتمہ کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے ۸۶ء میں شبیب خارجی نے حجاج کو شکست دیکر بھگایا تھا۔ اس کے بعد ہی خلیفہ عبدالملک نے سفیان کو چارہزار فوج دیکر روانہ کیا۔ جس نے ابن الاشعث کو شکست فاش دی۔ اس واقعہ کے بعد سفیان حجاج کا منتخب اور چہیتا کمانڈر بن گیا۔ اس نے خارجیوں کے لیڈر قطری بن الفجاۃاور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کیا۔ پھر دماوند اور طبرستان پر قبضہ کرکے وہاں اپنے قدم مضبوط کیئے پھر "دیرالجماجم" والی جنگ میں حجاج کی فوجوں کے دستوں کا کمانڈر ہو کر بہادری کے جوہر دکھائے سفیان ۷۶ء سے لیکر ۹۲ء تک سپہ سالار رہا اور جب حجاج نے اسے محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا تو اس وقت اسے عرب افواج کی سپہ سالاری اور مختلف محاذوں کی لڑائیوں کا سولہ سالہ تجربہ ہو چکا تھا اس سے اس کی اہمیت اور بہادری کا اندازہ ہو سکتاہے۔

قطن بن برک الکلبی

حجاج کی طرف سے اس کا اپنا چچیرا بھائی حکم بن ایوبؓ بصرہ کا گورنر تھا۔ لیکن جب عبدالرحمٰن بن الاشعث نے بغاوت کی تو اس نے اسے گورنری سے معزول کر دیا۔ کیونکہ وہ اس بغاوت کو کچلنے میں ناکام رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حجاج کہا کرتا تھا۔

"قطن نے مشکلات میں ہماری مدد کی اور وہ عزت والا اور لائق ہے"

نباتہ بن حنظلہ الکلبی

زبردست شہسوار سپہ سالار اور جوانمرد ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز سیاسی سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔ اس لئے محمد بن قاسم نے سندھ کے مقامی امراء سے تعلقات پیدا کرنے کے لیئے نباتہ سے ہی زیادہ کام لیا تھا۔

زیادازدی

یہ بھی زبردست جنگجو اور بہادر سپاہی تھا۔

حکیم بن عوانہ کلبی

زبردست سیاسی سوجھ بوجھ کی وجہ سے سندھ کے راجے اس کی وساطت سے محمد بن قاسمؒ سے رابطہ قائم کرتے تھے' اپنی جوانمردی تجربہ کاری کی بناء پر ۱۱۰ھ میں سندھ کا گورنر بنایا گیا۔ یہ ۱۲۱ھ تک سندھ کا گورنر رہا اور ۱۲۴ھ میں سندھ میں ہی شہید ہو گیا۔

ان کے علاوہ کئی اور بھی کمانڈر تھے۔ مگر ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان سرداروں کے ساتھ ان قبیلوں کے لوگ بھی ایسے ہی بہادر تھے۔

محمد بن قاسم کا سالار لشکر مقرر ہونا

محمد بن قاسمؒ بن حکم بن ابی عقیل ثقفی ۱۷ شعبان ۷۴ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد قاسم بن محمد خلافت بنوامیہ کے ایک امیر تھے۔ محمد بن قاسمؒ ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا لیکن والدہ کی تربیت اور خاندانی روایات نے انہیں شروع ہی سے مرد مجاہد بنا دیا تھا اور وہ جوانی میں دمشق کی فوج میں بھرتی ہو گئے جہاں ان کی قابلیت کے جوہر کھلے۔ ولید بن عبدالملکؒ جب بھی فوج کا معائنہ کرتا محمد بن قاسم سے بیحد خوش ہوتا اور عزت افزائی کرتا تھا ۱۴ سال کی عمر میں وہ ایک فوجی عہدیدار

بن گئے تھے وہ نہایت خوبصورت اور سڈول جسم کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فولادی قلب وجگر دے رکھا تھا۔ وہ خلیق' ملنسار' اور شیریں بیان تھے اور نو عمری ہی میں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ کو شیراز کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جہاں آپ نے نہایت عدل وانصاف اور قابلیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔

حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے دوبارہ جہاد کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اسلامی لشکر کاسالار محمد بن قاسمؒ کو مقرر کیا اور انھیں ضروری ہدایات دے کر روانگی کا حکم دیا۔ اس نے ابوالاسود جہم بن زحر کی ماتحتی میں چھ ہزار شامی سرداروں اور مجاہدوں کا لشکر شیراز کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے آباؤ اجداد نے قسطنطیہ کی دیواریں تک ہلادی تھیں۔ مدائن کے قصرابیض میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔ یہ لوگ شریف' بہادر' جانباز اور اعلیٰ سیرت وکردار کے لوگ تھے۔ اس دستے پر حجاج کو پورا اعتماد اور فتح کا یقین تھا۔ یہ لشکر شیراز پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ اسی اثنا میں چھ ہزار عراقی شتر سوار فوج خریمہ بن مغیرہ کی سرکردگی میں شیراز پہنچ گئی۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تک ہو گئی جس کے ساتھ تین ہزار باربرداری کے اونٹ تھے۔ لشکریوں کے لئے کھجور' سرکے میں ترکی ہوئی روئی کے علاوہ سوئی دھاگا تک موجود تھا۔

روانگی کے وقت حجاج نے محمد بن قاسم کو تاکید کی کہ اپنی نقل وحرکت سے برابر مطلع کرتے رہیں اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں۔

لشکراسلام کی روانگی

جمعہ کے روز حجاج نے خطبہ دیا اور محمد بن قاسم کو سوار کرکے صدقات دینے اور لشکراسلام کو کثیرمال واسباب سے مستحکم کرنے کے بعد سندھ کے جہاد پر روانہ کیا۔ حجاج نے ابن مغیرہ کو کشتیوں کا نگران مقرر کرکے اسے تاکیدکردی کہ انہیں نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ اس کی ماتحتی میں عراقی لشکر سمندر

کی راہ سے دیبل کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن محمد بن قاسم ارمابیل اور مکران سے سندھ میں وارد ہوئے۔

حجاج نے شیراز سے محمد بن قاسم کی روانگی کے بعد شاہی امیرالبحر جعونہ کی نگرانی میں جہازوں کا ایک مضبوط دستہ خوراک اور جنگی سامان کے ساتھ دیبل کی طرف روانہ کیا۔ ان جہازوں میں آلات جنگ کے ساتھ ساتھ قلعہ شکن منجنیق بھی تھیں۔ جن میں مشہور منجنیق "عروسک" بھی شامل تھی، جسے پانچ سو آدمی مل کر چلاتے تھے۔

دیبل کی فتح

۹۲ھ میں محمد بن قاسم دیبل پہنچے اور کشادہ میدان میں خیمے لگائے اسی اثناء میں بحری بیڑہ بھی آ پہنچا۔ یہ شہر سندھ کی سب سے بڑی بندرگاہ اور تجارتی منڈی تھی۔ بڑے بڑے ہندو تاجر اس میں رہتے تھے۔

اس وقت راجہ داہر کے دو بیٹے کیشب اور حبیسہ قلعہ کے اندر موجود تھے جنہوں نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح بدیل شہید ہوا۔ اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی تھی۔ یہی حشر اس لشکر کا بھی ہوگا۔ اس لئے انھوں نے بڑے اعتماد سے جنگ کی ابتداء کی۔

ابوالحسن مدائنی نے بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام ابو محمد سے روایت کی ہے کہ:۔ "محمد بن قاسم دیبل کے نواح میں آکر منزل انداز ہوا اور لشکر نے خندقیں کھود کر علم لہرایا۔ نقارے بجائے اور جو جیش جس مقام پر مامور کیا گیا تھا وہ وہیں جمارہا۔ پھر منجنیق باہر نکال کر سیدھی کی گئیں۔ ایک منجنیق خاص امیرالمومنین کی تھی جس کا نام عروسک تھا۔ یہ اتنی بڑی تھی کہ جب پانچ سو آدمی اس کے لنگر کو کھینچتے تھے۔ تب اس میں سے پتھر چھوٹتا تھا۔"

دیبل کے وسط میں ایک بلندوبالا بت خانہ تھا۔ اس کے اوپر ایک گنبد تھا جس پر ریشم کا سبز پرچم آویزاں تھا۔ بت خانے کی بلندی چالیس گز تھی۔ اور اس کا کلس بھی چالیس گز اونچا تھا۔ جب اہل قلعہ نے اسلامی لشکر دیکھا تو بت خانہ کا پرچم کھول کر جنگ کے لئے مستعد ہو گئے، لیکن ہمیں

جنگ کی اجازت نہ تھی۔

اس طرح سات دن گزر گئے۔ آخر آٹھویں دن اجازت کا پروانہ آگیا۔ محمد بن قاسم نے لشکر درست کرکے حملہ کیا جس کی وجہ سے قلعہ والوں نے قلعہ کے اندر جاکر پناہ لی۔ اچانک ایک برہمن قلعہ کے اندر سے نکل آیا اور امان طلب کرکے کہنے لگا۔

"امیر عادل سلامت رہے۔ ہمارے نجوم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ملک سندھ لشکر اسلام کے ہاتھوں فتح ہو گا۔ لیکن اس بت خانے کا پرچم ایک طلسم ہے اور جب تک یہ برقرار ہے یہ قلعہ ہاتھ آنا محال ہے) اس لئے اس بت خانہ کی چوٹی مسمار کرنے کی کوشش کریں تاکہ اس کا جھنڈا پارہ پارہ ہوجائے اور فتح حاصل ہو۔"

اس پر محمد بن قاسمؒ نے جعونہ اسلمی منجنیقی کو بلا کر کہا کہ اگر تو بت خانے کا یہ پرچم اور بیرکیں گرادے تو تجھے دس ہزار درہم انعام دوں گا۔ جعونہ نے عرض کیا' آپ اجازت دیں'میں انشاء اللہ اس کے پرخچے اڑادوں گا۔ چنانچہ اسے اجازت دے دی گئی۔ اتنے میں ایک برہمن نے آکر کہا کہ اے امیر میں مسلمان قیدیوں پر پہرہ دار ہوں۔ اگر آپ مجھے امان دیں تو میں جاکر ان کو تسلی دوں اور سب کو ایک جگہ جمع کرلوں۔ اس پر محمد بن قاسم نے اس کو امان لکھدی۔

دیبل کے محاصرہ کو آج نواں دن تھا۔ جعونہ نے مناسب جگہ کا انتخاب کرکے عروسک کو چلایا و پہلے ہی دوار میں بیرک پلٹ گئی۔ دوسرا پتھر چھوڑا تو جھنڈا اور کلس دونوں ہی ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اہل دیبل یہ دیکھکر دہشت زدہ ہو گئے۔

اب محمد بن قاسم نے جہم بن زحرالجعفی کو مشرق' عطا بن مالک القیسی کو مغرب' نباۃ بن حنظلہ کو شمال اور عون بن کلیب دمشقی کو جنوب کی طرف مامور کیا تاکہ دیبل کا محاصرہ سختی سے کیا جائے۔ پھر ذکوان بن علوان البکری' خریم اور ابن مغیرہ کو قلب میں رکھکر بصرہ کے ایک ہزار جنگجو مرد اپنے زیر کمان رکھے' پھر جنگ کا نقارہ بجایا۔

سب سے پہلے جو شخص قلعہ پر چڑھا وہ کوفہ کا صعدی بن خریمہ تھا۔

اور اس کے بعد دوسرا شخص بصرہ کا عجل بن عبدالملک بن قیس (العیدی) تھا۔ جب لشکر اسلام قلعہ کے اوپر چڑھ گیا۔ تو اہل دیبل نے دروازہ کھول کر امان طلب کی۔ اس پر محمد بن قاسم نے فرمایا۔"مجھے امان کا حکم نہیں ہے" پھر ہتھیار بندوں کا قتل عام تین دن تک جاری رہا (فتح نامہ سندھ اردو ایڈیشن صفحہ نمبر ۱۴۳)۔

راجہ داہر کے بیٹے اور کچھ فوجی راتوں رات قلعہ سے بھاگ گئے فتح دیبل کے بعد محمد بن قاسمؒ نے اس شخص کو بلایا جو مسلمان قیدیوں پر پہرہدار تھا اور جس نے امان طلب کی تھی۔ جب وہ حاضر ہوا تو اسکی نشاندہی پر قیدی مسلمان عورتیں اور مرد اور بدیل کے سپاہی سب برآمد کرکے رہا کر دیئے گئے۔ اس پہرہ دار کا نام قبلہ تھا جو فتح دیبل کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اسے مناسب عہدہ دیا گیا اور حمید بن وداع النجدی کو وہاں کا گورنر مقرر کرکے لشکر اسلام کو کچھ عرصہ تک آرام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

راجہ داہر کا ردعمل

جب راجہ داہر کو مسلمانوں کے ہاتھوں دیبل کی فتح کی اندوہناک خبر' ملی تو اس نے اپنے بیٹے جیسہ کو جو نیرون کوٹ میں تھا لکھا کہ فورا مہران عبور کرکے برہمن آباد میں پہنچ جائے تاکہ قلعہ کی حفاظت کی جاسکے اب محمد بن قاسم لشکر کے ساتھ نیرون کوٹ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں حجاج کا خط ملا۔ لکھا تھا:۔ (فتح نامہ سندھ صفحہ ۱۵۵۔۱۵۶)

"ہمارے دل کے ارادے اور ہمت کا یہی تقاضا ہے کہ تمہیں ہر حال میں کامیابی حاصل ہو۔ انشاء اللہ تم کامیاب اور فتح مند ہو گے اور اللہ عزوجل کے احسان سے دشمن دنیا کی سزا اور عاقبت کے عذاب میں ہمیشہ گرفتار اور مغلوب رہیں گے اور یہ بدگمانی ہرگز نہ کرنا کہ دشمن کے ہاتھی اور گھوڑے اور سازوسامان تمہارے آڑے آئیں گے' تمہیں دوستوں کے ساتھ اچھی طرح وقت گذارنا اور ہر ایک کی عزت واحترام کا خیال رکھنا چاہیے اور ہر ایک کو تسلی دیتے رہنا کیونکہ ساری ولائت تمہاری ملکیت میں آئے گی۔ جو بھی قلعہ

فتح ہو۔ اس میں لشکر کی ضروریات کی جو چیز ہاتھ آنے وہ لشکر پر خرچ اور تیاری میں صرف کرنا' کھانے پینے کی ضروری چیزوں سے جتنا ممکن ہو سکے کسی کو روک ٹوک نہ کرنا ارزنی اور فراوانی کے لئے سعی کرتے رہنا تاکہ لشکر میں غلہ سستا رہے دیبل میں جو کچھ نہیں بچایا گیا ہے اسے قلعہ میں ذخیرہ کرکے رکھنے کی بجائے لوگوں پر صرف کرنا بہتر ہے کیونکہ ملک فتح ہونے اور قلعوں کے قبضہ میں آنے کے بعد رعایا کے آرام اور باشندوں کی دلجوئی کی کوشش کرنی ہے اور اگر کسان' صنعت کار' دستکار اور تاجر آسودہ ہوں گے تو ملک سرسبز اور آباد رہے گا۔

(بیسویں رجب ۹۳ھ)

نیرون کوٹ کی فتح

دیبل کی فتح کے بعد جب محمد بن قاسم نیرون کوٹ کے قریب پہنچے تو سفر میں سات دن گزر چکے تھے۔ نیرون کوٹ کا حاکم شمنی قلعہ چھوڑ کر راجہ داہر کے پاس گیا ہوا تھا۔ اس لئے اہل قلعہ نے دروازے بند کر لئے۔ لشکر اسلام کو پانی کی سخت قلت پیدا ہوئی۔ محمد بن قاسم نے دو رکعت نماز ادا کرکے دعا کی۔ اے فریادیوں کے مددگار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے واسطے میری مدد کر۔ خداوند تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کرلیا اور جلد ہی باران رحمت شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ آس پاس کے سب خشک تالاب بھی پانی سے بھر گئے۔ پانچ روز کے بعد شمنی بھی واپس آگیا۔ اور اس نے لشکر اسلام کی فتوحات بہادری اور جوانمردی کے پیش نظر ایک معذرت نامہ لکھکر محمد بن قاسم کے پاس بھیج دیا۔ اور قلعہ کے دروازے کھلوادیئے۔ اب لشکر کو گھاس اور غلہ آسانی سے فراہم ہونے لگا۔ دوسرے دن خود بھی شمنی حاضر ہو کر امان کا طالب ہوا۔ جسے امان دیدی گئی نیرون کوٹ میں ایک مسجد بنواکر محمد بن قاسم لشکر اسلام کے ساتھ سیوستان کی طرف روانہ ہوئے۔

سیوستان کی فتح

اس قلعہ کا حاکم داہر کا چچا زاد بھائی بچھرا تھا جس نے اہل شہر کی فریاد۔ اور طلب صلح کی پرواہ نہ کی اور جنگ کا آغاز کر دیا۔ لیکن سات دن کے اندر تمام رعایا اس سے بد دل ہو گئی۔ اور لشکر اسلام کے ہاتھوں اسے ذلیل وخوار ہونا پڑا۔ چنانچہ وہ راتوں رات قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور بدھیہ کے حاکم کا کابن کوتل کے پاس پناہ لی۔جس نے لشکراسلام پر شبخون مارنے کی کوشش کی مگرناکام رہا۔ آخر نباتہ بن حنظلہ کلبی کی معرفت محمد بن قاسم سے امان طلب کی' جنھوں نے اسے امان دیکر خلعت فاخرہ سے نوازا اور اس طرح ایک دشمن لشکر اسلام کا خیر خواہ بن گیا۔

حجاج کا نہایت اہم خط

اس وقت کی ساری کیفیت کی تفصیل لکھکرجب محمد بن قاسمؒ نے حجاج کو بھجی اور اس سے مستقبل کے لائحہ عمل کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا تو حجاج نے لکھا۔

(بحوالہ فتح نامہ سندھ صفحہ نمبر ۱۷۵۔۱۷۸)

"پیارے فرزند محمد بن قاسمؒ! تمہارا تکلفات سے بھرپور خط ملا' حالات معلوم ہوئے' بیٹا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ اپنی تدبیر اور عقل سے کام نہیں لیتا۔ اے کاش تو جنگ میں مشرق کے تمام بادشاہوں کو مغلوب کرے' تو انپر غالب ہونے سے کیوں عاجز ہے اور دشمن کے شر کاازالہ کرکے کیوں اس پر مسلط نہیں ہوتا امید ہے کہ ان کے منصوبے ناکام ہوں گے۔ وہ لشکر اسلام کی مدافعت کی تجویز مرتب کررہے ہیں' تو دل کو مضبوط کر اور جس قدر مال خرچ کرسکے کر' اور اسکے مخالفوں کے حق میں بخششوں اور انعامات کی بارش کر جو بھی کوئی جاگیر یا ملک طلب کرے تو اسے ناامید نہ کر بلکہ اس کی عرضی قبول کرکے اسے اپنے فرامین اور امان ناموں سے تسلی دے۔ کیونکہ سلطنت حاصل کرنے کے چار طریقے ہیں' پہلا صلح' ہمدردی' چشم پوشی اور رشتہ داری۔ دوسرا درست خرچ کرنا ور انعام دینا تیسرا دشمنوں کی مخالفت کو صحیح

طور پر سمجھنا اور مخالفوں کا مزاج معلوم کرانا کہ چوتھا رعب ہیبت' دلیری' قوت اور دبدبہ۔

ہر طرح سے دشمن کو دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے چھوٹے راجے جو کچھ بھی عرض کریں' انہیں موافق اقرار ناموں کے تسلی دو۔ جب وہ تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر خود پر خراج مقرر کریں تو پھر جو بھی نقد یا سامان خزانہ میں پہنچائیں' اسے قبول کرتے رہو اور سب کو تسلی دیتے رہو۔ اگر کسی کو قاصد بنا کر بھیجنا چاہو تو پھر ضروری ہے کہ اس کی عقل مذہب 'دور اندیشی اور امانت پر تمہیں بھروسہ ہو ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ خود کو دشمنوں کے اچانک حملوں' حیلوں' آفتوں' فریبوں سے محفوظ رکھنا' ضروری کاموں کی تکمیل میں ذور اندیشی اور ہوشیاری کے شرائط بجالانا اور داہر سے خبر دار رہنا۔ اگر کوئی بھی اپنا معتمد یا معتقد روانہ کرو تو اسے وصیت کرنا کہ وہ دشمن کے میل جول اور ہم نشینی سے کہیں بدل نہ جائے اور اسے خیر خواہی کی شرط وضاحت سے بتانا کہ اگر پیغام پہنچانے کے لئے راجہ کے سامنے بے خوفی سے پیغام دے۔ اس کا جواب اچھی طرح سے سننا چاہئے اور کوئی بھی نرمی اور چشم پوشی نہ کرنی چاہئے تم سارے اسلامی لشکر کے امام اور پیشوا ہو اور سب کی امیدیں تمہاری گفتگو سے وابستہ ہیں۔ اس لئے تمہیں چاہئے کہ پیغام پوری طرح ادا کرو مسلمانوں کا قاصد پاک مذہب والا ہونا چاہئے تا کہ سخن کو شکوہ کے ساتھ بغیر کسی کمی بیشی کے ادا کرے اور ان کو توحید پر ایمان لانے کی دعوت دے اور انہیں بتائے کہ جو اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اطاعت کرے گا۔ اسے مال شہر زمین اور کھیت عطا کیئے جائیں گے۔ اور جو اسلام کے سامنے سر نہ جھکائے تو اسے کوئی دھمکی دو تا کہ وہ فرمانبردار رہے اور اگر اس کے باوجود اطاعت سے سرکشی کرے تو پھر اسے صاف کہہ دو کہ جس صورت میں تم نے اطاعت سے منہ موڑا ہے اس صورت میں جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ لیکن اسے (داہر کو) دریائے مہران عبور کرنے کا اختیار نہ دینا بلکہ کہنا کہ اگر تم تیار ہو تو پھر تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن چونکہ ہم اتنا بڑا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ اس لئے ہمیں ہی مہران پار کرنا اور بغیر روک ٹوک کے مقابلے میں آنا ہے تا کہ طرفین کے درمیان شک وشبہ کی مجال نہ رہے۔ جس جگہ بھی دشمن کا مقابلہ کرو۔ وہ جگہ کشادہ میدان ہونی چاہئے تا کہ مرد مرد کو اور سوار سوار کو برابر جولان دے سکے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جب جنگ شروع کرنا۔ تو اللہ پاک کے کرم پر بھروسہ رکھنا اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑنا اور دیکھنا قضاء اور تقدیر پردہ غیب سے کیا ظاہر کرتی ہے اور وہاں کس فریق کی بادشاہی ختم ہونے کا حکم

جاری ہوتا ہے اور اگر وہ پیغام بھیجیں اور کہیں کہ مہران سے تم گزرتے ہو یا ہم گزریں۔ تو انہیں اختیار نہ دینا بلکہ کہنا کہ میں پار کر کے آتا ہوں۔ تاکہ تمہارا رعب اور ہیبت دشمن کے دل پر اثر کرے اور وہ کہیں کہ اگر لشکر اسلام میں قوت اور طاقت نہ ہوتی تو یوں ہمارے سامنے نہ آتا۔

اس کے علاوہ یہ کہ لشکر عرب کی جو جماعت تمہاری اطاعت میں ہے امید ہے کہ اس کے لوگ پیٹھ نہ دکھائیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔ ملکہ جی جان کی بازی لگا دیں گے خدائے تعالی پر توکل کر کے شوق سے جنگ کرینگے اور ثابت قدم رہیں گے۔ان کی نیت لڑائی میں اور تمہاری اطاعت میں سچائی رہے گی تاکہ وہ خدائے عزوجل کی رضامندی حاصل کر سکیں۔ دریا عبور کرنے کے لئے اس جگہ کو اختیار کرنا جہاں تم مضبوطی کے ساتھ قدم جما سکو اور سیدھی سادھی گزرگاہوں سے بھی کچھ بوجھ کر گزرنا اور دور اندیشی اور باخبری کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ گزرتے وقت لشکر کو ہوشیار رکھنا اور اس کا میمنہ میسرہ قلب' مقدمہ اور ساقہ سیدھا رکھنا پیادوں اور اکیلوں کو پہلے بھیجنا۔"

محمد بن قاسم کی پیشقدمی

محرم ۹۳ھ (۱۲۔۷۱۱ء) میں محمد بن قاسم اشبہار پہنچے۔ یہاں کے لوگوں نے کافی جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں۔اور اس کے چاروں طرف خندق کھودی گئی تھی۔ دیہات کے جوانمرد بھی قلعے میں جمع تھے۔ محمد بن قاسمؒ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا جو تقریباً ایک ہفتہ تک جاری رہا۔ جس سے اہل قلعہ کو اندازہ ہو گیا کہ مسلمان بہت قوی اور کثرت سے ہیں۔ اور ان کا مقابلہ نا ممکن ہے اس لئے انہوں نے امان طلب کی جسے منظور کر لیا گیا اور ان پر سالانہ ٹیکس لگا کر حاکم مقرر کر دیا گیا۔ پھر کچھ دن آرام کرنے کے بعد دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر راوڑ کی حدود میں داخل ہوئے یہاں ان کی جنگ بیٹ کے حاکم جاہین سے ہوئی۔ راجہ داہر نے جاہین کو لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے بیٹ کا حاکم مقرر کیا تھا لیکن وہ بھی مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا۔ اور راہ فرار اختیار کی۔ یہاں کچھ دنوں تک محمد بن قاسمؒ اپنے اس خط کا انتظار کرنے لگا جو انہوں نے راجہ راسل کو لکھا تھا کہ صوبہ کچھ اور جوانتہ (سورتھ) کی حکومت تم کو دی جاتی ہے اور ان پر تمہاری حکومت تسلیم کی جاتی ہے۔
جب راسل کا کوئی جواب نہ آیا تو انہوں نے اس کے بھائی موکا بن دسایا کو بھی

شرائط لکھیں جو سورتھ کا حاکم تھا۔ موکا نے لکھا کہ آپ نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا ہے میں اس کا شکر گزار ہوں اور آپ کی اطاعت دل و جان سے چاہتا ہوں لیکن جن بادشاہوں کا ہم نے نمک کھایا ہے' ان کی خدمت بھی ہم پر لازم ہے۔ ان سے خیانت کرنا بے وفائی اور نادانی ہے دوسرے یہ کہ ملک سندھ ہمارا وطن ہے اور راجہ داہر ہمارا عزیز ہے۔ اگر وہ سر بلند ہوگا تو ہمیں بھی عزت ملے گی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ملک اب غیروں کے پاس جانیوالا ہے۔ تاہم اگر میں لڑے بغیر آپ کے ساتھ ہو جاؤں تو اپنے خاندان کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں۔ آپ ایک ہزار سپاہی بھیجکر مجھے گرفتار کرلیں۔ چنانچہ اس پر عمل در آمد کے بعد جب محمد بن قاسمؒ کے سامنے آیا تو وہ اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے اور اس کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ ایک لاکھ درہم بطور انعام۔۔ اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ پھر اس کے اہل خاندان اور ٹھاکروں کو بھی خلعت اور گھوڑے عطا کیے۔ نیز موکا کو بیٹ کی حکومت دے دی اور فرمان جاری کردیا کہ نسلاً بعد میں یہ حکومت اس کے خاندان میں قائم رہے گی۔

اب محمد بن قاسمؒ دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ادھر راجہ داہر کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے حاکم خود اس سے بغاوت کر کے مسلمانوں سے مل رہے ہیں تو اس نے ایک لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلے پر بھیجا جس نے دریائے سندھ کو عبور کر کے لشکر اسلام پر حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس جوانمردی اور بہادری سے اس کا مقابلہ کیا کہ راجہ داہر کا یہ عظیم لشکر بری طرح شکست کھا کر فرار ہو گیا۔

محمد بن قاسمؒ کی سفارت

محمد بن قاسمؒ نے راجہ داہر سے جنگ شروع کرنے سے پیشتر ایک سفارت بھیجنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لئے شام کے ملک کے ایک بزرگ جو مولانا شامی کہلاتے تھے اور جن کا نام کسی تاریخ میں نہیں ملتا' منتخب کیا' پھر ان کے ساتھ مترجم کے طور پر مولانا اسلامی کی جو دیبل کے رہنے والے ہندو تھے اور جنہوں نے محمد بن قاسم کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے مولانا اسلامی کا نام پایا تھا' روانہ کیا تاکہ سفارت کے پیغام اور جواب میں کوئی گنجلک باقی نہ رہے۔ جب یہ دونوں بزرگ راجہ داہر کے دربار میں پہنچے اور اس ملک کے رواج کے مطابق راجہ کو سجدہ نہ کیا تو اسے سخت غصہ آیا اور مولانا اسلامی کو جنہیں وہ پہلے سے جانتا تھا کہا کہ تم

نے آداب شاہی کی خلاف ورزی کیوں کی ہے حالانکہ تم اسی ملک کے باشندے ہو اور ان آداب سے بخوبی واقف ہو۔ مولانا اسلامی نے جواب دیا کہ میں خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہو چکا ہوں۔ اور مسلمان سوائے خدا تعالی کے کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا اس پر داہر اور زیادہ غضبناک ہو کر بولا۔ "اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔

اس کے بعد سفارت کی بات چیت ہوئی اور مولانا شامی نے کہا کہ ہمارے امیر محمد بن قاسمؒ نے تمہیں دو باتوں میں سے ایک اختیار کرنے کے لئے کہا ہے! یا تو تم دریا عبور کر کے ہمارے پاس آؤ۔ اس صورت میں تمہارے لئے راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ یا ہمارے لئے راستہ چھوڑ دو تاکہ لشکر اسلام دریا عبور کر کے تمہارا مقابلہ کرے۔

داہر نے یہ پیغام سن کر اپنے وزیر سیاکر سے مشورہ کیا وزیر نے کہا۔ مہاراج میری رائے میں مسلمانوں کو دریا عبور کرنے کی اجازت دیکر اس کنارے پر بلوا لینا ہمارے لئے فائدہ مند ہے اس طرف ہمارا قلعہ 'فوج اور سب سامان ہے ہمیں ہر وقت مدد مل سکتی ہے لیکن مسلمانوں کی پشت پر دریا ہو گا جہاں سے انہیں نہ کوئی مدد مل سکتی ہے نہ وہ بھاگ کر جاسکتے ہیں۔

اگرچہ راجہ کو یہ مشورہ پسند تھا لیکن اس نے خاندان علافی کے سردار کو بلایا جو اسلامی حکومت کا باغی تھا اور راجہ داہر کے پاس پناہ گزین تھا۔ یہ سردار محمد حارث علافی تھا۔ داہر نے جب اسے ساری بات بتائی اور اپنے وزیر کے مشورے کا ذکر بھی کیا تو اس نے کہا۔

عالی جاہ! میرے خیال میں آپ کے وزیر کی رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کی عادات و طبائع سے واقف ہی نہیں۔ اول تو محمد بن قاسم بڑی فوج لے کر آیا جس میں بڑے بڑے بہادر اور جوانمرد ہیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان جب لڑائی کے لئے نکلتے ہیں تو سر ہتھیلی پر رکھ کر نکلتے ہیں۔ ان کا بھروسہ صرف خدا پر ہوتا ہے۔ اور وہ ہر وقت خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ الٰہی ہم تیرے بندے ہیں' تیرا دین پھیلانے کی خاطر لڑائی کے میدان میں آئے ہیں۔ اس لڑائی میں شہادت عطا فرما تاکہ ہم اپنے سے دوگنوں کو مار لیں۔ جب یہ لوگ دشمن کے مقابلے میں آتے ہیں تو وہ اس قدر بہادر ہوتے ہیں کہ لڑائی سے ہرگز منہ نہیں پھیرتے۔ میری رائے میں انہیں دریا کے اس پار ہی رہنے دیجئے اور کشتیوں کے ملاحوں' گنواروں اور' دیہاتیوں کو حکم دیجئے کہ وہ غلہ اور دوسری چیزیں ان کے لشکر میں نہ پہنچائیں تاکہ وہ تنگ ہوں۔

داہر نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد قاصدوں کو جواب دیا کہ تم جاؤ اور محمد بن

قاسم سے کہہ دو کہ مجھے تمہاری کوئی بات منظور نہیں میرا اور تمہارا فیصلہ تلوار ہی سے ہو گا۔
قاصد چلے گئے انہوں نے ساری بات سالار لشکر سے کہہ دی۔

ادھر داہر نے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر محمد بن قاسم نے کوچ کر کے دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر راوڑ کے قلعے کے مقابل ڈیرے ڈال دیئے اور حجاج کے خط کا انتظار کرنے لگے۔ چند ہی دنوں بعد انہیں حجاج کا خط مل گیا۔ لکھا تھا:۔

حجاج کا خط

"تم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے اور داہر کے ساتھ جنگ کے متعلق لکھا ہے۔ سو مجھے خدا کے فضل سے امید ہے کہ تم کامیاب و کامران ہو گے اور تمہارا دشمن ذلیل و خوار ہو گا۔ کیونکہ پانچوں نمازوں میں اور جلوت و خلوت میں ہر وقت تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور امداد کی دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی اور فتح عطا فرمائے اور تمہارے دشمن ذلیل و خوار ہوں۔ ازل میں جو مقدر ہو چکا ہے۔ پردہ غیب سے بھی وہی ظاہر ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت تضرع درزاری سے عرض کرتا رہتا ہوں کہ اے خدا تو ایسا بادشاہ ہے کہ تیرے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے بشکر اسلام کو اس کی حیثیت سے زیادہ قوت اور کامیابی عطا کر' اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ تم مقصد حاصل کر کے ہم سے آملو گے البتہ یہ ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو دریا کو عبور کرو اور تائید الٰہی کی التجا کرتے رہو اور اس کی رحمت کو اپنے لئے پناہ جانتے ہو تاکہ اپنی عقلوں پر غرور کرنے والے شیروں سے وہ تم کو محفوظ رکھے۔ جب تم دشمن کے مقابل ہو تو رضائے الٰہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی پوری شجاعت و ہمت کا مظاہرہ کرو۔

جس وقت دریائے مہران (سندھ) کو عبور کرنا چاہو تو دریا کے گھاٹ کو اچھی طرح دیکھ لینا اور دریا پار کرنے کا انتظام رکھنا۔ پہلے اس ملک کے ملاحوں کو جو کشتیوں پر ہوں اپنے پختہ وعدوں سے اپنا مطیع و مخلص بنانا اور انہیں اچھی طرح پہچان لینا۔ پھر دریا کو عبور کرنا چونکہ پانی تمہاری پشت پر ہو گا۔ لہذا اس طرف سے تمہارے لئے دشمن کا کوئی خوف نہ ہو گا۔ اور تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ اس کے بعد جب تم ان کے گاؤں اور شہروں اور قلعوں میں داخل ہو گے تو کسی شخص بھی مجال نہ ہو گی کہ وہ تم سے جنگ کر سکے اور وہ ہرگز تمہاری سمت رخ نہ کریں گے اور اپنی جان و مال کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے جب وہ بھاگیں تو فوراً ان کے

اسباب اور خزانے پر قبضہ لیکن خود کو ان کے دھوکے اور فریب سے بچانا۔ پھر ہر ایک کو اسلام کی طرف بلانا اور جو اسلام سے مشرف ہو اس کی تربیت کرنا' اس طرح کہ وہاں کوئی دین کا دشمن نہ رہے۔" (۹۳ھ)

حجاج کے اس خط کو پڑھنے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے ساتھیوں کے سامنے ایک تقریر کی۔ پھر داہر سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اتنے میں حجاج کا دوسرا خط بھی آگیا جس میں لکھا تھا:

"مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تمہارے دشمن کے سر میں غرور کی ہوا بھری ہوئی ہے لیکن اس سے خوف نہ کرنا۔ اگر وہ صلح کرے اور خراج دارالخلافہ میں پہنچائے تو ٹھیک ہے۔ تم نے داہر سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی ہے تو تمہیں دریا ایسے مقام سے عبور کرنا چاہئے جہاں کیچڑ یا دلدل نہ ہو اور لشکر کو دریا عبور کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو بلکہ تم مجھے اوپر سے نیچے بارہ میل تک دریا کی لمبائی اور چوڑائی کا نقشہ بنا کر بھیجو اور اس میں گھاٹ اور کناروں کی نشاندہی کرو۔ اس کے بعد میں جس مقام کو پسند کروں وہاں سے دریا عبور کرو۔"

(واضح رہے کہ اس زمانے میں عراق سے سندھ تک سات دن میں ڈاک آتی تھی)

اس خط کے بعد محمد بن قاسم نے موکا بن وسایا کو بلا کر کہا کہ دریا پار کرنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔

راجہ داہر کی پیش قدمی

جب راجہ داہر کو یہ خبر ملی کہ محمد بن قاسم جیور کے سامنے اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہے تو وہ ہاتھی پر سوار ہو کر دریا کے کنارے کی طرف روانہ ہوا۔ اور اسلامی لشکر کے سامنے جا پہنچا۔ دریائے سندھ دونوں کے درمیان تھا۔ اس وقت محمد بن قاسم اپنے لشکر کو جنگ کے لئے تیار کر رہے تھے۔ ایک شامی نے جو ماہر تھا اور تیر انداز تھا۔ راجہ داہر کر دریا کے دوسرے کنارے دیکھکر اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا تاکہ اسے ہلاک کر دے لیکن گھوڑا پانی میں نہ اترا اور بھڑک اٹھا۔ داہر نے شامی کو دیکھکر ایسا تیر مارا جس سے شامی شہید ہو گیا۔

داہر نے وہاں سے واپس ہوتے ہوئے جاہین کو حکم دیا کہ قلعہ بیٹ کے سامنے جو گھاٹ ہے۔ اس پر پہرہ رکھے تاکہ عرب وہاں سے نہ گزر سکیں۔ اور کشتیاں بھی تیار رکھے تا کہ عرب اگر دریا عبور کرنے لگیں تو ان کی پرزور مزاحمت کی جائے' اس حکم کے بعد جاہین

مہران کے اس کنارے پر بڑی مستعدی سے ڈٹ گیا۔

اس زمانے میں بعض اسلامی لشکر کے سواروں نے جو سیوستان میں متعین تھے۔ آ کر اطلاع دی کہ چندر رام ہالہ نے جو سیوستان کا حاکم تھا کچھ ٹھاکروں کو ورغلا کر سیوستان کے قلعے پر قبضہ کر لیا' اور عرب سپاہیوں کو باہر نکال دیا ہے۔ محمد بن قاسم نے محمد بن معصب کو ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادوں کے ساتھ فوراً سیوستان بھیجا۔ جب محمد بن معصب وہاں پہنچا تو چندر رام نے قلعہ سے باہر نکل کر جنگ کی مگر شکست کھا کر بھاگ نکلا اور قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر اہل قلعہ نے دروازے بند کر لئے اور وہ مجبوراً جہم کی طرف بھاگ گیا۔

محمد بن معصب دوسرے روز شہر میں آیا تو معززین نے اس سے معذرت کی اور کہا کہ چندر رام زبردستی قلعہ کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں' محمد بن قاسم کو اس فتح کی بیحد خوشی ہوئی اور انہوں نے پیغام بھیجا کہ قلعے کی حفاظت کے لئے قابل اعتماد لوگ مقرر کر دو اور وہاں کے شمنیوں اور تاجروں سے مناسب ضمانتیں لے کر چار ہزار جنگجو اپنے ساتھ لے آؤ۔ چنانچہ محمد بن معصب قلعے کے محافظ مقرر کر کے چار ہزار مسلح سپاہیوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اسی دن موکا بن وسایا بھی قلعہ بیٹ کے قریب محمد بن قاسم سے آملا۔

راجہ داہر کو جب معلوم ہوا کہ موکا بن وسایا بھی محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر چکا ہے تو اس نے اپنے بیٹے جیسیہ کو اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے قلعہ بیٹ روانہ کیا تا کہ وہ دریا عبور نہ کر سکیں۔ جیسیہ پورے سازو سامان کے ساتھ دریائے کو تکہ کے راستے سے کنارے پر جا پہنچا۔ ادھر محمد بن قاسم جہم اور کرھل کے علاقوں میں داہر کی فوجوں کے مقابل اترے اور انہیں وہاں تقریباً پچاس دن تک رہنا پڑا جس کی وجہ سے لشکر میں غلے اور چارے کی کمی ہو گئی۔ اور نامناسب چارہ ملنے کی وجہ سے گھوڑوں میں بیماری پھیلی جس سے بے شمار گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ راجہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور اس نے محمد بن قاسم کو پیغام بھیجا کہ کسی کام کی انتہا کے پیچھے پڑنا نہایت بدبختی اور ذلت ہے۔ تم نے ہمارے لئے اور اپنے لئے تنگی پیدا کی ہے۔ اگر صلح کر کے واپس چلے جاؤ تو میں تمہارے لئے رسد کا سامان بھیجوں تا کہ تمہارے ساتھی بھوکے اور بے سر و سامانی کی وجہ سے تباہ نہ ہوں' تمہیں خود بھی سوچنا چاہئے ک تمہارے پاس کونسا بہادر مرد ہے جو ہمارے مقابل ہو کر جنگ کرے گا۔ اگر تم اس (صلح) کے لئے تیار نہیں تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

محمد بن قاسمؒ نے اسکے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ان سپہ سالاروں میں سے نہیں

ہوں جو اتنی سی بات سے گھبرا کر واپس چلے جائیں تم نے اتنے دن تک سرکشی کی ہے اگر تم اس زمانے کا سارا خرچ دار الخلافے میں جمع کراؤ گے تو پھر ہمارے درمیان صلح ہو سکتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی مدد سے مجھے توقع ہے کہ میں تمہارا سر عراق لے کر جاؤں گا۔
(بحوالہ تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی)

محمد بن قاسم اور حجاج کی خط و کتابت

محمد بن قاسمؒ نے ان تمام حالات کی اطلاع حجاج بن یوسف کو بھیجی حجاج نے طیار نامی ایک شخص کو حالات سے باخبر ہونے کے لئے سندھ روانہ کیا' طیار مکران پہنچا تو اسے ایک شخص سندھ سے آتا ہوا ملا جس نے اسے لشکر میں غلے کی کمی اور چارے کی نایابی کے حالات بتائے اور گھوڑوں میں بیمارے پھیلنے کی تفصیلات بتائیں۔

طیار اس شخص کو ساتھ لے کر عراق واپس ہوا اور ساری رپورٹ حجاج کو دی۔ جس نے علماء اور محققین سے دعا کی التجا کی اور دو ہزار گھوڑے محمد بن قاسم کو بھجوائے اور ایک خط میں لکھا کہ کشتیاں کسی طرح سے حاصل کر کے ان کا پل بناؤ اور دریا کو عبور کرو۔

محمد بن قاسمؒ نے اسے لکھا کہ خلاف مزاج غذاؤں اور بے وقت کھانے کی وجہ سے لشکر میں اکثر لوگ بیمار ہو گئے ہیں جس طرح ممکن ہو سرکہ روانہ کریں کیونکہ اس کی بے حد ضرورت ہے۔

خط ملتے ہی حجاج نے دھنکی ہوئی روئی کو سرکہ میں تر کر کے اسے خشک کر دیا اور پھر اس کی گانٹھیں بند ھوا کر محمد بن قاسم کو روانہ کیں۔ نیز اسے لکھا کہ تم ہر کسی کو امان دینے کے شائق ہو جو مجھے ناپسند ہے۔ آزمائش کے وقت جس دشمن سے بھی عداوت یا مخالفت ظاہر ہو اسے امان نہ دینی چاہئے کیونکہ رذیل اور شریف یکساں سلوک کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ دشمن اسے تمہاری کمزوری سمجھے گا۔ تم دشمن کے مقابلے میں بے کار بیٹھے ہو۔ اگر اسی طرح امان دیتے رہے اور جنگ میں دھوکے کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ تو پھر جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا جائیگا اور یہ طویل کم عقلی ختم کر دی جائے گی۔ (یہ واضح دھمکی تھی)

تمہیں حکومت اور سیاست کے طریقے ہاتھ سے نہ دینے چاہئیں تمہیں عزم صمیم کر کے لشکر کو بہادری اور دور اندیشی کے لئے حوصلہ دلانا چاہئے ثابت قدم رہو۔ غفلت نہ

کرو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دل و جان اور زبان کو مشغول رکھو۔
تم نے دریا کے بہاؤ کے متعلق جو معلومات بھیجی تھیں۔ ان کی بنا پر میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دریا کو بیٹ سے عبور کرنا چاہئے۔
پل کشتیوں کا بنانا اور جنگ میں اللہ کی مدد اور اس کی نصرت کو اپنے ہمرکاب سمجھنا۔ جب تم طاقت اور دبدبے سے کام کرو گے تو پھر دشمن کی فوج اور رعایا اپنی جان بچانے اور ذریعہ معاش حاصل کرنے کی خاطر تمہاری بیعت کرے گی اور مطیع ہو کر اپنے آپ کو تمہارے دربار سے وابستہ کرے گی۔"

محمد بن قاسم کا دریا عبور کرنا

اس خط کے بعد محمد بن قاسمؒ نے دریا کو عبور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور سلیمان بن نبہان قشیری کو حکم دیا کہ فوج لے کر راوڑ کے قلعے کے سامنے جائے تاکہ داہر کا بیٹا گوپی اپنے باپ کی مدد کو نہ آسکے سلیمان چھ سو سپاہی لے کر روانہ ہوا۔ اس کے بعد عطیہ تغلبی کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ اگھم کے راستے پر مقرر کیا تاکہ کندراہ والے علاقے پر پہرہ رہے۔ ادھر قلعہ نیرون کے سردار میکد ھنیہ کو حکم دیا کہ راستے میں لشکر کے لئے اناج اور گھاس مہیا کرے۔ محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن کو لشکر کے مقدمتہ الجیش پر مقرر کیا تاکہ وہ آگے جا کر راستوں کی حفاظت کرے۔
اسی اثناء میں ذاکوان بن علوان البکری پندرہ سو سواروں کے ساتھ بیٹ کے حاکم موکا بن وسایا اور بھٹی ٹھاکروں اور مہران کے مغربی کنارے پر رہنے والے مطیع گنواروں کو ساتھ لیکر حاضر ہوا اور کہا کہ بیٹ کے علاقے میں ساکرے کے سربراہ بھی تیار ہو گئے ہیں۔
محمد بن قاسمؒ نے دریائے مہران (سندھ) کو عبور کرنے کی تجویزیں سوچنی شروع کر دیں۔ کیونکہ داہر کا سارا لشکر دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر تھا بہت غور کے بعد محمد بن قاسمؒ نے موکا بن وسایا کو کشتیاں فراہم کرنے پر مامور کیا جب کشتیاں جمع ہو گئیں تو یہ تدبیر عمل میں لائی گئی کہ دریا کے مغربی کنارے کے متصل پانی میں کشتیوں کو ایک دوسرے سے باندھکر ایک قطار بنائی گئی جو اس قدر طویل تھی جس قدر اس مقام پر دریا کی چوڑائی تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں دریا کا پاٹ بہت کم اور پانی کی روانی بہت تیز تھی۔ پھر اس کا ایک سرا مغربی کنارے پر مضبوطی سے بندھوایا اور دوسرا سرا دریا میں چھوڑ دیا۔ یہ سرا خود بخود مشرقی کنارے

سے جالگا۔ اگلی کشتی کے سپاہیوں نے کنارے پر رسوں اور کیلوں کے ذریعے اس کو ساحل سے باندھ دیا۔ اس طرح کشتیوں کا پل بن گیا۔ اس پل پر سے محمد بن قاسمؒ کی پوری فوج صحیح و سلامت مشرقی کنارے پر آگئی۔ صرف ایک سپاہی تراب نامی جو بنوحنظلہ میں سے تھا پل میں سے گزرتے ہوئے دریا میں گر کر شہید ہو گیا۔ دریا عبور کرنے کے بعد محمد بن قاسمؒ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی اور کہا:

"مجاہدو! دریائے سندھ تمہارے پیچھے ہے اور دشمن کی فوج تمہارے سامنے ہے جس سے عنقریب ہمارا مقابلہ ہو گا۔ تم میں سے جو کوئی واپس جانا چاہتا ہے ابھی چلا جائے کیونکہ اگر عین جنگ میں کوئی بھاگا تو ہمیں بددل بنائے گا۔"

اس تقریر کے بعد پورے لشکر میں سوائے تین آدمیوں کے کوئی بھی واپس جانے تیار نہ ہوا۔ ان تینوں میں سے ایک نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے جس کی پرورش کرنیوالا میرے سوا کوئی نہیں ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں واپس چلا جاؤں 'اور دوسرے نے کہا کہ میری بوڑھی ماں کو کوئی سنبھالنے والا نہیں ہے۔ تیسرے نے کہا کہ مجھ پر بے حد قرض ہے۔ اور میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے جو قرض ادا کرے۔ محمد بن قاسمؒ نے تینوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

(بحوالہ فتح نامہ سندھ صفحہ نمبر ۲۲۰)

راجہ داہر سے لشکر اسلام کی جنگ

محمد بن قاسمؒ اور راجہ داہر کی فوجوں کے درمیان اب صرف تقریباً دو میل کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ داہر نے پہلے دن اپنے بیٹے جیسہ کو مقدمۃ الجیش کے طور پر لشکر اسلام سے جنگ کے لئے بھیجا۔ مگر وہ تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد بھاگ نکلا اور اس کے بے شمار لشکری قتل ہوئے۔

دوسرے دن داہر کا لشکر اور قریب آیا اور اس نے ٹھاکر چندھا کو لشکر اسلام کے مقابلے پر روانہ کیا۔ دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا لیکن ہار جیت کے بغیر ہی دن گزر گیا اور رات کو لڑائی بند کر دی گئی۔

تیسرے دن داہر نے جاہین کو مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ وہ بڑا بہادر شخص تھا۔ اس نے لشکر اسلام کا خوب مقابلہ کیا۔ لیکن قتل ہو گیا اور باقی لشکر بھاگ نکلا داہر کو اس سے

تشویش ہوئی تو اس نے اپنے وزیر سیاکر کو بلا کر اس سے مشورہ طلب کیا۔سیاکر نے کہا:۔
"مہاراج آپ جس روش سے جنگ کر رہے ہیں۔ وہ غلط ہے اول تو جب عربوں کا یہ لشکر مہران عبور کر رہا تھا۔اور ٹولیوں میں ہو کر گزر رہا تھا' اسی وقت آپ کو اس کا مقابلہ کرنا چاہئے تھا لیکن اب وہ اکٹھے ہو گئے ہیں۔اور آپ جس ٹھاکر کو بھی بھیجتے ہیں وہ مارا جاتا ہے۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ ساری فوج ملازموں کے پیادوں اور سواروں سمیت آپ ہاتھی پر سوار ہو کر مسلمانوں سے جنگ کریں۔اگر آپ کو فتح حاصل ہوئی تو آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔اور آپ کا دشمن دفع ہو جائے گا۔ورنہ دوسری صورت میں وہ غالب ہوں گے اور پڑوسی بادشاہوں کے طنز سے محفوظ رہیں گے اور آپ کے بیٹوں اور پسماندگان کو کوئی بھی طعنہ نہ دے سکے گا۔"

داہر نے یہ بات قبول کرلی۔ ۔ ۔

دوسرے دن (یعنی جنگ کے چار دن بعد) داہر کے حکم سے جنگ کا نقارہ بجا کر پرچم لہرایا گیا۔اور تقریباپانچہزار نامور سوار اور بہادر جنگجو شہزادے اور ساٹھ مست ہاتھی لے کر داہر میدان جنگ کی طرف نکلا۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگجو ہاتھی ایک سو تھے اور بیس ہزار زرہ پوش اور سپر انداز پیادے جنگ کے لئے اس کے آگے آگے روانہ ہوئے داہر نے خود ایک مست ہاتھی پر پالکی بندھوائی' اس پر لوہے کا برگستوان (اسلحہ جنگ کی ایک قسم ہے) ڈلوایا۔پھر خود زرہ پہن کر اور کمان کا چلہ چڑھا کر اس پر سوار ہوا۔اس کے ساتھ پالکی میں دو کنیزیں تھیں۔ایک اسے یکے بعد دیگرے تیر دیتی تھی اور دوسری پان پیش کرتی تھی۔ سندھی لشکر میں شہنائیوں اور ڈھولوں کی آواز سے بڑا جوش و خروش پیدا ہو رہا تھا۔

ادھر محمد بن قاسمؒ خود محرز بن ثابت کے ساتھ لشکر اسلام کے قلب میں تھا۔اس نے جہم بن زحر الجعفی کو میمنہ پر ذکوان بن علوان البکری کو میسرہ پر عطا بن مالک القیسی کو مقدمہ پر اور نباتہ بن حنظلہ کو ساقہ پر مقرر کیا۔اور پھر لشکر سے مخاطب ہو کر کہا۔" اے عربو! اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو تمہارا امیر محرز بن ثابت ہو گا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو پھر سعید امیر ہو گا۔"

اب قاعدہ جنگ شروع ہوئی' سب سے پہلے محرز نے حملہ کیا اور ڈٹ کر جنگ کی حتیٰ کہ نہایت بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا پھر سعید نے لشکر کو ہمت دیکر آگے بڑھایا حسن بن محسبتہ البکری کا انگوٹھا جنگ کے دوران تلوار کے گھاؤ سے کٹ گیا لیکن مسلمان اس جوش و خروش سے لڑ رہے تھے کہ انہوں نے مست ہاتھیوں کی مستکیں کاٹ کر انہیں واپس

لوٹادیا۔اس طرح نوہاتھی واپس بھاگ نکلے۔کافروں کا لشکر بھی پسپا ہو گیااور جنگ اگلے دن تک ملتوی ہو گئی۔

آخری معرکہ

آخری معرکہ ۱۰ رمضان ۹۳ھ بروز جمعرات راجہ داہر اور لشکر اسلام کے درمیان دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر ہوا۔

راجہ داہر نے دس ہزار زرہ پوش سواروں کو اپنے بیٹے جیسہ کی قیادت میں دیا۔یہ لوگ اسلحہ جنگ سے لیس ہو کر آئے تھے۔انہیں لشکر کے قلب میں مامور کیا گیا تھا۔اس کے بعد خود داہر لشکر اسلام کے سامنے آیا۔اس کے پیچھے چاروں طرف ہاتھی کھڑے تھے۔ دائیں جانب جینہ ابن ابی ارجن' چھوٹے کوار کادادا' بڑاکواراور داہر کاہم زاد جیسن اور بائیں جانب بشر بن ڈھول' ابن بشر' دھرسنیہ بن داہر' کینہٰ کے حاکم کا بیٹا بیل' نائیلو جولو اور شبہ وغیرہ کھڑے تھے۔اوران کے ساتھ سندھ کے چیدہ چیدہ سردار اور نامور بہادر موجود تھے۔

بلاد سندھ کے سارے دیہاتی اکٹھے کر کے داہر نے اپنی پشت پر اور تلوار کے دھنی اور نڈر جانباز لشکر کے آگے کھڑے کئے۔پھر جنگی ہاتھیوں کو بھی میمنہ اور میسرہ پر متعین کر کے باقی دوسرے سوار اور ہاتھی اسلامی لشکر کے مقابلے پر روانہ کئے۔

محمد بن قاسمؒ کا لشکر کو آراستہ کرنا

محمد بن قاسمؒ نے اسلامی لشکر کی ترتیب اس طرح کی کہ نباتہ بن حنظلہ کلبی کو میمنہ پر 'ذکوان بن علوان البکری کو میسرہ پر مامور کر کے ابو صابر ہمدانی کو علمبردار مقرر کیااور انہیں ہاتھیوں کے سامنے صف آرا ہونے کا حکم دیا۔اس کے بعد ہذیل بن سلیمان ازدی' زیاد بن حواری ازدی اور دوسرے بہادر شہسواروں جیسے کہ نمیلہ مسعود بن الشعری الکلبی اور مخارق بن کعب الراسی کو قلب کے سامنے کھڑا کیا۔اب مقدمہ کی جنگ شروع کی۔اور ایک طرف سے اپنے ساتھیوں سمیت محمد بن زیاد العبدی اور بشر بن عطیہ اور دوسری طرف سے محمد بن معصب بن عبدالرحمٰن الثقفی اور خریم بن عروہ مدنی داہر کے مقابل ہوئے۔

جب سارے گھوڑے اور لشکر کے سپاہی اکٹھے ہوئے تب محمد بن قاسم نے اپنے منتخب سواروں کے تین حصے کر کے ایک حصے کو قلب میں دوسروں کو میمنہ میں اور تیسرے کو میسرہ میں شامل کر کے باقی دوسروں کو لشکر کے پیچھے کھڑا کیا۔پھر نفط اندازوں (آگ کے

گولے مارنے والوں) کو بھی قلب 'میمنہ اور میسرہ پر مختلف تعداد میں مامور کر کے سارے لشکر کو تیار رہنے کا حکم دیا۔یہ سب کام فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مکمل کیا گیا۔اور پہلی صفوں میں بالترتیب قبیلہ عالیہ 'بنو تمیم' بکر بن دائل 'عبدالقیس 'اور بنوازد کے لوگ شامل تھے۔ محمد بن قاسمؒ نے لشکر کی صف آرائی مکمل ہو جانے کے بعد مجاہدوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

محمد بن قاسمؒ کا خطاب

"اے عرب والو!کافروں کی اس فوج نے جنگ کے لئے ہماری طرف رخ کیا ہے تم ہمیت سے کام لینا کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال مال واسباب اور گھر اور زمین کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان پر حملہ کرو۔ ہم انشاء اللہ قوت الٰہی کے سہارے سب کو خونخوار تلواروں کی خوراک بنا کر ذلیل و خوار کریں گے اور ان کے مال اور عیال پر قبضہ کر کے کافی غنیمت حاصل کریں گے۔ تمہیں ثابت قدم رہنا چاہئے دیکھنا پریشان نہ ہونا۔ خاموشی کو اپنا زیور بنانا اور اپنی جگہ پر جم کر مقابلہ کرنا۔ کوئی بھی آدمی قلب سے میمنہ اور میسرہ کی طرف جا کر کسی کی مدد میں مصروف نہ ہو۔ ہر ایک اپنی جگہ اور مرکز پر ڈٹا رہے۔

کیونکہ خداوند عزوجل ہمیشہ متقیوں کی عاقبت بخیر کرتا ہے۔ ہر وقت زبان پر قرآن مجید کی تلاوت جاری رکھنا اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد کرتے رہنا۔

(پھر سقوں کو بلا کر کہا) مشکیں پانی سے بھر کر گشت کرتے رہنا تاکہ کوئی بھی آدمی پانی کی طلب میں اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے (پھر بنو تمیم سے مخاطب ہو کر کہا) اے عزیز! دشمن تمہارے سامنے آکر ظاہر ہوا ہے اور جنگ کے لئے مستعد ہو کر آرہا ہے۔ تمہیں بھی پوری طاقت اور سختی سے جدوجہد کرنی چاہئے۔ تاکہ تمہارے کاروبار کا نظام درست رہے۔

(پھر سارے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا)

اے مسلمانو! استغفار زیادہ کرو۔ خداوند عزوجل نے امت محمدی ﷺ کو دو باتوں کی تلقین کی ہے۔ ایک محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود اور دوسرے گناہوں سے استغفار 'تمہیں دلوں کو مضبوط رکھنا چاہئے۔ تاکہ خدائے عزوجل دشمن پر غالب کرے۔"

با قاعدہ جنگ

اب با قاعدہ جنگ میں سب سے پہلے سلیمان بن نبہان اور ابو خصہ قشیری (الکندی) کے آزاد کردہ غلام نے دو سو منتخب سواروں کے ساتھ داہر کے ایک دستہ پر حملہ کیا۔ جو تھوڑی دیر میں شکست کھا کر پسپا ہو گیا۔ ان میں سے بہت سے مارے گئے۔ داہر نے یہ دیکھکر دوسرا دستہ روانہ کیا۔ لیکن یہ بھی ابو خصہ کے دستوں کے ہاتھوں شکست کھا کر ذلیل و خوار ہوا۔

اتنے میں محمد بن قاسمؒ نے مردان بن اشجم یمنی اور تمیم بن زید قینی کی رکاب میں بہادر سواروں کے دو مضبوط دستے دے کر انہیں راجہ داہر کی فوج کے عقب پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جنہوں نے اس قدر سرعت اور ہوشیاری سے حملہ کر دیا کہ کافر حیران رہ گئے۔ جب مجاہدوں نے عقب سے نعرہ تکبیر بلند کیا تو کافروں میں بھگدڑ مچ گئی اور ان پر خوف طاری ہو گیا۔ یہ دیکھکر محمد بن قاسمؒ نے اپنے لشکر سے پکار کر کہا: "بہادرو! کافر دو حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں، آگے بڑھکر حملہ کرو، آج تمہاری کوششوں کا دن ہے۔"

راجہ داہر کی بہادری

لشکر اسلام کے تابڑ توڑ حملوں کی وجہ سے کافروں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ یہ دیکھکر راجہ داہر نے خود ڈھال لے کر سفید ہاتھی کو آگے بڑھایا۔ اس کے جلو میں بڑے بڑے سورما ہتھیاروں سے لیس موجود تھے۔ داہر نے اپنے ہاتھ سے کئی چکر[1] چلائے جنہوں نے کئی مسلمانوں کے سر تن سے جدا کر دیئے اسے دیکھکر شجاع حبشی نے جو بڑا نامور جنگجو تھا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی لیکن یہ گھوڑا ہاتھی کو دیکھکر بھڑک گیا۔ مگر حبشی نے اپنے عمامہ سے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آگے بڑھایا۔ اتنے میں داہر نے موقع پا کر چکر چلایا جس سے شجاع کا سر تن سے جدا ہو گیا اور دھڑ گھوڑے پر لٹکنے لگا۔ داہر کی اس بہادری سے کافروں میں جوش پیدا ہوا اور وہ آس پاس سے سمٹ کر اس قدر جوانمردی سے لڑے کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار کے آثار پیدا ہو گئے۔ یہ ایسا نازک موقع تھا کہ خود محمد بن قاسمؒ نے گھبرا کر غلام سے کہا۔

"اطعمی الماء" یعنی مجھے پانی پلاؤ۔

ا) چکر ایک ہتھیار تھا جسے گھما کر پھینکتے تھے

لیکن پانی پینے کے بعد اس نے جوش میں آکر لشکر اسلام کو پکارا۔ ۔ ۔

"اے عربو! تمہارا امیر محمد بن قاسم موجود ہے تم کدھر بھاگتے ہو۔ ڈھالیں سنبھالو اور صبر کرو۔ کیونکہ کافر شکست کھا چکے ہیں۔ فتح ہماری ہے۔"

اس پر سارا لشکر دوبارہ منظم ہو کر لڑنے لگا۔ اور موکا بن وسایا بھی سامنے آکر اپنی فوج سمیت پیادہ ہو گیا۔ اس نازک موقع پر جب لڑائی برابر کانٹے کے تول جاری تھی، محمد بن قاسم نے اپنے ہمراہیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں نام لے کر پکارا اور کہا: ۔ ۔

خریم بن عمرو مدنی کہاں ہے؟ کحلی ذھلی محمد بن معصب بن عبدالرحمٰن اور نباتہ بن حنظلہ کہاں ہیں؟ دارس بن ایوب کہاں گیا؟ ابو حفصہ، محمد زیاد العبدی، تمیم بن زید قینی کہاں ہیں؟ دوستو! قرابت دارو شمشیر زنو پہرہ دارو" نیزے تلواریں اور تیر بارش کی طرح برسنے لگے۔ جب ہتھیار ٹوٹ گئے تو فریقین کشتی میں گتھم گتھا ہو گئے۔ یہ جنگ صبح سے جاری تھی اور شام ہونے تک جاری رہی۔ اس میں بے شمار کافر قتل ہوئے صرف راجہ داہر راجکماروں کے ایک ہزار سواروں کے ساتھ بچ رہا تھا کہ شام ہونے لگی۔ اتنے میں داہر کے بائیں طرف سے شور برپا ہوا اور عورتوں نے پکار کر کہا اے راجہ ہم تمہاری بیویاں ہیں اور عربی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی ہیں۔ راجہ داہر نے یہ سن کر للکارا۔

" ابھی تو میں زندہ ہوں۔ تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے؟"

اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھی کو لشکر اسلام کی طرف بڑھایا۔

راجہ داہر کا قتل

محمد بن قاسمؒ نے راجہ داہر کے ہاتھی کو آگے بڑھتے دیکھکر نفط اندازوں کو حکم دیا کہ ہاتھی کی عماری پر آگ کے گولے مارے جائیں کیونکہ اب یہ تمہارا وقت ہے۔ نفط اندازوں نے نشانہ لے کر گولے مارے اور داہر کے ہاتھی کی عماری میں آگ کے شعلے بڑھک اٹھے اور وہ بھاگ کر پانی میں گھس گیا۔ پھر وہاں س نکل کر قلعے کی طرف پلٹا اتنے میں ایک عرب تیر انداز نے نشانہ لے کر داہر پر تیر چلایا جو اس کے دل پر لگا یا اور وہیں عماری پر منہ کے بل گرا۔ ہاتھی چونکہ آگ کی تپش کی وجہ سے بدحواس ہو چکا تھا اس لئے الٹے پاؤں بھاگا اور کئی کافروں کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ جس کی وجہ سے لوگ ہاتھی سے دور ہٹ گئے۔ داہر نے زخمی ہونے کے باوجود ہاتھی سے اتر کر ایک عرب پر حملہ کر دیا۔ لیکن بہادر عرب نے داہر کے سر پر اس زور سے تلوار

ماری کہ اس کے سر کو چیرتی ہوئی شانوں کو دو حصوں میں کر گئی۔

اسی اثناء میں اسلامی لشکر لڑتا بھڑتا راوڑ کے قلعے تک جا پہنچا ادھر کافروں نے موقع پا کر داہر کی لاش کو کیچڑ کے نیچے چھپادیا۔ تاکہ مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگے۔

اب کافروں کا زور ختم ہو چکا تھا۔ وہ ادھر ادھر فرار ہونے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد میدان جنگ ان سے خالی ہو گیا مسلمانوں نے ان بھاگتے ہوئے کافروں میں سے بے شمار کو قتل کیا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس دن قابل بن ہاشم کو سولہ زخم آئے پھر بھی وہ رجز پڑھتا ہوا لڑ رہا تھا:۔

" دوستو! داہر سے جنگ کرنے سے پیشتر مجھے جام بھر کر دو پیالہ موت سے پہلے دو کیونکہ وہ آج منتظر نظر آ رہی ہے کل بزم میں سارے احباب موجود ہوں گے لیکن بھائیو کل میرا انتظار نہ کرنا۔"

میدان جنگ میں اب محمد بن قاسم راجہ داہر کی گمشدگی کے متعلق متردد کھڑے تھے کہ عامر بن عبدالقیس نے کہا۔" اے امیر! میرا دل گواہی دیتا ہے کہ داہر قتل ہو گیا ہے۔"

لیکن محمد بن قاسم ہر کسی کسے پوچھتے تھے کہ داہر کہاں ہے؟ اتنے میں ایک برہمن آیا اور امان طلب کر کے کہنے لگا میں داہر کی لاش کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ محمد بن قاسمؒ نے اسے بمعہ اس کے تابعداروں اور فرزندوں کے امان دے دی اس پر برہمن نے کیچڑ کے نیچے سے داہر کی لاش نکالی۔ اس وقت اس میں سے عطر اور مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ پھر اس کا سر کاٹ کر محمد بن قاسمؒ کے پاس لایا گیا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تم میں سے کوئی اسے پہچانتا ہے؟ لیکن کسی نے اثبات میں جواب نہ دیا۔ اس پر ان دو کنیزوں کو لایا گیا جو پالکی میں داہر کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے سر کی شناخت کی۔ محمد بن قاسمؒ نے خوش ہو کر اس برہمن کے تین سو رشتہ داروں کو آزاد کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی اس مدد کا شکریہ ادا کرنے کے لئے دو رکعت نفل ادا کئے۔ اس کے تمام جنگجو قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا تاکہ آئیندہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ رہے البتہ دستکاروں، تاجروں اور کسانوں وغیرہ کو امان دیکر آزاد کر دیا۔

بعض روایات کے مطابق داہر کو قتل کرنے والا عمرو بن خالد تھا یہ قبیلہ بنو کلب کا جوانمرد تھا جو ملک شام کا مشہور جنگجو قبیلہ ہے۔

(بحوالہ فتح نامہ سندھ صفحہ نمبر ۴۸۰۔۴۸۱)

حجاج کے پاس داہر کا سر بھیجنا

جنگ کی صعوبتوں سے فارغ ہو کر محمد بن قاسمؒ نے حجاج کے نام مبارکباد کا خط لکھا جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر داہر کا سر صارم بن ابی صارم کے حوالے کر کے بنی قیس میں سے ابو قبیص کو اس کا رفیق مقرر کیا۔ اس کے علاوہ ذکوان بن علوان البکری' یزید بن مجالد ہمدانی' زیاد بن الحواری اور کچھ دوسرے بہادروں کو بھی ان کا ساتھی بنا کر مال غنیمت لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ حجاج کی طرف روانہ کیا۔ حجاج اس فتح کی خوشخبری سے بیحد خوش ہوا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ داہر کا سر اس کے سامنے رکھا گیا۔ اس کے تاج اور علم کو اوندھا کر دیا گیا۔ اور قیدیوں کو جوتوں کے پاس بٹھایا۔

حجاج نے کوفہ میں فتح کی منادی کرادی اور منبر پر چڑھکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود سلام کے بعد دولت محمدی کے خدمت گاروں کی بہت تعریف کی۔ اور پھر کہا:

"اہل شام و عرب کو سندھ اور ہند کے علاقوں کا فتح کرنا' کثیر مال' مہران کا میٹھا پانی اور بے انتہا نعمتیں جو خدائے عزوجل نے انہیں عطا کی ہیں۔ مبارک ہوں۔"

پھر لوگوں کو فتح نامہ پڑھکر سنایا اور خوشیاں منائیں۔ اور جن لوگوں نے جنگ کے موقع پر شاندار کارنامے سر انجام دیئے تھے انہیں اعلیٰ مرتبوں قیمتی خلعتوں اور کثیر انعامات سے نوازا اور رنگ برنگ کے مرصع پیراہن پہنا کر مال غنیمت کے ساتھ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس روانہ کیا اور انہیں خاص آدمیوں کی فہرست میں شامل کیا۔ کعب بن مخارق الراسی کو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے راجہ داہر کی بھانجی عطا کی جسے اس نے بیوی بنایا لیکن اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

فتح نامہ سندھ کی روائت کے مطابق داہر کی شکست اور راوڑ کی فتح کے وقت اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا کہ صرف تیس ہزار لونڈی غلام تھے جن میں تیس راجاؤں کی بیٹیاں بھی شامل تھیں (صفحہ نمبر ۲۷۲)

راجہ داہر کی شکست کے بعد سب سے بڑی جنگ برہمن آباد میں ہوئی جس کا مختصر سا احوال درج ذیل ہے۔

فتح برہمن آباد

راجہ داہر کے قتل ہو جانے کے باوجود اس کے بیٹے جسینہ کے پاس پندرہ ہزار کی تعداد میں فوج موجود تھی۔ داہر کے وزیر سیاکر نے اسے برہمن آباد جانے کی صلاح دی کیونکہ اس شہر میں بہت بڑا خزانہ مدفون تھا۔ ابن خلدون نے لکھاہے کہ سندھ میں برہمن آباد دوسرے نمبر پر بڑا شہر تھا۔ اس کا قلعہ ہندوستان کے مضبوط ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ جسینہ نے سندھ کے سب راجاؤں اور ٹھاکروں کو داہر کے قتل ہو جانے کی خبر بھیج کر ان سے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے مدد کی درخواست کی۔

ادھر محمد بن قاسمؒ نے عرب گورنروں کو حکم دیدیا تھا کہ جو کوئی امان طلب کرے اور اطاعت قبول کرے ان کو پناہ دی جائے اور ان کے مذہب میں دخل اندازی نہ کی جائے۔ نیز ان لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے۔ اس اعلان کی وجہ سے وزیر سیاکر نے بھی معافی مانگ لی جسے قبول کر لیا گیا۔ اس کے پاس چند مسلمان قیدی بھی تھے (جنت السندھ صفحہ نمبر ۱۰۹ کی روائت کے مطابق یہ سراندیپ کے لوٹے جانیوالے جہازوں سے گرفتار ہوئے تھے) الور اور برہمن آباد کے درمیان دھلیلہ کے حاکم ٹیویہ بن دھارن نے جس کے پاس سولہ ہزار کا لشکر تھا مسلمانوں کا راستہ روکنا چاہا مگر شکست کھائی اور امان کا خواستگان ہوا۔ محمد بن قاسم نے اس جگہ کی وزارت کا قلمدان سیاکر کے حوالے کیا اور خود برہمن آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ برہمن آباد کے قلعے کے چار دروازے تھے ان میں سے ہر ایک دروازے پر جسینہ نے ایک سالار مقرر کر کے کثیر تعداد میں فوج ان کے حوالے کی اور مضبوطی سے ڈٹ جانے کا حکم دیا۔ جسینہ کی فوج کی مجموعی تعداد جو اس وقت برہمن آباد میں موجود تھی چالیس ہزار تھی۔ ماہ رجب ۹۴ھ میں لشکر اسلام برہمن آباد کے قریب پہنچا اور خیمہ زن ہو گیا۔ سالار لشکر نے انہیں لشکر گاہ کے ارد گرد خندق کھودنے کا حکم دیا تاکہ شبخون اور اچانک حملے کی صورت میں لشکری محفوظ رہ سکیں۔

ماہ ذی الحجہ ۹۴ھ میں جنگ کا آغاز ہوا جسینہ نے گوریلا جنگ کا طریقہ اختیار کیا اور آس پاس کے سب علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا تاکہ لشکر اسلام کو غلہ اور گھاس وغیرہ نہ مل سکے محمد بن قاسم نے مقدمتہ الجیش کے طور پر سپہ سالاروں میں نباتہ بن حنظلہ عطیہ ثعلبی صارم بن صارم ہمدانی عبدالملک مدنی اور موکا بن وسایا کو بہادر سواروں کے دستوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ جسینہ سرکوبی کی جا سکے۔ ان جانبازوں نے اس جوانمردی سے جنگ کی کہ جسینہ

کو شکست فاش ہوئی اور وہ جان بچا کر راجپوتانہ کی طرف بھاگ نکلا۔ محمد علافی جو اسلامی حکومت کا غدار تھا اور جسینہ کا ساتھی تھا' بھاگ کر کشمیر جا پہنچا جہاں اس کی موت واقع ہو گئی لیکن اس کے خاندان والے کشمیر میں ہی مستقل طور پر اقامت گزیں ہوئے جہاں انہوں نے مسجدیں بنوائیں اور اشاعت اسلام میں بھرپور حصہ لیا۔ (جنت السندھ صفحہ نمبر ۱۱۰)

برہمن آباد کو لشکر اسلام نے محاصرہ میں لے رکھا تھا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ کے بعد اہل علاقہ نے دروازے کھول دیئے اور امان طلب کی محمد بن قاسم نے ان پر جزیہ مقرر کرکے انہیں امان دے دی اور ان کے بت خانے سے کوئی تعرض نہ کیا اور خود اس شہر کا انتظام بااثر آدمیوں کے حوالے کرکے واپس الور کی طرف روانہ ہو گئے۔ برہمن آباد ماہ محرم ۹۵ء میں فتح ہوا تھا۔

الور میں محمد بن قاسمؒ نے رواح بن اسد کو گورنر مقرر کیا اور موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن شیباں عثمان ثقفی کو شہر کا قاضی بنایا گیا تاکہ عدل وانصاف سے کام چلتا رہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے خاندان میں فتح نامہ سندھ کا عربی میں لکھا ہوا قلمی نسخہ پشت در پشت وراثت کے طور پر منتقل ہوتا چلا آیا تھا اور جن کے ایک پڑپوتے قاضی محمد اسماعیل نے الور میں جا کر ہی علی کوفی نے وہ نسخہ حاصل کیا اور پھر اس کا فارسی میں ترجمہ کرکے ناصرالدین قباچہ کے وزیر عین الملک کے نام معنون کیا' یہی فارسی نسخہ تھا بعد میں جس کا ترجمہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے سب سے پہلے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔ اس پر تفصیلی نوٹ ہماری اس کتاب کے آئندہ صفحات میں موجود ہے۔

مزید فتوحات

سندھ میں سب سے بڑی جنگیں جو لشکر اسلام نے کافروں کے خلاف لڑیں' دیبل' راوڑ اور برہمن آباد کی جنگیں تھیں۔ دیبل میں جیسیہ راوڑ میں داہر اور برہمن آباد میں پھر جیسیہ اپنی فوجوں کے ساتھ مقابل ہوئے مگر شکست کھا کر ذلیل وخوار ہوئے۔ ان جنگوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی جنگیں تو بیشمار لڑی گئیں لیکن ان کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم ان کا تذکرہ نہیں کرتے' البتہ یہ بتانا ضروری ہے کہ برہمن آباد کے بعد محمد بن

قاسم نے اچ، ملتان، کیرج اور قنوج وغیرہ کو بھی فتح کیا اور یوں سندھ پنجاب کا کچھ حصہ اور راجپوتانہ کا کچھ علاقہ محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوا۔ ان فتوحات میں مال غنیمت کا اندازہ تیرہ کروڑ پچھتر لاکھ روپے اور تیس ہزار لونڈیاں غلام تک پہنچتا ہے۔ حالانکہ ان فتوحات کے لئے حجاج بن یوسف نے دمشق کے شاہی خزانہ سے ساٹھ ہزار درہم خرچ کئے تھے۔ ملک شام میں قصر عمیرا کی ایک دیوار پر جو بنوامیہ کا حمام تھا راجہ داہر کی تصویر بنائی گئی تھی۔
(جنت السندھ صفحہ نمبر ۱۱۳)

ذیل میں ایک اقتباس "آئینہ حقیقت نما" صفحہ نمبر ۲۷ پیش خدمت ہے۔ "محمد بن قاسم خود تو ملتان سے کشمیر کی طرف روانہ کیا۔ راجہ چچ نے اپنی شمالی سرحد پر چند صنوبر کے درخت لگا دیئے تھے اور ان درختوں کو سندھ وکشمیر کی حدفاضل قراردیا تھا۔ محمد بن قاسم بھی صنوبر کے ان درختوں تک ہی گیا۔ اور یہاں پہنچکر زید بن عمروکلابی کو بطور سفیر قنوج کے راجہ ہری چند پسر راجہ جے مل کے پاس بھیجا۔ مگر قنوج کے راجہ نے اس سفارت سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ بلکہ مقابلہ پر آمادہ ہو گیا۔ لہذا محمد بن قاسم نے کشمیر سے واپس آکر قنوج کے راجہ کو ایک اور خط بطور اتمام حجت لکھا۔ مگر اس کا نتیجہ بھی خاطر خواہ نہ ہوا، اسی اثنا میں محمد بن قاسم کی معزدلی کا فرمان دربار خلافت سے آگیا اور وہ یزید بن ابی کبشہ کو چارج دے کر عراق وشام کی طرف روانہ ہو گیا۔"

شامی سیاست اور محمد بن قاسمؒ کا انجام

اس سلسلہ میں چچ نامہ کے شارح ڈاکٹر نبی بخش سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی کے تحقیقاتی نوٹ کا خلاصہ چچ نامہ (فتح نامہ سندھ) کے حوالوں سے پیش خدمت ہے۔

فتح نامہ سندھ اردو ایڈیشن ۱۹۶۴ء مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد صفحہ نمبر ۵۳۰۔۵۳۱)

خلیفہ ولید کے زمانے میں حجاج کی طاقت عروج پر تھی۔ اس عرصے

میں حجاج کی اختیار کردہ سخت گیری کی وجہ سے ایک توبعض ایسے خاص لوگ حجاج کی دشمنی کا شکار ہوئے جو خلیفہ ولید کی وفات کے بعد نئے خلیفہ سلیمان کے خاص مشیر اور افسر بنے اور انھوں نے حجاج کے عزیزوں اور خاص آدمیوں سے حجاج کے مظالم کا انتظام لیا اور محمد بن قاسم بھی ان کے اس انتقام کا شکار ہوئے۔ دوسرے یہ کہ حجاج جب ان خاص افراد کا دشمن ہوا تو انہوں نے خلیفہ ولید کے بھائی اور ولی عہد سلیمان کے پاس جاکر پناہ لی' جس کی وجہ سے حجاج ذاتی طور پر سلیمان کا دشمن ہو گیا۔ چنانچہ جب سلیمان خلیفہ ہوا تواسی عناد کی وجہ سے اس نے اپنے خاص مشیروں کی اس پالیسی کی پشت پناہی کی جس کے مطابق حجاج کا بدلہ اس کے عزیزوں اور خاص آدمیوں سے لیا گیا جس میں محمد بن قاسمؒ سرفہرست تھا۔ تیسرے یہ کہ ولی عہد سلیمان سے ذاتی عداوت ہونے کی وجہ سے حجاج نے اس کی سیاسی مخالفت بھی کی اور خلیفہ ولید کی اس تجویز کی پرزورحمائت کی جس کے مطابق سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرکے اس کی جگہ خلیفہ ولید کے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا جانا تھا۔ حجاج کی اس سیاسی عداوت کا بدلہ سلیمان نے خلیفہ بن کر اسکے عزیزوں اور خاص آدمیوں خصوصا محمد بن قاسم سے لیا۔ حجاج کی یہی عداوتیں اور مرکزی اقتدار کی یہ تبدیلی ہی محمد بن قاسم کی گرفتاری اور اس کے دردناک انجام کا خاص سبب تھی جن پر مندرجہ ذیل تاریخی حوالوں سے مزید روشنی پڑتی ہے۔

ہم تفصیل میں جانے کی بجائے صرف حوالوں کا نام دے دیتے ہیں۔

۱۔ حجاج کی مہلب کے بیٹوں سے دشمنی
۲۔ حجاج کی ولی عہد سلیمان سے ذاتی دشمنی
۳۔ ولی عہد سلیمان کے خلاف سیاسی سازش میں حجاج کی شرکت

سلیمان کی تاریخی غلطیاں

سلیمان کے خلیفہ ہونے سے مرکزی سیاست میں تبدیلی پیدا ہوئی' حجاج کی وفات کے بعد اسکی جگہ خلیفہ ولید نے جس شخص کو مامور کیا تھا

سلیمان نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ حجاج کے دشمن اور اپنے ساتھی یزید بن مہلب کو عراق کا وائسرائے مقرر کیا۔ پچھلے خلیفہ ولید کے سیاسی حامیوں کے خلاف بھی انتقامی کاروائیاں شروع ہو گئیں۔ افریقہ اور اندلس کے فاتح موسیٰ بن نصیر کو گرفتار کر کے قید میں رکھا گیا۔ سرحد چین اور کاشغر کے فاتح قتیبہ بن مسلم الباہلی (جس نے حجاج کے ساتھ خلیفہ ولید کی حمایت کی تھی اور ولی عہد سلیمان کی بیعت ترک کر کے عبدالعزیز بن ولید کی بیعت کی تھی) نے مرکزی سیاست کا ردوبدل دیکھکر بغاوت شروع کر دی مگر اس کی کوئی فوج اس سے منحرف ہو گئی اور بالآخر وہ شاہی فوجوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

عبداللہ قشیری کو مکہ کی نظامت سے معزول کیا گیا۔ حجاج کے قبیلہ آل ابی عقیل کے لوگوں اور حجاج کے عزیزوں کی گرفتاری' عذاب اور موت کے لئے خاص اہتمام کیا گیا۔ یزید بن مہلب کے مشورے پر صالح بن عبدالرحمٰن نامی ایک شخص کو سلیمان نے خاص اس مقصد کے تحت عراق کا افسر مال مقرر کیا تاکہ وہ آل ابی عقیل کے لوگوں اور عقیل اور حجاج کے متعلقین کو گرفتار کر کے قید میں رکھے اور انہیں سخت عذاب دیکر ہلاک کرے۔ صالح کی حجاج سے ذاتی دشمنی تھی کیونکہ حجاج نے اس کے بھائی کو خارجی ہونے کی وجہ سے قتل کرایا تھا۔ اس وجہ سے وہ ہاتھ دھو کران کے پیچھے پڑ گیا۔

محمد بن قاسمؒ حجاج کے عزیز اور خاص آدمی تھے اور فاتح سندھ ہونے کی وجہ سے قبیلہ آل ابی عقیل میں بھی ممتاز تھے۔ اس کے علاوہ حجاج نے انہیں سلیمان کی بیعت ترک کرنے اور عبدالعزیز بن ولید کی بیعت اختیار کرنے کے لئے بھی لکھا تھا۔ اس وجہ سے محمد بن قاسم کو فورا معزول کر کے اس کی جگہ پر یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا نیا گورنر مقرر کیا گیا۔ سندھ کے اس نئے گورنر کے ساتھ عراق کے نئے وائسرائے یزید بن مہلب کے بھائی معاویہ بن مہلب کو خاص طور پر محمد بن قاسم کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ قبیلہ عک کے ایک اور شخص کو بھی محمد بن قاسم کے قید ہونے کی صورت میں مزید نگرانی کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

محمد بن قاسم کی گرفتاری

سنیچر کے دن ۱۲ جمادی آلاخر ۹۶ھ (۲۴ فروری ۷۱۵ء) کو ولید کا انتقال ہوا۔ اور اسی دن سلیمان نے بیعت لے کر حکومت اور تخت خلافت پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ سلیمان کو حجاج کے افسروں اور متعلقین سے خدشہ تھا۔ اس لئے غالبا محمد بن قاسمؒ کی معزولی' سندھ کے نئے گورنر کی تقرری اور اس کے عملے کی سندھ کی طرف روانگی بھی اسی تاریخ کے فورا بعد ہوئی ہو گی۔

فتح نامہ کے بیان کے مطابق محمد بن قاسمؒ اس وقت ہندوستان فتح کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ اور اسکا لشکر ادوھا پور میں خیمہ زن تھا کہ انہیں دارلخلافہ سے معزولی کا حکم ملا۔ اس حکم کے ملتے ہی محمد بن قاسمؒ واپس ہوئے اور اس حکم کی تعمیل میں خود کو نئے گورنر کے سامنے پیش کیا۔ جس نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اپنی گرفتاری کے موقع پر محمد بن قاسمؒ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے جس سے نئے گورنر اور اس کے عملے کی روش اور محمد بن قاسمؒ کے تاثرات پر روشنی پڑتی ہے۔

(ترجمہ):-

(۱) کیا پھر مردان کا خاندان (یعنی خلیفہ سلیمان) میری مکمل وفاداری فراموش کرچکا ہے حالانکہ میں اپنی حق تلفی پر صابر ہوں۔

(۲) ان کے لئے میں نے نیزوں سے حملے کرکے (ایران کے شہر) سابور اور (مشرق کی طرف) سرحد ہند (مکران) کا درمیانی ملک فتح کیا۔

(۳) اور ان کے لئے (ایران میں) جرجان سے لیکر چین (کی سرحد) تک کا درمیانی علاقہ نیزوں کے مسلسل حملوں سے فتح کیا۔

(۴) (یہاں سندھ میں) اگر میں (اُس کے خلاف) مقابلہ کرنے کا فیلصہ کرتا تو کتنے ہی جنگجو مرد اور عورتیں برباد ہو جاتیں۔

(۵) اور نہ سکسکی فوجیں ہی ہماری حد میں داخل ہوتیں اور نہ ہی عک قبیلہ کا ایک شخص مجھ پر یوں حکم چلاتا۔

(۶) اور نہ پھر ایک مزوئی غلام (یعنی معاویہ بن مہلب) کا میں تابع ہوتا' مگر افسوس! اے دنیا تیری اچھوں کے ساتھ برائیاں۔

(چچ نامہ صفحہ نمبر ۵۳۷ ۔ ۵۴۱)

ان اشعار سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہ کہ انھوں نے اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا مکمل ثبوت دیا۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے ساتھ برا سلوک نہ کیا جائے گا لیکن اگر انہیں انتقامی کاروائیوں کا خوف ہوتا اور وہ مخالفت اور مقابلہ کے فیصلہ کرتے تو انہیں اس کی پوری قوت حاصل تھی اور اس حالت میں شاہی فوج قتل ہوتی اور نئے گورنر ابوکبشہ سکسکی کی فوج سندھ میں داخل نہ ہو سکتی' اور نہ وہ محمد بن قاسم کو گرفتار کرسکتے اور نہ قبیلہ عک کا ایک معمولی شخص ان کا نگران ہوتا اور نہ وہ معاویہ بن مہلب جیسے نزونی (قبیلہ ازد کے) غلام کے تابع ہوتے۔

محمد بن قاسمؒ کے اس بیان میں صداقت تھی۔ سندھ ایک دورافتادہ ملک تھا۔ جہاں مرکزی طاقت کا زور مشکل سے ہی چل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنی اہلیت اور لیاقت کی وجہ سے وہ نہ صرف عرب فوجوں میں مقبول تھے۔ بلکہ اپنی رواداری' صلح اور انصاف کی وجہ سے انہوں نے مقامی افسروں اور عوام کو بھی اپنا دوست اور ہمدرد بنالیا تھا۔ اس لئے مقامی باشندے اور ان کی فوج ان کے دست وبازو بن گئے تھے۔

لیکن باوجود اس طاقت اور اقتدار کے محمد بن قاسم نے بغاوت سے گریز کیا۔ اور فرمانبرداری کی راہ اختیار کی۔ انہیں گرفتارکرنے کے بعد یقیناً شاہی افسروں نے ان کے ساتھ انتقامی سلوک کیا ہوگا۔ عراق کے نئے وائسرائے یزیدبن مہلب کا بھائی معاویہ بن مہلب کہ جسے خاص طور پر محمد بن قاسم کی گرفتاری کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ وہ محمد بن قاسمؒ کو کھال میں لپیٹ کر بیڑیاں پہناکرلے گیا۔

محمد بن قاسمؒ کی اس تذلیل اور برے برتاؤ کے ساتھ اسے لیجانے کے حادثے نے ملک کے مقامی باشندوں کو بھی رنجیدہ کر دیا۔ چنانچہ بلازری لکھتا ہے کہ اس پر ہندوستان والے روئے اور گجرات کے شہر کیرا میں محمد بن قاسمؒ کی یادگار میں ان کی تصویریں بنائی گئیں۔

(فتح نامہ سندھ صفحہ نمبر ۵۴۴)

محمد بن قاسم نے اپنے ہم عصر شاعر عبداللہ بن عمر العربی کا یہ شعر

بھی پڑھا تھا:۔

ترجمہ:۔ مجھے ضائع کیا اور کیسے جوانمرد کو ضائع کیا (جو جنگ کے) نازک دن اور سرحد کی حفاظت کے کام آتا۔

محمد بن قاسم کا دردناک انجام

معاویہ بن مہلب نے اپنے قیدی محمد بن قاسم کو عراق کے مرکزی شہر واسط میں افسر مال صالح بن عبدالرحمٰن کے سامنے پیش کیا۔ کیونکہ آل ابی عقیل کے لوگوں کو قید میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کرنے کا کام اس کے سپرد تھا۔ صالح نے ان قیدیوں کو عذاب دینے کے لئے ایک خاص افسر مامور کیا تھا اور چونکہ عراق کے نئے وائسرائے یزید بن مہلب کو حجاج کے خاندان سے اس کے مظالم کا خاص طور سے بدلہ لینا تھا۔ اس لئے شاید اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صالح نے ان قیدیوں کو عذاب دینے کے لئے اس کے بھائی عبدالمالک بن مہلب کو مقرر کیا لیکن یہ قیدوبند اور عذاب محمد بن قاسم جیسے جوانمرد کی ہمت اور حوصلے پست نہ کر سکے اور اس بے بسی کے عالم میں انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

(ترجمہ):۔ ہر چند کہ (اس وقت میں) شہر اور سرزمین واسط میں آہنی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ لیکن)ایسا وقت بھی تھا) کہ میں نے ایران کے کتنے ہی سوار زیر کیئے ہیں اور کتنے ہی اپنے جیسے پہلوانوں کو مردانہ وار پچھاڑا ہے۔

آخر کار واسط کے اس ہیبت ناک قید خانے میں محمد بن قاسمؒ نے نہایت صبروشکر کے ساتھ اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ المناک واقعہ ۹۶ھ (۷۱۵ء) کے نصف میں وقوع پذیر ہوا۔ بہرحال محمد بن قاسم کا یہ دردناک انجام مرکزی سیاست کی تبدیلی اور نئے حکمران کے جذبہ انتقام کی وجہ سے ہوا۔ اور اس کا داہر کی بیٹیوں کے من گھڑت افسانے سے کوئی تعلق نہیں (فتح نامہ سندھ ۵۴۴۔۵۴۷)۔

اس قسم کی تحقیقی بحث جنت السندھ صفحہ نمبر ۱۱۴۔۱۱۵ پر موجود ہے۔

ارور

قدیم تاریخی شہر اور چچ سے پہلے رائے خاندان کے عہد میں سندھ کا پایہ تخت تھا۔ یہ اپر سندھ میں موجودہ روہڑی شہر سے تقریبا آٹھ میل دور مشرق کی طرف واقع تھا۔ اب تک اس کے کھنڈرات موجود ہیں۔ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت داہر کا دارلخلافہ یہی ارور شہر تھا۔

راوڑ

یہ لوئر سندھ کا ایک شہر تھا۔ جس کے کھنڈرات ناپید ہیں۔ غالبا ٹھٹھہ کے کہیں آس پاس تھا۔

بہمن آباد

یہ شہر اردشیر شاہ ایران کے گورنر بہمن نے اپنے نام پر اس وقت آباد کیا تھا جب وہ سندھ کا گورنر تھا۔ جسے ایرانیوں کے بعد برہمن خاندان نے اپنے عہد حکومت میں برہمن آباد کا نام دیا اور اس نام سے مدتوں تک مشہور رہا۔ اس شہر سے دو میل کے فاصلے پر عرب فاتحین نے عمر بن محمد بن قاسم کے ایام نظامت میں ایک شہر منصورہ نام کا آباد کیا تھا۔ چنانچہ اس وقت کے لوگ اور عرب مورخین اس نئے شہر کو برہمن آباد جدید اور اصلی برہمن آباد کو برہمن آباد قدیم کے نام سے پکارتے تھے۔

یہ شہر موجودہ شہداد پور سے آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف واقع تھا اور جمراؤ نہر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف دلور کے نام سے کھنڈرات کا جو مشہور اور وسیع سلسلہ موجود ہے وہ اس شہر برہمن آباد (قدیم اور جدید) کی یادگار ہے۔ ان کھنڈرات سے عرب حکمرانوں کے سکے اور عربی تہذیب کی کئی نادر اشیاء دستیاب ہوئی ہیں۔ اس جگہ کو مقامی لوگ باہمنیاں کہتے ہیں۔ اسی علاقہ میں جراری گاؤں موجود ہے جو قدیم جلوالی ندی کی مناسبت سے موسوم ہے تعلقہ سنجھورو ضلع سانگھڑ میں گوٹھ پلیولغاری کے مشرق کی طرف اور جھول کے پاس چھانگڑی کے ٹھل کے مغرب کی طرف والا علاقہ سارا برہمن آباد کے قدیم شہر اور منصورہ کا رقبہ ہے۔ اس جلوالی ندی کی ایک شاخ کی

گزرگاہ کا نشان اب بھی ٹنڈو آدم اور بیرانی کے درمیان موجود ہے جہاں آج کل ٹیوب ویلوں پر زراعت ہوتی ہے۔ موجودہ دلور اس شہر کا مرکز تھا۔

اوچ

یہ شہر آریاؤں کے بالکل ابتدائی دور میں بھی موجود تھا۔ ماہرین آثار قدیمہ کی رائے ہے کہ اوچ کی موجودہ بنیاد اس قدیم تباہ شدہ بستی کے آثار پر قائم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ عام سطح سے کافی بلند ہے۔ اگر دریائے گھاگرا کی قدیم گزرگاہ میں کھڑے ہوکر دریا کی اشرقی جانب نظر ڈالی جائے تو کھنڈرات کے نشانات تہ بہ تہہ دکھائی دیتے ہیں۔ بالخصوص پختہ اینٹوں کی دیواروں کا سلسلہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ کسی پرانے قلعہ یا قدیم کھنڈرات کی دیواریں ہیں۔ جو مٹی کے ڈھیروں میں سے صاف نظر آرہی ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کا مصاحب خاص اور مشہور مورخ یمینی اوچ کو بہاطیہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں لکھا ہے کہ ۱۱۷۵ء میں شہاب الدین غوری نے اوچ پر حملہ کیا تو بہاطیہ نے قلعہ بند ہوکر سلطان سے جنگ کی مگر سلطان نے اسے فتح کرکے اپنے سپہ سالار علی کرماخ کی تحویل میں دیدیا۔

ہندوستان میں ظہور اسلام کے بعد کی دوتین صدیوں تک اوچ کی حیثیت ایک عام شہر کی سی رہ گئی تھی اور ملتان اور منصورہ کے دارلحکومت ہونے کی وجہ سے اس کی امتیازی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔

چچ نامہ جو قاضی اسماعیل بن علی ثقفی کی عربی تصنیف ہے۔ جو محمد بن قاسم کی فوجوں میں شامل تھا۔ اس کا مترجم علی بن حامد بن ابوبکر کوفی بھی اوچ ہی کا رہنے والا تھا۔ جس نے ۶۱۳ء میں اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔ اسی شہر کا قدیم نام اسکلندہ ہے اور چچ نامہ میں اسے اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یہ جگہ بہاول پور میں پنجند کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ ملتان سے اس کا فاصلہ ۷۰ میل اور بہاول پور شہر کے جنوب مغرب میں ہے دریاؤں کے اتصال پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ شہر بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ نیز اپنے محل وقوع اور جغرافیائی اہمیت اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

چوتھا باب

شامی سیاست کے دور رس نتائج!

سندھ پر شامی سیاست کا اثر

شوال ۹۵ھ میں حجاج کا انتقال ہو گیا مگر ولید نے محمد بن قاسمؒ کی حکومت کا فرمان ملتان میں ہی بھجوادیا اور ساتھ ہی یہ تاکید کر دی تھی کہ فی الحال مزید پیش قدمی روک دی جائے اس لئے ہم ملک سندھ کو چھوڑ کر پہلے ملک شام کی سیاست کا کچھ حال بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ بساط سیاست پر کئی مہروں کا آمنا سامنا ہورہا تھا اور ان کے سائے دور دور تک پھیل رہے تھے۔

حجاج کی وفات کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ممالک شرقیہ کے تمام گورنروں کے پاس احکام بھیج دیئے تھے کہ اب تم فتوحات اور پیش قدمی کو روک کر خود کو ہر نئے خطرے سے محفوظ رکھو۔ مشہور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم الباہلی کے پاس بھی جو چین کی طرف فتوحات کا سلسلہ جو شروع کر چکا تھا۔ یہ حکم پہنچتے ہی اس کے قدم رک گئے۔

ایسے احکام صادر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ولید بن عبدالملک اپنے بھائی سلیمان بن عبدالمالک کو ولی عہدی سے معزول کرکے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اس کام میں حجاج اور اسکے گروہ کے تمام بڑے بڑے سردار ولید کے طرفدار تھے اور سلیمان کی معزولی کے خواہاں۔ مگر سلیمان کے رفدار بھی بہت سے سردار اور علماء تھے۔ اس لئے ولید کو اپنا ارادہ پورا کرنے میں حجاج کی وفات کے سبب سب سے خطرات نظر آنے لگے تھے اور اس نے محمد بن قاسمؒ اور قتیبہ وغیرہ کو ممالک محروسہ کے سرداروں سمیت ضرورت کے وقت کام میں لانے کے لئے فارغ رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ نیز جب تک کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرکے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہ بنائے۔ اس وقت تک محمد بن قاسم اور حجاج کے گروہ کے تمام سرداروں کو کسی لڑائی میں مصروف ہونے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر حجاج کی موت کے سات ماہ

بعد ۹۶ھ میں ولید بھی فوت ہو گیا اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ کیونکہ ولید ابھی تک اپنے بیٹے کی ولی عہدی کا اعلان نہیں کر سکا تھا۔

سلیمان عبدالملک نے صرف ذاتی پرخاش کی وجہ سے جناب محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور اس کے غلام طارق بن زیاد جیسے نامور سپہ سالاروں کو تباہ کرادیا۔ جو مشرق سے مغرب تک اسلامی سلطنت کی وسعت کے لئے محیرالعقول کارنامے سرانجام دے رہے تھے۔ جن پر آج بھی تاریخ اسلام کو ناز ہے۔

محمد بن قاسمؒ کے ہمراہی

محمد بن قاسم کے ساتھ جو شامی اور عراقی مجاہدین آئے تھے ان میں کچھ شہید ہو گئے تھے جو باقی رہ گئے تھے۔ انہیں وطن واپس جانے سے روک دیا گیا اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا امتناعی حکم آگیا کہ تمہیں واپس شام میں آنے کی اجازت نہیں اگر آؤ گے تو بلاتامل قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ اسے محمد بن قاسمؒ کے ہمراہیوں سے خطرہ تھا۔ مبادا شام میں واپس آکر بغاوت کردیں۔ چنانچہ انہیں یہیں سندھ میں رہنا پڑا۔

یہ لوگ اپنے بال بچے لے کر نہیں آئے تھے۔ اس لئے کچھ لوگوں نے بڑی دقت کے بعد شام سے اپنے بیوی بچے اور لواحقین منگوالئے اور دوسروں نے نو مسلم عورتوں سے شادی کر لی۔ اور اس طرح ان نو مسلم سندھی گھرانوں سے تعلقات پیدا کر لئے تاکہ مستقل طور پر سکونت اختیار کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ اریحا والوں کا ذوق کشت کاری اب ان کے کام آیا اور انہوں نے اپنے تجربات سے کھیتی باڑی کی نئی راہیں متعین کیں۔

محمد بن قاسم چونکہ ہر دلعزیز سپہ سالار تھے اس لئے ان کی بے گناہ موت نے ان مجاہدین کے دل توڑ دیئے اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے امتناعی حکم نے انہیں سلطنت اور کشورکشائی کے کاموں میں حصہ لینے سے روک دیا اور یہ بالکل فطری امر تھا کہ اس قدر ظلم وجبر کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حکومت وقت سے بے تعلق کرلیں۔ ان حالات میں فاتحین کے قدم

آگے بڑھنے سے رک گئے۔ اور مفتوحین نے پھر سے پرپرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ جب محمد بن قاسم کے بعد دوسرے گورنر یزید بن ابی کیشہ کا چارج لینے کے اٹھارہویں دن بعد انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ پر نیا گورنر آنے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی تو راجہ داہر کے بیٹے جیسنہ نے برہمن آباد پر یکایک حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور شامی وعراقی مسلمانوں نے جو اس ملک کے فاتح تھے۔ محض دربار خلافت کے رویے سے مایوس ہوجانے کی وجہ سے اس کی کوئی مزاحمت نہ کی اور انہیں اس نئی سلطنت کی فکر بھی لاحق نہ ہوئی کیونکہ ان نامساعد حالات کے علاوہ ان کا کوئی سردار بھی نہ تھا جس کی وجہ سے ان کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔

۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے۔ ان کے عہد حکومت میں سندھ میں مکمل امن وامان رہا۔ لاکھوں سندھی مسلمان ہوئے۔ لیکن ۱۰۱ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا ور ان کی جگہ یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا جس نے تمیم بن زیاد کو سندھ کا گورنر بنایا۔ وہ بہت رحم دل اور فیاض تھا۔ اس نے سندھیوں کے دل موہ لئے مگر وہ بھی بہت جلد ہی فوت ہو گیا اور اس کے بعد حکیم بن عوانہ کلبی سندھ کا گورنر ہوا۔ جب وہ یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ سندھ کے اکثر علاقوں میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ داہر کے خاندان کے باقی ماندہ شہزادے اپنا آبائی ملک حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور ہندوستان کے ہندوراجہ ان کی مدد پر کمر بستہ ہیں۔ نیز نو مسلم سندھی مرتد ہو رہے ہیں۔ اور اس تحریک ارتداد نے ان عراقی اور شامی عربوں کو جو یہاں سلیمان بن عبدالملک کے حکم امتناعی کے بعد مستقل طور پر آباد ہوگئے تھے۔ خطرے میں مبتلا کر دیا ہے کیونکہ وہ بیچارے تھوڑی تھوڑی تعداد میں مختلف شہروں اور قصبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان میں بیشتر لوگوں نے اپنے اھل وعیال بھی شام وعراق سے منگوالیئے تھے۔

محفوظہ اور منصورہ

حکم بن عوانہ کلبی نے گورنری کا چارج لیتے ہی ان تمام عربوں کو مختلف مقامات سے بلواکر ایک جگہ جمع کیا تاکہ یہ منتشر مسلمان خطرہ سے بچ جائیں۔ نیز یہی لوگ چونکہ سندھ کے اولین فاتح تھے۔ اس لئے ان کی بہادری اور تدبر پر اسے اعتماد تھا اور وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ محمد بن قاسم کا بیٹا عمر بھی تھا۔ حکم بن عوانہ نے جلوانی ندی کے مشرقی کنارے پر شامی اور عراقی عربوں کو جنہیں اس نے مختلف مقامات سے اکٹھا کر لیا تھا۔ ایک جدید بستی میں آباد کر کے اس کا نام محفوظہ رکھا۔

بلا ذری کی روائت ہے کہ حکم بن عوانہ نے اس بستی کی بنیاد رکھنے سے پہلے شام کے قبیلہ بنوکلب کے افراد سے پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا رکھا جائے۔ کسی نے کہا۔ دمشق کسی نے حمص اور ایک نے تدمر کہا۔ یہ سن کر حکم نے کہا۔" اے احمق! تجھے موت آئے میں تو اس کا نام محفوظہ رکھتا ہوں۔

اب حکم بن عوانہ اور عمر بن محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ان شامی اور عراقی عربوں نے پھر سے اپنے ہتھیار سنبھال کر جابجا فتوحات حاصل کیں اور تمام سرکشوں کو مطیع کیا۔ جب حکم بن عوانہ فوت ہو گیا تو دربار خلافت سے عمر بن محمد بن قاسم کے نام گورنری کا فرمان آگیا۔ اور اس نے جلوانی ندی کے مغربی کنارے پر ایک نیا شہر منصورہ آباد کیا جس سے محفوظہ کی رونق اجڑنے لگی اور منصورہ آباد ہوتا چلا گیا۔ یہاں شامی اور عراقی سردار اپنے بیشتر ہمراہیوں سمیت آباد تھے۔ اس طرح منصورہ گویا سندھ میں اریحائیوں کا پہلا اور مستقل مسکن بن گیا۔ ۱۲۶ء میں عمر بن محمد بن قاسم کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ منصور بن جمہور سندھ کا گورنر مقرر ہوا مگر ۱۳۲ھ میں خلافت بنوامیہ کا چراغ گل ہو گیا اور خلافت عباسیہ کے ہاتھ میں زمام اقتدار آگئی۔

اس باب کو ختم کرنے سے بیشتر ہم منصورہ کا کچھ حال لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

منصورہ کی ریاست کا ایک جائزہ'

المنصورہ سے ارائیوں کا خصوصی تعلق ہے اور یہ ریاست ان کی تاریخی کش مکش میں ایک اہم کردار کی حامل ہے۔ ہم گزشتہ ابواب میں اس کا مختصر تعارف پیش کرچکے ہیں لیکن چند بے حد ضروری حقائق کی نقاب کشائی کے لئے اس علیحدہ باب کا باندھنا تاریخ کے تسلسل کا تقاضا ہے۔ اسلئے ہم زیل میں اس کی تعمیر وترقی سے لے کر اس کی تباہی وبربادی کے دور تک اہم واقعات کا سلسلہ پیش کرتے ہیں۔

تاریخی ماخذ

اس موضوع پر مسعودی' بلاذری' ابن حوقل اور بعض انگریز مصنفین کے جملہ بیانات کا بہترین مجموعہ ایک کتابی صورت میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس کا نام ہے۔

(ARAB KINGDOM OF AL-MONSURAH)

عرب کنگڈم آف المنصورہ جسے محترم ڈاکٹر ممتاز حسین پٹھان ایم اے پی۔ایچ ڈی۔ایل ایل بی نے اپنے پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ کی صورت می لکھکر سندھ یونیورسٹی کو ۱۹۶۲ء میں پیش کیا تھا۔ اور جسے سندھ یونیورسٹی کے شعبہ سندھالوجی نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں بعض نایاب نقشے اور تصاویرشامل کئے ہیں اور نقشے ہم نے بھی اپنے قارئین کی دلچسپی کے لئے اپنی کتاب میں شامل کئے ہیں۔

اس مقالہ کی افادیت اور اس کے سند (**Authority**) ہونے کا یقین اس وقت ہو جاتا ہے جب گہری نظر اور غوروفکر سے اس کا مطالعہ کیا جائے کیونکہ صاحب مقالہ نے کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کہی ہے اور درجہ اسناد سے گراہوا کوئی حوالہ درخور اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ حوالہ جات کی کتابوں کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) عربی مآخذ کی ۴۲ کتابیں'

(۲) فارسی مآخذ کی ۱۱ کتابیں'

(۳) صوبہ سندھ کے گزٹیئر ۳
(۴) امپیریل گزٹ آف انڈیا ایک
(۵) ریسرچ جرنلز ۵
(۶) انسائیکلوپیڈیا اور ڈکشنریاں ۶
(۷) انگریزی مآخذ کی ۴۰ کتابیں'
(۸) اردو مآخذ کی ۴۰ کتابیں'
(۹) سندھی ماخذ کی ۳ کتابیں'

اس فہرست پر نظر ڈالنے سے مقالہ کی اسنادی حیثیت کا تعین خود بخود ہو جاتا ہے۔

محمد بن قاسم کی لشکرکشی

حجاج نے پہلی دو مہمات کی ناکامی کے بعد محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں تیسری دفعہ منتخب شدہ شامی اور دوسرے عرب شہسواروں پر مشتمل چھ ہزار کا لشکر روانہ کیا۔ منتخب گھوڑ سواروں کا یہ لشکر محمد بن قاسم سے شیراز میں آکر ملا۔ جس میں بدھیل' ازدی' مسعود کلبی' مخارق ابن کعب الراسی جیسے جوانمرد اور قابل فخر جرنیل بھی شامل تھے۔

گویا اس مہم کے خطرات کے پیش نظر حجاج نے بہترین فوج (CREAM OF ARMY) کو روانہ کیا تھا اور مولانہ اکبرشاہ خان نجیب آبادی نے اپنی کتاب ''آئینہ حقیقت نما'' کے صفحہ نمبر ۱۶۶ پر اسی ضمن میں انکشاف کیا ہے کہ اس لشکر میں ایک معقول تعداد اریحا کے باشندوں کی تھی۔ چونکہ اس لشکر کی کشورکشائی اور جانبازی کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں لہذا اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت اب باقی نہیں رہتی۔

منصورہ اور خاندان بنوہبار

قریش کے ایک قبیلہ بنواسد کی ایک شاخ بنوہبار ہے۔ ہبار کا باپ الاسود بن مطلب مکہ کے مشہورترین رئیسوں میں سے تھا۔ ہبارابن الاسود فتح

مکہ کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کی نسل میں بڑے بڑے مجاہد ہوئے جنھوں نے بنوامیہ اور بنوعباس کے دورخلافت میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان ہی مشاہیر میں ہمیں عمر بن عبدالعزیز ہباری کا نام ملتا ہے۔ جس نے منصورہ کی ریاست کو اس وقت سنبھالا جب عربوں پر سندھ میں دورابتلاء تھا اور وہ یمنیوں مصریوں اور نزاریوں کی ٹولیوں میں بٹ کر خانہ جنگی سے مفلوج ہو چکے تھے۔ (یہ عمر بن عبدالعزیزاموی نہیں ہیں بلکہ عمر بن عبدالعزیز بن منذربن زبیر بن عبدالرحمٰن بن الاسودبن مطب بن عبدالغری ہیں)۔

بلاذری کے بیان کے مطابق متدرابن زبیر سندھ میں بنوامیہ کے مشہور گورنر حکم بن عوانہ الکلبی کے ساتھ وارد ہوا تھا اس کے ساتھ اس کا پورا خاندان تھا۔ اور سندھ میں اقامت گزیں ہو گیاتھا۔ عمر بن عبدالعزیز یہیں پیدا ہوا اور یہیں پرورش پائی۔ حکم بن عوانہ الکلبی خود ملک شام کا رہنے والا تھا اور ظاہر ہے کہ وہاں سے ہی اپنے بہترین مخلص اور بہادر ساتھیوں کو ساتھ لایا ہو گا اور جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ بنوامیہ کے حکمرانوں نے بہترین لوگ زیادہ تر اریحا کے علاقہ میں آباد کرکے اس چھاؤنی کو اپنی خاص شاہی چھاؤنی کا درجہ دے رکھا تھا۔ اس لئے گمان غالب یہی ہے کہ منذر ابن زبیر بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے ابتدائی حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنوعباس کے دور خلافت میں جبکہ عمران بن موسیٰ البرمکی سندھ کا گورنر بناء مصریوں اور نزاریوں میں زبردست خانہ جنگی تھی۔ یہ نزاریوں کا لیڈر بن گیا تھا۔ عربوں کی اس خانہ جنگی میں عباسی گورنر عمران مارا گیا اور عمر بن عبدالعزیز نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منصورہ پر قبضہ کرلیا۔ وہ بڑی سیاسی سوجھ بوجھ کا آدمی اور زبردست منتظم تھا۔ اس نے عباسی خلیفہ المتوکل سے عمران کی جگہ سندھ کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لیا۔ جسے خلیفہ نے اس لئے خوشی سے منظور کر لیا تھا کہ وہ سندھ کی سیاسی حالت سے پریشان بلکہ مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے منصورہ کے امیر کی حیثیت سے ۲۷۰ھ تک تقریبا ۳۰ سال حکومت کی۔ وہ برصغیر کی مسلم حکومت کی ایک قابل قدر شخصیت تھا اور اپنے نمایاں کارناموں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اس کا خاندان منصورہ پر اس وقت تک حکومت کرتا

رہا۔ جب سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۶ھ میں سومنات کی مہم سے واپسی پر اس کا خاتمہ کر کے وہاں اپنا گورنر مقرر کر دیا۔

اس خاندان کی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے المسعودی الاصطخری اور ابن حوقل وغیرہ نے اسے سندھ کا زریں باب قرار دیا ہے۔ یہ حضرات اس خاندان کے دور حکومت میں منصورہ میں وارد ہوئے اس لئے انہوں نے چشم دید حالات بیان کئے ہیں۔ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرامطہ نے ملتان کی ریاست پر غلبہ پاکر آہستہ آہستہ سندھ میں اپنے داعی اور مناد بھیجے اور آخر ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ خاندان بنوہبار کا آخری امیر جس کا نام خفیف تھا۔ قرامطہ سے شکست کھا گیا۔ اس لئے سلطان محمود کو سومنات سے واپسی پر قرامطہ کی بیخ کنی کے لئے المنصورہ پر لشکر کشی کرنی پڑی۔

اس طرح سندھ میں عربوں کی آخری ریاست کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ ارائیوں کی تاریخ میں اس ریاست کی تباہی سب سے بڑا المناک حادثہ ہے۔ کیونکہ قرامطہ کا شکار سنی المذہب ہونے کی حیثیت سے ارائیں ہی تھے۔ اور اس شہر اور حدود ریاست میں ارائیں کثرت سے آباد تھے۔ اسی لئے محمود غزنوی واپسی پر ارائیوں کے کئی خاندان اپنے ساتھ افغانستان لے گیا تھا۔

المنصورہ سے برآمد ہونیوالے سکے

۱۸۵۴ء میں مسٹر بلاسز نے منصورہ کے آثار کی کھدائی کے دوران چند سکے حاصل کیے جن میں چند کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) چاندی کا ایک سکہ جس کا وزن ۹ گرین ہے اس کے ایک طرف باللہ محمد رسول اللہ عمر کندہ ہے اور دوسری طرف باللہ بنوعمرویہ منذر کندہ ہے۔

(۲) چاندی کا ایک اور سکہ ہے جس کا وزن ۴۰۸ گرین ہے اس کے ایک طرف لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ الامیر عبداللہ کندہ ہے۔

(۳) تانبے کے ایک سکے پر بھی یہی عبارت کندہ ہے۔

منصورہ کے متعلق سیمینار

مارچ ۱۹۸۳ء میں گورنر سندھ الحاج ایس۔ایم عباسی صاحب کی زیرصدارت ایک سیمنیار المنصورہ کے کھنڈرات میں عین اس جگہ منعقد ہوا جہاں شہر میں داخلہ کے بعد محافظین کی بارکیں اور ایک وسیع مسجد کے آثار موجود ہیں۔ یہ سیمنیار دو روز تک جاری رہا۔ اس میں پاکستان کے ریسرچ اسکالرز کے علاوہ غیرملکی ماہرین کی معقول تعداد شامل تھی۔ جن میں جرمن لیڈی ڈاکٹر میری شمیل بھی موجود تھیں۔ جنھیں سندھ' سندھی لٹریچر اور سندھی آثار قدیمہ سے اس حد تک عشق ہے کہ انہوں نے مکلی کے قبرستان میں دفن ہونے کی وصیت کی ہے۔ اس سیمنیار میں بڑے گرانقدر مقالے پڑھے گئے۔ کھنڈرات کی سیر کی گئی۔ بہت دور سے بجلی کی تاریں نصب کرکے اس جگہ کو روشن کیا گیا اور ہر مقرر نے المنصورہ کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

ایک مقرر نے مسٹربلاسز کے یہ زرین الفاظ دہرائے

اس وقت سندھ میں کوئی بھی ایسا شہر نہیں ہے جس میں اگر زلزلہ تباہ کردے تو اس کے کھنڈرات المنصورہ جیسا نظارہ پیش کرسکیں۔" (عرب کنگڈم آف منصورہ صفحہ نمبر ۱۵۹) یہ گویا اس شہر کی شان وشوکت کا ایک دھندلا ساعکس ہے۔ بلاسز اسے سندھ کا پوپیائی کہتا ہے۔

اس شہر کی تباہی تیرہویں صدی عیسوی کے آخر یا چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوئی ہے یہ رائے بلاسز اور ہیگ دونوں کی ہے۔ (عرب کنگڈم آف منصورہ صفحہ نمبر ۱۲۱)۔ اس شہر کے متعلق مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں بہت کچھ لکھا ہے۔ وہ ۳۰۳ھ میں سندھ میں آیا تھا۔ دوسرے سفرناموں میں بھی بہت کچھ درج ہے۔ ہم اسکا خلاصہ پیس کرتے ہیں۔

ملتان اور منصورہ دو آزاد اسلامی ریاستیں تھیں۔ سرسبزی اور خوشحالی میں ریاست منصورہ بے مثل تھی۔ اس کی حدود ساحل سمندر سے لیکر شہر آلور تک تھیں۔ اس کا رقبہ ملتان کی ریاست سے کہیں زیادہ تھا۔ اس میں تین لاکھ گاؤں آباد تھے۔ زراعت خوب ہوتی تھی۔ باغات کی کثرت تھی۔ اس کی فوج زبردست اور ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتی تھی۔ کیونکہ اسے مغرب

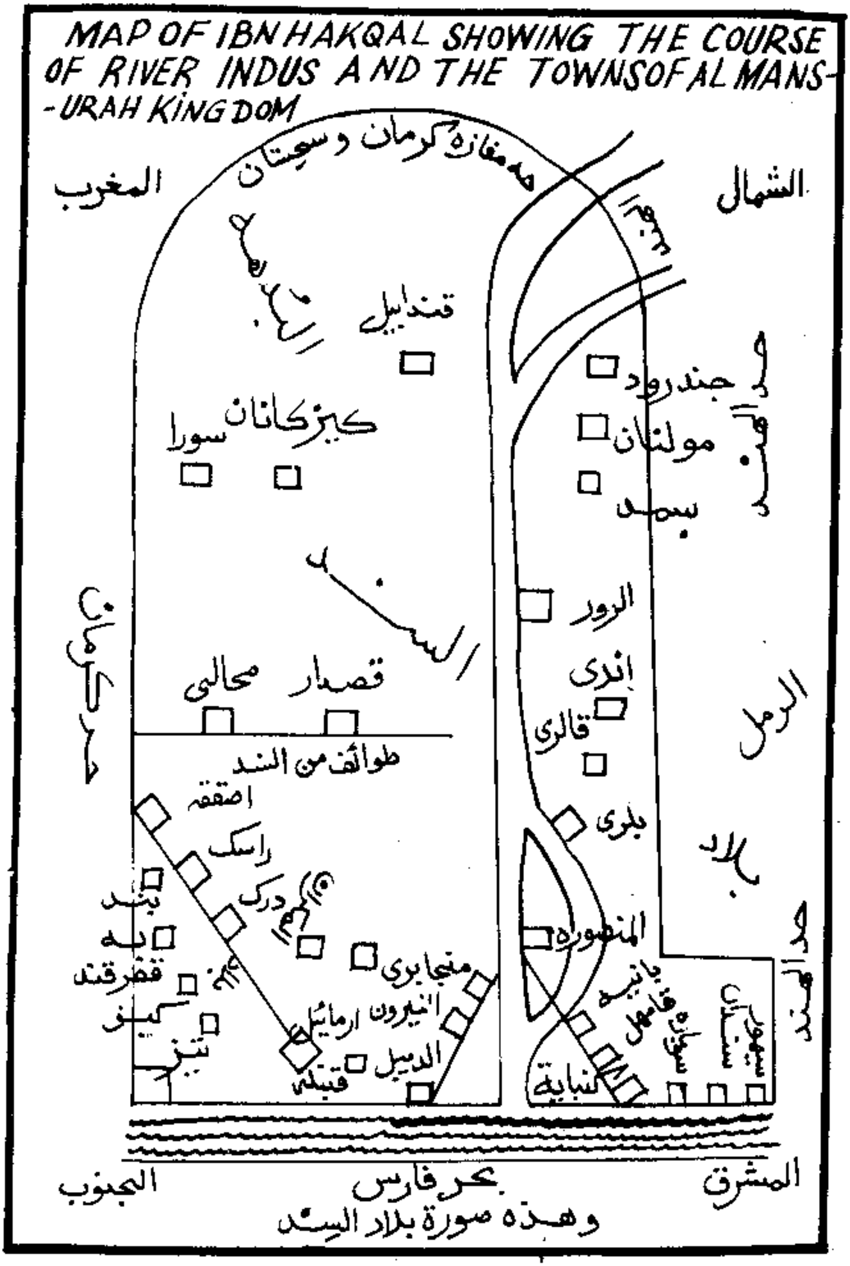
MAP OF IBN HAKQAL SHOWING THE COURSE OF RIVER INDUS AND THE TOWNS OF AL MANS-URAH KINGDOM
المغرب
الشمال
المشرق
الجنوب
قندابيل
كيزكانان
سورا
جندرود
مولتان
الرور
انرى
قالرى
بلرى
المنصوره
قصدار
محالى
طوائف من السند
راسك
الرمل
منجابرى
النيرون
ارمائيل
الديبل
بحر فارس
وهذه صورة بلاد السند

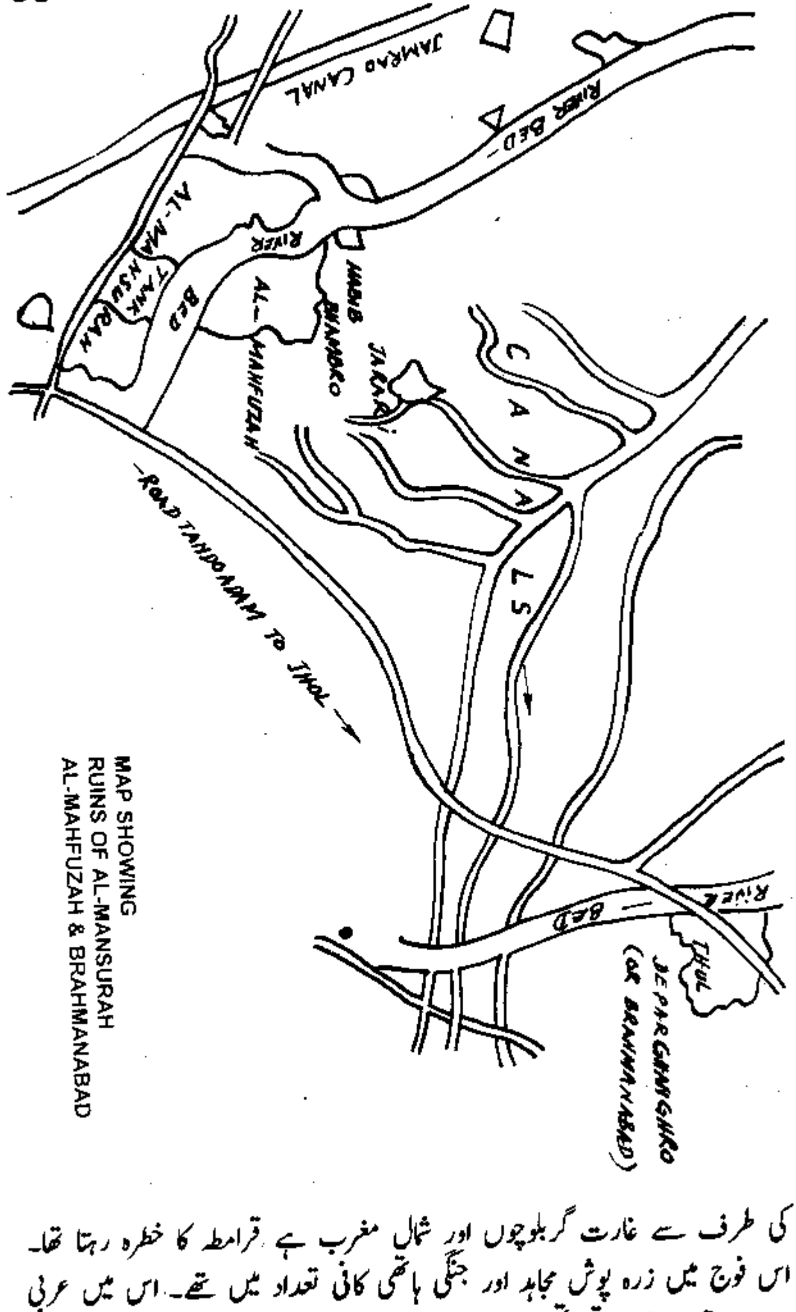

MAP SHOWING
RUINS OF AL-MANSURAH
AL-MAHFUZAH & BRAHMANABAD

کی طرف سے غارت گر بلوچوں اور شمال مغرب سے قرامطہ کا خطرہ رہتا تھا۔ اس فوج میں زرہ پوش مجاہد اور جنگی ہاتھی کافی تعداد میں تھے۔ اس میں عربی اور سندھی بولی جاتی تھی۔ اس ریاست نے شیعیت کا اثر قبول نہیں کیا تھا

حالانکہ ملتان کی ریاست بلکہ تمام عالم اسلام ۳۲۵ء ہجری میں شیعیت سے مرعوب اور مغلوب ہوچکے تھے۔ آخر ۳۸۴ہجری میں غارت گروں' قرامطہ اور ملتان کی ریاست نے مل کر منصورہ کا خاتمہ کر دیا اور جدھر کسی کے سینگ سمائے روپوش ہوگیا۔ یہ ساری بربادی صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ منصورہ کے لوگ اہل سنت والجماعت تھے اور شیعیت کو کسی قیمت پر قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اور دوسرے یہ کہ منصورہ اس وقت کی تمام ریاستوں سے زیادہ آباد اور خوشحال تھی اور حاسدوں اور غارت گروں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔

ارائیوں کاذوق سپہ گری

ماحول کے زیر اثر پھیلائی گئی۔ غلط فہمیاں اکثر اوقات تاریخ کو مسخ کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارائیوں کے ذوق سپہ گری کی داستانیں تاریک پردوں میں مستور ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ فاتحین سندھ کو صرف زراعت پیشہ کہکر ان کی عزت اور عظمت کو گہنایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ہر دور میں بہادر سپاہی اور جنگجو بہادر رہے ہیں۔ محمد بن قاسم کی وفات کے بعد اگرچہ ان پر خود بنوعباس نے ظلم وستم ڈھائے لیکن انھوں نے منصورہ کی ریاست قائم کی اور اس وقت کے وسیع تر سندھ میں اپنی بہادری کا ڈنکا بجایا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ حکومت وقت یعنی بنوعباس ان کے خلاف ہو۔ سندھ کی سماٹ قومیں ان سے بغض رکھیں۔ راجستھان کے راجے انہیں اپنے سینے کا ناسور سمجھیں۔ قرامطہ انہیں اپنے مشن کی راہ میں ایک چٹان کی مانند حائل پائیں اور پھر یہ لوگ زندہ چھوڑ دیئے جائیں' یہ تو ان کی عسکری تربیت' جہانبانی کی روح اور ہر وقت لڑنے مرنے کی تیاری تھی جس کی وجہ سے انہوں نے ان تمام نامساعد حالات کے باوجود اپنی ہستی کو زندہ رکھا۔

اگرچہ محمد بن قاسم کے وقت سے لے سلطان محمودغزنوی تک کے زمانہ میں تاریخی حقائق بدستور تاریکی میں ہیں۔ لیکن جب ہم ریاست منصورہ کا وجود دیکھتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ ارائیوں کا ذوق سپہگری ہی ان کی بقا کا باعث تھا۔ محمودغزنوی کا ان لوگوں کو اپنی افواج میں شامل کرنا اور پھر کئی قبائل کو افغانستان اپنے ساتھ لے جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ بلا

کے جنگجو تھے۔ افغانستان اور صوبہ سرحد میں آباد ارائیں ان ہی لوگوں کی نسلیں ہیں جو سلطان محمود غزنوی کے ساتھ افغانستان چلے گئے۔

پرانے وقتوں میں اپنی بقاء کے لئے سپاہیوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی اور جب جنگل کا قانون Law LessNess) ہو تو ہمیشہ غیرت مند لوگوں پر بلاؤں کے سیلاب امنڈ پڑتے ہیں۔ کیونکہ وہ تنومند درختوں کی مانند ہوتے ہیں۔ ہواؤں کے سامنے جھکنا نہیں جانتے اس لئے۔ اپنے دشمنوں کے مقابلے کے لئے انہیں ہر وقت مستعد رہنا پڑتا ہے۔ البتہ روزگار کے لئے انہوں نے زراعت کا سہارا لیا تاکہ شریفانہ زندگی بسر کر سکیں اور اس فن بھی انہوں نے اپنا لوہا منوایا اور آج تک اس سلسلہ میں ان کا مقام بلند ہے اس میں یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ وہ بطور مزارع کاشت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے ویران اور بنجر زمینوں پر قبضہ کر کے انہیں سرسبز و شاداب بنایا اور غزنوی 'غوری لودھی اور مغل بادشاہوں نے فوجی خدمات کے عوض میں انہیں جاگیریں عطا کی تھیں جو انگریزی عہد تک پہنچتے پہنچتے اور کچھ سکھوں کی چیرہ دستیوں کی بدولت اراضی چھوٹے چھوٹے قطعات کی صورت میں باقی رہ گئیں۔ اور مجبوراً انہیں مزارعت اختیار کرنی پڑی۔

ابراہیم لودھی کی فوجوں میں شامل ہو کر بابر کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا ثبوت سلیم التواریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ بابر ان کی اپنے بادشاہ سے وفاداری اور بے نظیر بہادری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے ان لوگوں کو اپنی فوج میں شامل کیا اور جاگیریں عطا کیں پھر مغل دربار میں ان کی قدر و قیمت بڑھتی ہی چلی گئی۔ آج بھی پاکستان میں کئی ایسے خاندان موجود ہیں' جن کے پاس مغل شہنشاہوں کی عطا کردہ جاگیروں کے کاغذات اور اسناد موجود ہیں سلیم التواریخ میں ایسے کئی جاگیر ناموں کی نقول موجود ہیں۔ چنانچہ خاندان کٹاریندان اور کارداران وغیرہ کی مثالیں برقرار ہیں۔ ان تمام سندات میں انہیں شیخ کے کے لقب سے پکارا گیا ہے جو ان کی عظمت بزرگی اور اہمیت کا واضح ثبوت ہے۔

دراصل ہماری برادری کی بدبختی عہد سکھاں میں شروع ہوئی۔ جنہوں نے ارائیوں پر ظلم و ستم کر کے ان سے جاگیریں چھین لیں۔ اور انہیں معاشی و سیاسی لحاظ سے برباد کر دیا۔ اس میں ہماری برادری کا حصہ بھی ہے کیونکہ یہ لوگ زرخیز زمینوں اور مال مویشی کے ریوڑوں میں گم ہو چکے تھے۔ انہوں نے مجاہدانہ زندگی کو چھوڑ کر آرام طلبی کی زندگی کو اپنا لیا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ کی حدیث پاک کے مطابق یہ ان پر ذلت مسلط ہو گئی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"جب تم مال ودولت میں بخل کرنے لگو گے اور بیعین کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ تم پر ذلت ڈالے گا تو یہ ذلت دور نہ ہو گی۔ جب تک تم اپنے دین (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف لوٹ نہ آؤ۔"

مال ودولت کی فراوانی زمین کی سرسبزی وشادابی ریوڑوں اور گلوں کی کثرت نے ارائیوں کو مغلوں کے دور ہی میں آرام طلب بنادیا تھا اور انہوں نے جہاد کو چھوڑ کر زراعت کو اپنا مقدر سمجھ لیا تھا۔ اس لئے رسوا ہو کر رہ گئے۔ ورنہ بنیادی طور پر یہ لوگ سپاہی ہیں اور تواریخ کے صفحات ان کی جانفروشی کی داستانوں سے مزین ہیں۔ تحریک پاکستان میں ان لوگوں کے کردار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آزادی کی تڑپ اور جہاد کی روح ان کے دلوں سے کبھی کم نہیں ہوئی۔ انگریز بھی انہیں اپنی فوجوں میں بھرتی کرنے سے اس لئے گریز کرتا تھا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور یہ جنگجو لوگ ہیں۔ جو کسی وقت بھی فوجوں میں انتشار پھیلا سکتے ہیں۔ اس لئے وہ اس وقت تک ان سے گریز کرتا رہا جب تک کہ اسے ایک ایک آدمی کی ضرورت نہ پڑی۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں اس نے مجبور ہو کر انہیں بھرتی کیا۔ تا کہ افواج کی تعداد بڑھائی جاسکے۔

انگریز کے عہد سے لیکر آج تک قوموں اور ملکوں کے حالات میں انقلاب لانے کا سب سے بڑا ذریعہ پروپگینڈہ ہے۔ اور ارائیوں کے ماضی سے مرعوب ہونے کی وجہ سے مغلوں کے زوال کے ساتھ ساتھ ارائیوں کے خلاف پروپگینڈہ مہم بھی شروع ہو گئی تھی اس میں سکھ سب سے پیش پیش تھے۔ کیونکہ وہ مغلوں سے آزادی حاصل کر کے ہندوستان اور خاص طور پر پورے پنجاب وسندھ پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کا عہد مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا تباہ کن عہد تھا۔ اس لئے بڑے بڑے جی دار لوگ بھی زیر زمین چلے گئے اور ان کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ تاہم ان حالات میں بھی سکھوں کا مقابلہ کرنے میں ارائیں ہی پیش پیش تھے۔ آریہ لیگ کے حالات آپ اس تاریخ کے صفحات میں پڑھیں گے۔ کس طرح اس نے سکھوں میں دہشت پھیلا دی تھی۔ ہم نے چوتھے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۲۵۴ اور صفحہ نمبر ۴۰۱ پر چند ایسے ارائیں مجاہدوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سکھوں کی ترکی تمام کر دی تھی۔

تحریک مجاہدین' تحریک احرار' تحریک خلافت' اور تحریک پاکستان میں ارائیوں کا کردار' ان کے ذوق سپہ گری کا آئینہ دار ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ آرام طلبی کی زندگی کو خیر باد کہکر پھر وہی مجاہدانہ زندگی اختیار کی جائے۔

سرزمین سندھ، ملتان وغیرہ، پر عربوں کی حکومت،

(از حاجی سردار محمد مرحوم)

" جناب چوہدری علی اصغر صاحب نے سندھ کی عربوں کی حکومت میں بنو امیہ اور بنو عباس کے گورنروں کے نام دیئے ہیں۔ یہ دور ارائیوں کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ اس لئے اس کی کچھ تفصیلات اور یہ کہ اس اسلامی دور کے پاک و ہند کی تاریخ پر کیا کیا اثرات مرتب ہوئے؟ تہذیب و تمدن پر کیا اثر ڈالا گیا۔ وغیرہ وغیرہ کا بیان مختصراً ضروری ہے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ تین سو سالہ دور حکومت عربوں (ارائیوں) کا دور حکومت ہی تو ان کو فخر سے سربلند کرنے کا موقع دیتا ہے کہ وہ بھی کبھی صاحب حکومت واقتدار تھے۔ میں یہ سطور عرب کنگڈم آف المنصورۃ (انگریزی) اور ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔" از قاضی اطہر مبارکپوری ایڈیٹر البلاغ بمبئی (دو کتابوں) کی مدد سے کر رہا ہوں تاکہ مستند تاریخی مواد بن سکے۔

سب سے پہلے گورنر تو محمد ابن القاسمؒ ہی تھے انہوں نے سندھ اور ملتان کے علاقے سب فتح کئے۔ ان کے انتظامات درست کئے۔ اور سندھ کی ہندو آبادی کے ساتھ انتہائی مروت کا سلوک کیا جس نے ان کے دل موہ لئے اور وہ ان کو دل سے چاہنے لگے خلیفہ ولید کے انتقال کے بعد جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ اس نے حجاج یوسف کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا۔ اس وقت وہ ملتان میں تھے۔ گورنر یزید بن ابی کبشہ کو مقرر کر دیا گیا۔ محمد بن قاسمؒ کو عراق پہنچنے پر یزید بن عبدالرحمٰن کے سپرد کر دیا گیا جس نے ان کو جیل میں ڈال کر بے دردی سے مروا دیا۔

دوسرا گورنر محمد بن ابی کبشہ صرف ۱۸ دن زندہ رہا حبیب بن مہلب بن ابی صفرۃ تیسرا گورنر آیا۔ گورنروں کی جلد جلد تبدیلی سے ہندو دلیر ہو کر مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرنے لگے داہر کا بیٹا جیسہ برہمن آباد واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ حبیب اس پر خاموش رہا مگر ارور پر حملہ کر کے اس کو اچھے شرائط پر واپس کر لیا خلیفہ سلیمان تین سال حکومت کر کے ۹۹ھ (۷۱۷ عیسوی) میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے انہوں نے صلح کل پالیسی اختیار کی اور ہندوستان کے تمام فرماں رواؤں کو اسلام کی دعوت دی۔ اس پر جیسہ مسلمان ہو گیا۔ اور اس کا علاقہ اس کے پاس رہنے دیا گیا۔

عمرو بن مسلم الباہلی اس کے بعد گورنر بنا اس نے باقی علاقے ایک کے بعد دوسرا

حملہ کر کے واپس کر لئے۔ یہ ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز دو سال کے بعد انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد ۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ اس نے۔

جنید بن عبدالرحمان المری کو سندھ کا گورنر مقرر کیا جو یزید کے بعد ہاشم بن عبدالملک کی وفات ۱۰۵ھ تک گورنر رہا۔ جنید دیبل پہنچتے ہی مہران کے مغربی کنارے پر خیمہ زن ہوا اور جیسہ کو پیغام بھیجا کہ وہ جزیہ ادا کرے جیسہ نے انکار کیا کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا تھا جنید نے اصرار کیا۔ اس پر جیسہ اسلام سے برگشتہ ہو گیا۔ دونوں میں دریائے سندھ میں بحری لڑائی میں جیسہ شکست کھا کر پکڑا گیا اور اس کا سر قلم کیا گیا اس کا بھائی چچ لڑائی سے بچ گیا وہ خلیفہ کے پاس جا کر گورنر کی عہد شکنی کی شکایت کرنا چاہتا تھا لیکن جنید کے آدمیوں نے پکڑ لیا اور اسے قتل کر دیا۔

جنید اس کے بعد اندرون ہند کی طرف متوجہ ہوا او گجرات اور نیلما پر چڑھائی کر کے ان کو فتح کر کے مسلمانوں کی سلطنت کا حصہ بنایا کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس نے مالوہ اور اجین پر بھی چڑھائی کر کے فتح کیا بے شمار مال و دولت بطور مال غنیمت حاصل کی۔ اس میں سے دس کروڑ درہم خلیفہ کے پاس دارالخلافہ میں مرکزی خزانہ کو بھیجے مسلمان فوج کو بڑا وافر حصہ ملا۔ جنید کے بعد تمیم بن زید العتبی گورنر بن کر آیا جو اگرچہ قابل تھا مگر نرم طبعیت اور کمزور ارادہ آدمی تھا۔ وہ دیبل کے قریب بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ حکم بن عوانہ الکلبی اس کے بعد گورنر بن کر آیا تمیم کی کمزور پالیسی کی وجہ سے مقامی لوگوں نے سندھ کے بہت سے علاقے فتح کر لئے اور وہاں سے عربوں کو ان کی کالونیوں اور مراکز سے نکال دیا جو انہوں نے بنائے تھے جب حکم آیا تو اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لئے سرزمین سندھ پر حفاظت کی کوئی جگہ نہیں تو اس نے سندھ کے دوسرے کنارے کے پاس ایک شہر کی بنیاد رکھی اس کا نام محفوظہ رکھا۔ ایک چیف کونسلر جس کا نام عمر بن محمد القاسم تھا' نے دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر بالمقابل المحفوظہ ایک اور شہر کی بنیاد رکھی اس کا نام المنصورہ رکھا (منصورہ کا حال پہلے صفحات میں دیا جا چکا ہے) یہ اس خوشی کی یادگار کے طور پر کام کیا جو عمر بن محمد ابن قاسم نے مقامی لوگوں سے جنگ کے بعد فتح کر کے علاقہ واپس لیا تھا۔ المنصورہ بعد میں عربوں کی بڑی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ بالآخر منصورہ عربوں کے علاقوں کا دارالخلافہ بنا۔ حکم ہی کے ساتھ منذر بن ذہیر بن عبدالرحمان الحباری سندھ کو آیا۔ اس کے پوتے عمر بن العزیز نے بعد میں حکومت منصورہ کی بنیاد رکھی۔ کیونکہ سندھ کی حکومت اس حباری خاندان ہی کے پاس رہی اور بعد میں ۴۱۶ھ تک قائم رہی حکم مقامی لوگوں کے ساتھ ایک جنگ میں

مارا گیا۔ عمر بن محمد بن قاسمؒ فاتح سندھ کے بیٹے اس کے بعد گورنر بن کر آئے۔ سندھ میں موجود عرب قبائل' قبائلی جنگ میں الجھے ہوئے تھے۔ ایک جنگ میں وہ شکست کھا کر دارالخلافہ میں محصور ہو گئے عراق کے گورنر یوسف ابن عمر الثقفی کی بروقت مدد سے نجات ملی۔ خلیفہ ولید بن یزید (جو ہشام کے بعد خلیفہ بنے) نے عمر بن محمد کو برخاست کر کے یزید ابن عمر کو گورنر مقرر کر کے بھیجا۔

یزید ابن عمر ۱۲۵ھ میں گورنر بنے۔ وہ اگرچہ ایڈمنسٹریشن (انتظام) کے ماہر تھے اور امن بحال کرانے کے لئے فوری اقدامات شروع کئے لیکن منصور ابن الجمہور الکلبی جو بڑا لالچی آدمی تھا' کے پھندے میں خود گرفتار ہو گئے منصور ان باغی سرغنوں میں سے ایک تھا جو خلیفہ ولید ابن یزید کے قتل میں ملوث تھے۔ یہ دو شہزادوں عباس ابن ہشام اور عبداللہ بن معاویہ کے ذریعے بنوامیہ کو اقتدار میں رکھنے کی کوشش میں ناکام ہو گیا' سندھ چلا آیا یزید ابن عمر کو اس کی سرگرمیوں کا علم ہو گیا اور اس نے علاقے میں گھسنے کی اجازت نہ دی۔ منصور نے سہوان پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا پھر اس نے دریائے سندھ پر پل بنا کر یزید ابن عمر کے لشکروں پر اچانک حملہ کر دیا۔ یزید نے کوئی تیاری اس کو روکنے کی نہیں کی تھی کیونکہ اسے منصور کے حملے کی توقع ہی نہ تھی۔ اسے شکست کھا کر المنصورہ کے قلعے میں محصور ہونا پڑا۔ منصور نے محاصرہ کیا۔ لڑائی سے تھک کر اور منصور پر اعتماد کر کے یزید نے قلعہ حوالے کر دیا منصور نے اسے وحشیانہ طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ منصور اب سندھ کا حکمران تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو مغربی سندھ پر بطور نائب مقرر کیا۔ اس علاقے میں دیبل اور قندبیل بھی شامل تھے۔ قیام امن کے لئے اس نے کوششیں شروع کر دیں۔

ادھر مرکز میں دنیائے عرب خانہ جنگی میں مبتلا ہو چکی تھی۔ بنوامیہ زوال سے دو چار تھے اور بنوعباس برسراقتدار آنے کے لئے ابھر رہے تھے۔

بنوامیہ کے خلیفہ یزید بن ولید نے جو ۱۲۶ھ میں باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا تھا۔ چند ماہ حکومت کی اور فوت ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی ابراہیم بن ولید خلیفہ بنا' مگر مروان دوم نے اسے ۱۲۷ھ میں شکست دی بنوامیہ کے دوسرے شہزادوں سے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ مروان دوم کی بدقسمتی سے مزاری اور یمینی قبائل میں جنگ چھڑ گئی مروان دوم مزاریوں کی طرف مائل تھا مگر شام میں یمینیوں کی آبادی زیادہ تھی اسے گھر کے دشمنوں سے برسرپیکار ہونا پڑا۔ خارجیوں اور شیعوں نے بھی ہر جگہ ملک میں بغاوت برپا کر دی اس سے بنو امیہ کے وسائل بہت متاثر ہوئے جس سے عباسیوں کو بڑی طاقت ملی جو شیعوں کے حمائتی

بھی تھے۔ دور و نزدیک جہاں ان کی آبادی زیادہ تھی وہ ان کے حامی بن گئے ابو مسلم خراسانی جو عربوں کا چوٹی کا دشمن تھا۔ اس نے یمنیوں کی طرفداری کی خراسان کے گورنر نصر ابن سیار کو شکست ہوئی کیونکہ بنو ربیع یمنی اور ابو مسلم دونوں کی فوجیں اس کے مقابل آگئیں گورنر نے بھاگ کر جان بچائی مرد پر ۱۲۹ھ میں قبضہ ہو گیا۔ تمام خراسان ابو مسلم کے ہاتھ آگیا اس نے قحطبہ ابن شبیب کو فوج دیکر عراق بھیجا اس نے راستے میں طوس' سوزکان 'نیشاپور اور نجران پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا شہر رے اصفحان اور نہوند نے توان کے لئے اپنے دروازے ہی کھول کر اطاعت اختیار کر لی۔ شہر شہر وز پر کچھ مقابلہ کے بعد قبضہ ہو گیا اس طرح گورنر عراق کی فوجوں کو بھی شکست ہوئی۔

۱۳۲ھ میں ابو العباس عبداللہ ابن عباس العباسی کی خلافت کا اعلان کیا گیا۔ اس نے کوفہ کی جامع مسجد میں اپنا پہلا خطبہ دیا اور لوگوں سے وفاداری کی بیعت لی مردان دوم اس انقلاب سے بے خبر تھا وہ جزیرہ میں خارجیوں سے برسرپیکار تھا۔ یہ اگرچہ بنو امیہ کی خلافت کے خاتمہ کا اعلان تھا۔ مگر اس نے ایک لاکھ بیس ہزار فوجیوں کے ساتھ بنو عباس کی فوجوں سے نبٹنے کی ٹھانی۔ بنو عباس کی فوجیں عبداللہ ابن علی جو نئے خلیفہ عباسی کا چچا تھا کے زیر کمان تھیں۔ دریائے زاب کے کنارے دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ مردان دوم بڑے جوش سے لڑا مردان دوم کی فوجیں کثرت تعداد' کے باوجود بھاری نقصان کے ساتھ شکست فاش کے دوچار ہوئیں۔ اس سے بنو امیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ مردان دوم مختلف جگھوں پر بھاگا لیکن کسی نے پناہ نہ دی بالآخر مصر کے دریائے نیل کے کنارے نئے خلیفہ کے بھائی کے ہاتھوں جو اس کا تعاقب کر رہا تھا قتل ہوا اس طرح بنو امیہ کے نوے سالہ اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ نئے عباسی خلیفہ عبداللہ ابن علی نے بغیر کسی مقابلہ کے موصل' حران' حمص 'دمشق اور پلیسٹائن (فلسطین) پر قبضہ کیا۔

عباسی خاندان کے برسر اقتدار آنے سے ابو مسلم خراسانی نے بڑی قوت حاصل کر لی۔ اور اس نے اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے آدمی بھیجے۔

اس نے سندھ میں مفلس العابدی کو بھیجا۔ اس کے مقابلے میں منصور کا بھائی منظور ابن الجمہور الکلبی آیا جو شکست کھا کر مارا گیا وہ دیبل پر قبضہ کرنے کے بعد اندرون سندھ کوچ کر کے منصورہ کے قریب پہنچا منصور نے اسے روکنے کی تیاری کی اور زبردست لڑائی میں مفلس شکست کر گرفتار ہوا۔ منصور نے اسے قتل کر دیا۔ کیونکہ وہ اس سے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس سے ابو مسلم کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے اس غاصب منصور سے

نبٹنے کے لے، موسیٰ ابن کعب التمیمی کو بھیجا۔ موسیٰ نے ابتدائی طور پر بعض عرب قبائل کو اپنے ساتھ ملالیا جن کے ساتھ اس نے پہلے ہی خفیہ خط و کتابت کر رکھی تھی۔ اور ۱۲۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ منصورہ پہنچا۔ منصور اس سے جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر شکست کھا گیا اور اس کی فوج تباہ و برباد ہو گئی یہ راجپوتانہ کو بھاگ گیا مگر پیاس سے جاں بحق ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ کے آدمیوں نے اسے پکڑ کر مار دیا۔

بنو عباس کے سندھ میں گورنر

(۱) موسیٰ بن کعب التمیمی بنو عباس کے پہلے گورنر تھے اور ۱۴۰ھ تک سندھ کے گورنر رہے۔ ۱۴۱ھ میں بغداد میں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔

(۲) عیون ابن موسیٰ جو موسیٰ بن کعب کے بعد دو سال سندھ کی گورنری پر فائز رہا۔ اس کو خلیفہ ابو جعفر المنصور نے توثیق کر کے مستقل کر دیا۔ عیون جو کمزور طبیعت آدمی تھا۔ پوری طرح کنٹرول نہ کر سکا۔ اس نے مرکز کی طرف باغیانہ روش اختیار کی۔ خلیفہ نے اسے معطل کر دیا۔

(۳) عمرو بن حفص بن عثمان ابن ابی صفرہ کو خلیفہ نے اس کی جگہ گورنر مقرر کیا وہ نو سال تک گورنر رہا اسکو ۱۵۱ھ میں سندھ کی گورنری سے اس وجہ سے ہٹا کر شمالی افریقہ بھیج دیا کہ وہ اہل تشیع کے آلہ کار بن گئے تھے۔

(۴) ہشام ابن عمر التغلبی کو اس کی جگہ گورنر بنا کر بھیجا گیا خلافت کی طرف سے اس کو پیغام پہنچا کہ عبداللہ الاشتر العلوی جو خلافت بنو عباس کا مخالف تھا' کو گرفتار کر لیا جائے لیکن وہ ہشام کی فوجوں سے مقابلے میں مارا گیا اس کی بیوی اور چھوٹے بیٹے محمد کو قیدی بنا کر بغداد میں پہنچا دیا گیا۔

ہشام دوسرا بڑا بہادر فوجی تھا۔ جس نے سندھ کو مکمل اور ملتان کشمیر سمیت' دوبارہ اپنے زیر نگیں کیا۔ پہلے بڑے فاتح محمد بن قاسم الثقفی تھے۔ قندابیل کا حاکم خود مختار ہو گیا تھا۔ اس کا محاصرہ کر کے زیر نگیں کر لیا گیا۔ اس کے بعد قندھار بھی فتح کیا گیا۔

(۵) معبد بن خلیل التمیمی ۱۵۷ھ میں ہشام کی جگہ گورنر بنا مگر ۱۵۹ھ میں فوت ہو گیا۔ وہ صرف دو سال گورنر کے عہدے پر فائز رہا۔

مقامی جاٹ جو عربوں کی کالونیوں سے چھیڑ خوانی کرتے رہتے تھے۔ اب کھلی بغاوت پر اتر آئے اور نیا گورنر ان سے نپٹنے سے عاجز آ گیا تھا۔ اس دوران خلیفہ منصور کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا مہدی خلیفہ بنا۔

(۶) روح ابن حاتم التمیمی کو معبد کی وفات کے بعد سندھ کا گورنر بنا دیا گیا لیکن وہ انتظام بحال کرانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

(۱۰۔۹۔۸۔۷) روح کے بعد نصر ابن محمد (ابن اشعث الخزاعی) محمد ابن سلیمان' زبیر ابن عباس اور مصباح ابن عمر ایک کے بعد دوسرا جلد جلد بھیجے گئے لیکن ملکی حالت

درست کرنے میں کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

(۱۱) لیث ابن طریف ایک غلام کو بالآخر خلیفہ مہدی نے گورنر بنا کر بھیجا اس نے باغی قبائل سے نبٹنے کے لئے سخت احکام جاری کر کے دبا کر خاموش کر دیا۔ خلیفہ مہدی ۱۶۹ھ میں فوت ہو گیا اور اس کی جگہ موسیٰ الہادی خلیفہ بنا لیکن ۱۷۰ھ میں ۱۴ ماہ حکومت کر کے فوت ہو گیا اس کی جگہ اس کا بھائی ہارون الرشید خلیفہ بنا اس نے۔

(۱۲) سلیم یونسی کو گورنر سندھ بنا کر بھیجا یہ ۴ سال گورنر رہا۔

(۱۳) اسحاق ابن سلیمان الہاشمی نے سلیم یونسی کی جگہ گورنری کا چارج لیا مکران کی حکومت بھی ساتھ ہی دی گئی صرف ایک سال گورنر رہا۔

(۱۴) شیفور ابن عبداللہ الحمیری نے اسحاق کی جگہ لی مزاریوں اور یمنیوں کی پرانی کشمکش نے پھر سر اٹھایا جس نے خطرناک قبائلی جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ شیفور جو یمنی تھا اس نے یمنوں کا ساتھ دیا۔ جس نے صرف جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس کی جگہ دو گورنر یکے بعد دیگرے بھیجے گئے:

(۱) جابر بن اشعث الطائی

(۲) سعد ابن سلیم ابن قتیلہ 'یہ دونوں بھی انتظام بحال کرانے میں ناکام ہو گئے۔

خلیفہ ہارون نے اس پر عباسی شہزادے عیسیٰ ابن جعفر ابن منصور العباسی کو گورنر سندھ بنا دیا لیکن اس نے اپنی جگہ محمد ابن عدی الثعلبی کو بھیجا جو سب سے زیادہ نکما ثابت ہوا کیونکہ اس کی موجودگی میں معمولی قبائلی لڑائی کھلی قبائلی جنگ میں تبدیل ہو گئی۔

خلیفہ ہارون نے بہت سوچ بچار کے بعد داؤد ابن یزید ابن حاتم کو بطور گورنر بھیجا۔

(۱۵) داؤد ابن یزید ابن حاتم نے ۱۸۴ھ میں یہاں آ کر فوری اقدامات کئے۔ فسادیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔ ان کی جائیدادیں وغیرہ ضبط کر لیں۔ اس سے مزاری جن کی سندھ میں اکثریت تھی اور فساد کے ذمہ دار تھے ان کا زور کم ہو گیا منصورہ جو سازشوں کا مرکز تھا کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ یہ فسادات ۲۰ دن جاری رہے بیشتر آبادی کو نقصان پہنچا۔

داؤد کی حکومت ہی میں خلیفہ ہارون کے علاج کے لئے کنکا یا گنگا نامی معالج کو بغداد بھیجا گیا۔ ایک دوسرے معالج منکا کو خلیفہ کی طرف سے گراں قدر پنشن دی گئی۔ تاکہ وہ بیت الحکمت میں کام کرے۔ ایک تیسرے معالج ابن بہلا نے بھی شہرت حاصل کی کیونکہ اس نے خلیفہ کی بہن کے خاوند ابراہیم بن صالح کا علاج کر کے تندرست کیا تھا۔ ۲۰۵ھ میں انتقال کر گیا۔

(۱۴) بشر ابن داؤد جو داؤد (سابق گورنر) کا بیٹا تھا باپ کی جگہ گورنر بنادیا گیا۔ اس نے مرکز بغداد کو خراج بھیجنا ہی بند کر دیا تھا اور بغاوت کے آثار اس سے ظاہر ہونے لگے۔ اس کو برخواست کر دیا گیا اور غسان ابن عباد امہلبی کے ذریعے گرفتا ہوا جس کو اسی غرض سے بھیجا گیا تھا اور بغداد پہنچادیا گیا۔

(۱۵) موسیٰ ابن یحییٰ ابن خالد برمکی کو ۲۱۳ھ میں بشر کی جگہ گورنر بنایا گیا۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مرکزی خزانہ بغداد کو ایک لاکھ درہم بطور خراج بھجوایا۔

(۱۶) عمران ابن موسیٰ موسیٰ کی جگہ گورنر بنایا گیا لیکن وہ قبائلی مخالفت جو نزاریوں اور یمنیوں میں چلی آرہی تھی اور دوبارہ جنگ کی صورت اختیار کر گئی تھی میں بری طرح ملوث ہو گیا اس نے یمنیوں کا ساتھ دیا جو اقلیت میں تھے نزاری اس دوران ان سزاؤں کے بوجھ سے فراغت پا چکے تھے جو داؤد کی حکومت میں ان پر ڈالے گئے تھے اب پھر انہوں نے تشدد کے ذرائع سے اپنی طاقت کا لوہا منوانا شروع کر دیا۔ انہی دنوں سندھ کے جاٹ اور مید بھی دوبارہ کھلی بغاوت پر اتر آئے۔

نزاریوں کے لیڈر عمر بن عبدالعزیز نے عام شورش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عمران کی فوجوں پر حملہ آور ہوا عمران لڑائی میں مارا گیا عمران کی جگہ عنیسہ ابن اسحاق گورنر بنا۔

(۱۷) عنیسہ ابن اسحاق نے مصالحانہ پالیسی اختیار کی اور قبائلی جھگڑوں میں ملوث نہ ہوئے تاہم اسے نو سال تک مسلسل جدوجہد کرنا پڑی تاکہ قبائل کے باغی لیڈروں سے نپٹنے جو سندھ کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے عنیسہ نے ایک سنٹرل جیل بھی دیبل میں قائم کرلی تھی خلیفہ متوکل نے ۲۳۵ھ میں اس کو برطرف کر دیا۔

(۱۸) ہارون ابن ابی خالد المروی کو خلیفہ نے عنیسہ کی جگہ گورنر مقرر کیا یہ پانچ سال تک گورنر رہا مگر ۲۴۰ھ میں مارا گیا اس کی وفات کے بعد عمر بن عبدالعزیز حباری جو سندھ میں مزاریوں کا لیڈر تھا' نے خلیفہ کو لکھا کہ اسے گورنر بنادیا جائے اس نے وعدہ کیا کہ وہ عباسیوں کا فرمانبردار رہے گا اور جمعوں کے خطبوں میں بنو عباس کے خلیفہ کا نام لیا کرے گا۔

خاندان بنو حبار
خلافت بنو عباس کے زوال سے شخصی حکومتیں بنانے کی ضرورت پڑی

بنو عباس کا آخری بڑا حکمران خلیفہ المتوکل تھا ۲۴۶ھ میں وہ قتل ہو گیا تو عباسی خاندان کا زوال شروع ہو گیا خراسان اور اس سے ملحقہ دوسرے علاقے خود مختار ہو گئے۔ ادھر شمالی افریقہ کے تمام علاقے سوائے مصر کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ترک گارڈ جن کو حکومت نے اپنے بچاؤ کے لئے ملازم رکھا تھا' خلیفہ کی نااہلی کے سبب اتنے طاقت ور بنتے گئے کہ حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ مختلف جگہوں پر گورنر وہی مقرر کرتے تھے۔ دیگر امور سلطنت بھی ان ہی کے کنٹرول میں تھے۔ خلیفہ کی صرف ظاہری شان اور کروفر قائم رکھی جاتی تھی۔

(۱) عمر بن عبدالعزیز حباری

ہارون ابن ابی خالد المروزی ۲۴۰ھ میں مارا گیا تو عمر بن عبدالعزیز حباری نے خلیفہ المتوکل کو لکھا کہ اسے گورنر بنا دیا جائے اس نے یہ وعدہ کیا کہ جمعوں میں بنو عباس کے خلیفہ کا نام لیا جایا کرے گا اور خراج بھی دیا جائے گا۔

حبار ابن الاسود

خاندان قریش کا نمایاں فرد تھا۔ یہ اسلام اور حضرت رسول اکرم ﷺ کا سخت مخالف تھا لیکن فتح مکہ پر آنحضرت صلعم کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی پانچویں پشت میں عمر بن عبدالعزیز حباری تھا اس کے دادا زبیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ گورنر حکم ابن عوانہ الکلبی (جس نے مشہور شہر المحفوظہ کی بنیاد رکھی تھی) کے وقت سندھ میں آکر آباد ہوا یہ عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی جنکو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے کے بہت بعد پیدا ہوا اور مختلف آدمی ہے یہ المحفوظہ کے نزدیک ایک چھوٹے

سے شہر پانیہ میں پیدا ہوااور سندھ ہی میں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی۔ یہ عربوں کے قبیلہ منذر میں کافی مشہور ہو گیا۔ گورنر عمران بن موسیٰ البرمکی کے عہد میں عربوں کی کشمکش کے دوران نزاریوں کالیڈر بن گیا گورنر حجازی قبیلوں کا مخالف تھااور ان کو کچلنے کے درپے تھا یمینی قبیلہ کے لوگ بھی ان کے دشمن تھے اور انہیں ان مزاریوں کے خلاف غارت گری کرنے کے لئے کھلی چھٹی دے دی تھی اس لڑائی میں عمران بن موسیٰ مغلوب ہو کر مارا گیا۔ اس سے عمر بن عبدالعزیز کو جنوبی سندھ کے بڑے حصے پر حکمرانی کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے عباسی خلیفہ المتوکل کو درخواست بھیج دی کہ عمران کی جگہ اسے سندھ کا گورنر بنادیا جائے کیونکہ وہی اس وقت قابل ہے کہ سندھ کے حالات درست کرسکے خلیفہ جس کی مملکت میں ہر جگہ گڑبڑ ہو رہی تھی۔ اس نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ ہر جگہ جمعہ کی نماز میں لیا جایا کرے۔

عمر بن عبدالعزیز بطور بادشاہ حکومت المنصورہ

عمر بن عبدالعزیز ایڈمنسٹریشن کا ماہر تھااور ایک فرماں روا کے عہدہ کا بجا طور پر مستحق تھا۔ اس نے عباسی خلفاء کے ساتھ اپنے تعلقات بھی نہ توڑے۔ اس کی حکومت تمام جنوبی سندھ سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز نے تقریباً ۳۰ سال حکومت کی پھر اس کا بیٹا عبداللہ بن عمر بن بن عبدالعزیز اس کا جانشین ہوا۔ عمر نے المنصورہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا لیکن رہائش بنانیہ میں رکھی۔ المنصورہ کی آب و ہوا گرم تھی اور مکھیوں کی بھی بہتات تھی۔ عمر نے المنصورہ کی تمام مملکت میں ہر طرح سے امن قائم کر دیا۔ حکومت پر امن اور لوگ مطمئن اور خوشحال تھے اس نے غیر مسلم ہند کے راجاؤں پر بھی اچھا اثر ڈالا ہوا تھا۔ ان کے سفیروں پر حکومت المنصورہ کے اسلحہ اور قوت کا رعب جما دیا تھا۔ مسلمان مبلغین نے بھی غیر مسلم ہند کے راجاؤں کے علاقوں میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ اس سے ایک راجا مسلمان ہو گیا اس نے ایک جواہرات کا ہار عمر بن عبدالعزیز کو بھیجا کہ خلیفہ المعتمد کو بھیجدیا جائے خلیفہ معتمد نے جب وہ ہار وصول کیا تو حکم دیا کہ اسے خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکادیا جائے۔

(۱) عمر بن عبدالعزیز حباری کی کامیابیاں

ہندوپاک کی تاریخ میں عمر بن عبدالعزیز کا ایک نمایاں مقام ہے گمنام اور معمولی حیثیت سے ابھر کر مسلسل محنت اور جدوجہد سے بالآخر سندھ کا فرماں رواں بن گیا۔ اگرچہ اس وقت عربوں میں قبائل اور مقامی لوگوں کی شورشیں جو اقتدار حاصل کرنے کے لئے زوروں پر تھیں اور بنو عباس خاندان کے گورنران سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام ہو گئے تھے عمر بن عبدالعزیز اپنی نرم طبعیت منصف مزاجی اور غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے شورشیں دبانے اور تمام ملک میں امن و امان اور اسلامی عدل و انصاف قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی فیاضی اور غیر معمولی تدبر و فراست اور عدل و انصاف کے چرچے نہ صرف سندھ بلکہ عراق تک زبان زد خواص و عوام تھے اس نے عباسی صوبہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کی اور اسے موروثی بنادیا جو قریبادوسو سال تک قائم رہی اور ۴۱۶ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اسے حملہ کر کے ختم کر دیا کیونکہ مسلسل قبائلی تعصبات سے اتفاق واتحاد ختم ہو گیا تھا اور مقابلے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔

(۲) عبداللہ بن عمر الحباری

عبداللہ ابن عمر جو ۲۷۰ھ میں اپنے باپ کی جگہ سندھ کا فرماں روابنا۔ وہ دوسرا بڑا حکمران اس خاندان کا تھا۔ اگرچہ شروع میں بنو کندہ کے ایک غلام سامع ابن ابوسخ المنصورہ پر حملہ کر کے اس پر تھوڑا ساوقت قابض بھی رہا لیکن عبداللہ نے جلد ہی قبضہ بحال کرالیا اور تمام ملک میں امن وامان قائم کر دیا گیا۔

قرآن مجید کا پہلا ترجمہ

عبداللہ بن عمر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے قرآن پاک کا پہلا ترجمہ سندھی زبان میں کرایا ایک پڑوسی ہندو راجہ نے درخواست کی کہ اس کے پاس ایک آدمی بھیجا جائے جو اس کو آنحضورؐ کی تعلیمات اور قرآن پاک کے مضامین پڑھکر بتائے اس نے اسکے پاس ایسے آدمی کو منصورہ سے بھیجا جو قرآن پاک اور قرآنی تعلیمات کا ماہر تھا۔ مقدس کتاب کی تعلیمات سے راجہ اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔

دیبل کا زلزلہ

ماہ شوال ۲۸۰ھ میں دیبل میں ایک نہایت شدید سیلاب سمیت زلزلہ آیا جس سے تمام شہر تباہ ہو گیا بہت سی عمارتیں آدمیوں سمیت لقمہ اجل بن ہو گئیں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پچاس ہزار ایک سو جانیں تلف ہوئیں۔ زندہ بچنے والے اور زخمی ان سے علاوہ تھے۔

(۳) محمد ابن ابی شوراب کی وفات

۲۸۳ھ (۸۹۶ء) میں مشہور قاضی المنصورہ محمد ابن ابی شوراب وفات پاگئے ان کی حکمران خاندان سے رشتہ داری بھی تھی۔ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر چھ ماہ فائز رہے۔

عبداللہ ابن عمر کی وفات اور عمر بن عبداللہ کی تخت نشینی

۳۰۰ھ میں عبداللہ بن عمر کی وفات ہو گئی اور اس کی جگہ اس کے بیٹے عمر بن عبداللہ نے لی۔

عمر بن عبداللہ حباری کا اس خاندان حباری میں سب سے اونچا مقام ہے ارور سے سمندر تک تمام سندھ میں اس کی حکمرانی تسلیم کی جاتی تھی۔

خود ایڈمنسٹریشن کا ماہر تھا۔ تمام ملک میں امن و امان اور بڑی خوشحالی تھی۔ اس کی حکومت بڑی باوقار اور عالی شان تھی اس کا دربار مشرقی شان رکھتا تھا تمام ملک کے انتظامی قوانین کا اجزاء قاضی القضاۃ کے ذریعے ہوتا تھا۔ جو سابق قاضی ابی شوراب کے خاندان سے تھا۔ اس کی فوجی قوت کی شہرت ارد گرد کے تمام راجاؤں میں پھیلی ہوئی تھی اس میں بہت بڑے دوہاتھی بھی تھے اس کی حکومت خاصی بڑی مدت تک رہی۔ تاریخ وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔

(۴) محمد ابن عمر

عمر ابن عبداللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد ابن عمر اس کا جانشین بنا۔ اس کی سلطنت کی مدت تاریخی شواہد سے نہیں ملتی۔ اس کے نام کے سکے المنصورہ کے کھنڈرات سے برآمد ہوئے ہیں۔

(۵) احمد بن؟

المنصورہ کے کھنڈرات سے احمد نام کے سکے بھی بر آمد ہوئے اس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ۳۷۵ھ (۹۷۶ء) میں سیاح بشاری المقدسی سندھ میں آیا اس نے مسلم حکمران کا نام نہیں لیا صرف لکھا ہے کہ حباری خاندان کا ایک قریشی ہے۔

یہ خاندان ۴۱۶ھ تک حکومت کرتا رہا لیکن قبائلی کشمکش نے اتفاق اتحاد نہ رہنے دیا جس سے دشمن کے مقابلے کی سکت نہ رہی۔ ادھر شیعی پراپگینڈہ جس سے قبائلی دشمنی کو بڑی تقویت ملتی تھی اس پر مزید جلتی پر تیل کا کام کرتا تھا ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے حملہ کر کے المنصورہ فتح کر لیا اور اس خاندان کا اور عربوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

عربوں کے دور میں سندھ کی حالت

بنو امیہ اور بنو عباس کا دور

بنو امیہ اور بنو عباس کے گورنر سوائے چند ایک کے جلد جلد تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ اس سے مقامیوں میں برے تاثرات پھیلتے رہے۔ اور باغیانہ جذبات نشو و نما پاتے رہے۔ محمد بن قاسمؒ نے جس مروت و اخلاق سے مقامیوں کے دل موہ لئے تھے۔ ان کے واپس بلا لینے سے ان میں بھی بددلی پیدا ہوئی اور بعد میں غیر ملکیوں سے نفرت میں بدل گئی۔

بنو امیہ کے حکمران اور عرب باشندے مقامی باشندوں سے علیحدہ کالونیوں میں رہتے تھے اس سے عربوں کے اخلاق اور دینداری کے اثرات غیر مسلموں میں نہ پھیلتے تھے۔

بنو عباس کے دور میں حکمران اور عرب باشندے مقامی باشندوں کے علاقوں میں ملے جلے رہنے لگے۔ اس سے نفرت کی فضا کافی حد تک دور ہو تی گئی۔

مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کے مواقع ملتے رہے اور مقامی ہندو آبادی پر اسلام نے گہرا اثر ڈالا اور وہ اسلام قبول کرنے لگے۔

حباری دور حکومت میں عام حالات

حباری دور میں ملک میں مسلسل امن قائم رہا یہ آخری دور کے سوا اندرونی شورشوں سے پاک رہا۔ فوجی طاقت کے بل بوتے پر بیرونی حملوں کا خطرہ بھی نہ رہا۔ لوگ

(عرب اور مقامی) مطمئن اور خوشحال تھے۔

حکومت منصورہ ملتان کی حکومت سے زیادہ طاقت ور تھی۔ ملتان پر بھی ایک قریشی سامع ابو بوعیہ ہی کی حکمرانی تھی۔ ملتان پر بیرونی حملوں کا خطرہ رہتا تھا۔ جب کبھی ہندوستان سے حملہ ہوتا تو یہ عرب فوجی ملتان کے مشہور مندر کا بڑا بت مسلمانوں اور ہندوؤں کی فوجوں کے درمیان نکال کر رکھدیتے اور دھمکی دیتے کہ اگر تم نے لڑائی کی تو یہ بت خانہ توڑ دیا جائے گا۔ ہندو چونکہ اس بت کو اپنا بڑا خدا سمجھتے تھے وہ اس لئے واپس چلے جاتے اور لڑائی کا خطرہ نہ رہتا۔ اس طرح ان کی حکومت بھی محفوظ رہتی۔

حباریوں کے دور حکومت میں ان کے خلاف کوئی ایسی سازش یا حملہ نہ ہوا جس سے ان سے حکومت چھن جائے۔ سوائے ایک دفعہ کے ایسا واقعہ رونما نہیں وہا۔ عربوں میں سے یمنی لوگ جو حباریوں سے اس وجہ سے غیر مطمئن تھے کہ وہ مزاریوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے بنو کندہ کے ایک آزاد کردہ غلام کو مدد کا یقین دلا کر منصورہ پر حملہ کرنے کے لئے بھڑکایا اور اس کے ساتھ ہو کر حملہ آور ہوئے اور تھوڑے سے وقفہ کے لئے ان کا قبضہ بھی رہا لیکن جلد ہی حباری حکمران نے دوبارہ قبضہ کر لیا بعد میں ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔

حباریوں کی فوجی قوت

حباریوں نے ایک بڑی تربیت یافتہ فوج تیار کر لی تھی جس میں دو بڑے بڑے ہاتھی بھی تھے اس لئے یہ بیرونی حملوں سے جو ہندوستان یا ان کے علاوہ دوسرے ملکوں سے ہوں محفور رہا۔ تھر کا صحرا بھی ان کی حفاظت کا کام کرتا تھا۔ صحرا عبور کرنا بڑا دشوار تھا۔ حکومت منصورہ کا علاقہ ارور سے بحر ہند تک اور مشرق میں کاٹھیاواڑ مغرب میں کچھ حصہ موجودہ بلوچستان تک پھیلا ہوا تھا۔

تجارت

منصورہ کے عربوں کی تمام تر تجارت عرب ممالک کے ساتھ اور اس کے علاوہ چین اور اس کے نزدیک ممالک کے ساتھ رہتی تھی۔ تجارتی اشیاء سندھ میں بافراط اور کم نرخوں پر مل جاتی تھیں۔ ان اشیاء میں شکر کی بہتات بہت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں تھیں جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ تجارت پیشہ عرب بڑے متمول تھے اور امیرانہ

ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ خوراک کی اشیاء کی بہتات تھی اور قیمتیں کم تھیں۔ اس سے غریب لوگ بھی خوش اور مطمئن تھے۔

ان دنوں سندھ کا علاقہ غلے کا گھر تھا کیونکہ دو دریا اسے سیراب کرتے تھے سندھ اور ہکرد۔ ہکرد بعد میں خشک ہو گیا تھا۔ اور اس کی جگہ موجودہ ستلج نے لے لی جو بہاول پور میں سے گزر کر سندھ میں ہی پنجند کے مقام پر مل جاتا ہے۔

سندھ کے لوگوں کے دو گروہ تھے ایک عرب جو سب مسلمان تھے اور فقہ حنفی کے پیرو دوسرے مقامی جو سب بدھ مذہب رکھتے تھے ان کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی بن گیا تھا۔ جو عربوں کی غیر عرب عورتوں سے شادی کی پیداوار تھے۔ عفو و درگزر کا سلوک جو محمد بن قاسمؒ (فاتح سندھ اول) نے شروع کیا تھا حباریوں نے وہی روش اختیار کی اس سے مقامیوں میں بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے تبلیغ اسلام کے مواقع ملنے لگے۔ اور کئی بدھ جو مقامی باشندے تھے۔ مسلمان ہو گئے۔ تمام دور میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی جس میں تعصب کی بنا پر کسی مسلمان نے اپنی غیر مسلم رعایا پر تشدد یا بدسلوکی ہو یا غیر مسلموں کے کسی مندر یا عبادت گاہ کو نقصان پہنچایا ہو۔

عرب خود دو گروہوں میں بٹ گئے تھے جو آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ حباری خاندان کی حکومت سے پہلے بنو امیہ اور بنو عباسیوں کے زوال کی ایک وجہ ان دنوں گروہوں اور یمنیوں کی اقتدار کے لئے کشمکش کی وجہ سے آپس میں مصالحت نہ ہو سکی اور عباسی گورنران پر کنٹرول نہ کر سکے حباریوں کی بڑی کامیابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب دنیا اور باقی عرب ملکوں میں ہر جگہ بدامنی پھیلی ہوئی تھی سندھ میں ان کے دور میں بڑا امن و امان قائم ہو گیا۔

سندھ کے مسلمان بڑے مہمان نواز مخیر اور بڑے مہذب تھے۔ اپنے مذہبی رجحان کے لئے بڑے مشہور تھے بشاری المقدسی جو سندھ ۳۷۵ھ میں آیا وہ بیان کرتا ہے کہ مسلمان عام طور پر حنفی المذہب تھے ' معمولی سا اختلاف رائے بھی اگرچہ موجود تھا۔ اس نے بہت سے علما اور فضلاء منصورہ میں دیکھے ہیں۔

المنصورہ کے لوگ بڑے سچے تھے اور ان کو جھوٹ سے نفرت تھی اور لین دین کے معاملات میں بڑے راستباز تھے ماپ اور تول میں کبھی بددیانتی کے مرتکب نہ ہوتے تھے۔ عرب اکثر و بیشتر بڑے تعلیمیافتہ اور بڑے عقلمند تھے۔ ان کی فیاضی بھی بڑی ضرب المثل بن گئی تھی اور وہ غریبوں اور مسکینوں کے بڑے مددگار تھے۔ عورتوں کا معاشرہ میں بڑا مقام تھا لیکن انہیں نیم برہنہ باہر گھومنے پھرنے کی اجازت نہ تھی غیر مسلم جو عموما بدھ مذہب تھے۔

مہاتمابدھ کے بت کی پوجا کرتے تھے۔ بعض دوسرے لوگ ستاروں اور آگ کی پرستش بھی کرتے تھے۔

آمدنی کے وسائل

آمدنی کے وسائل عمومی طور پر چار تھے۔(۱)خراج(۲) خمس (۳) عشراور(۴) جزیہ۔

(۱) خراج جو زمین کی پیداوار کا ۵۔۲ ہوتا تھااس وقت جب زمین پبلک نہر سے سیراب ہوتی تھی۔ باقی تمام لگان پیداوار کا ۴۔اتھا۔ بغیر کاشت چھوڑی ہوئی زمین پر متوقع پیداوار کا ۱۰۔۱ وصول کیا جاتا تھا۔ اس اقدام سے تمام قابل کاشت اراضی پر کاشت ہوتی تھی ۔ اس سے تمام خوراک کی اشیاء با افراط پیدا ہوتی تھیں اور سندھ کا علاقہ تمام ہندوپاکستان کے لئے غلہ کا گودام بن گیا تھا کھجوروں 'انگوروں اور دوسرے میووں پر ۳۔ا محصول سب کے لئے تھا۔

خمس یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو لڑائیوں کے نتیجہ میں غیر مسلم دشمنوں سے وصول کیا جاتا تھا وہ سرکاری خزانے میں جمع ہوتا تھا حباریوں کے دور میں یہ بہت کم مواقع پر آتا تھا۔ کیونکہ امن وامان کا دور دورہ ہی رہااور کسی غیر مسلم مخالف پر چڑھائی نہیں کی گئی عشیر یعنی تجارتی اشیاء پر ٹیکس تجارتی اشیاء کی قیمت کا ۱۰۔ا لگایا جاتا تھا۔ جزیہ صرف ان غیر مسلموں پر عائد کیا جاتا تھا جو مسلمانوں کی حفاظت میں آتے تھے۔

بین الاقوامی تعلقات

سندھ پر بنوامیہ اور عباس کے دور حکومت میں اس ملک سندھ کا تعلق صرف دمشق اور بغداد کے ساتھ تھا جو بنوامیہ اور بنو عباس کے دارالحکومت تھے۔

حباری خاندان جو سندھ پر اگرچہ حکمران تھا مگر جمعہ کے خطبوں میں عباسی خلفاء کا نام اپنی تمام مسجدوں میں لیتے تھے بشاری المقدسی ۳۷۵ھ میں سندھ میں آیا۔ اس وقت تک اس نے مسجدوں میں عباسی خلفاء کا ہی نام سنا البتہ ملتان میں اس وقت فاطمی خلفاء کا نام لیا جاتا تھا کیونکہ وہ فاطمی خلفاء کے تسلط کو سندھ پر تسلیم کرنے لگے تھے۔ کیونکہ قاہرہ(مصر) سے فاطمیوں کا وفدان کو اپنی ہدایات دیتا تھا مشہور جغرافیہ دان بو سعد جو بشاری کے کچھ بعد آیا وہ بیان کرتا ہے کہ بغدادی خلفاء کے آخری دور میں سندھ کے تعلقات بھی فاطمیوں سے ہو گئے تھے۔

المنصورہ کے حکمرانوں کے غیر مسلم پڑوسی راجاؤں سے تعلقات

منصورہ کے حکمرانوں کے غیر مسلم راجاؤں کے ساتھ تعلقات جو پڑوس میں واقع تھے۔ دوستانہ اور برابر کی سطح کے تھے اور باہمی مفاہمت پر مبنی تھے۔ آپس میں وفدوں اور تحفوں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا ۔ کبھی کبھی شعراء طبیبوں اور علماء وفضلا بھی دونوں طرف آتے جاتے رہتے تھے۔ باہمی تجارت کے لئے دو طرفہ آمدورفت اور بغیر تعصب ہر قسم کی مراعات دی جاتی تھیں۔ عربوں کا وقار پڑوسیوں تک محدود نہ تھا بلکہ دوافتادہ ممالک مثلاً قنوج 'گجرات' سیون اور کرومنڈل کے ساحل سے بھی ایسے ہی تعلقات تھے۔ عربوں کا دستور تھا کہ مہمان تاجر یا مسافر جو مقامی باشندہ سے تعلق رکھتا ہو اس کی کم از کم تین دن مہمان نوازی کی جاتی تھی۔،

المنصورہ کے حکمران عبداللہ نے ایک مشہور شاعر کو الور کے راجہ مہروق بن رائق کے پاس بھیجا۔ یہ ۲۵۹ھ کا واقعہ ہے عمر بن عبدالعزیز حباری نے ایک پڑوسی راجہ کی فرمائش پر ایک عالم دین بھیجا جس نے اس کو قرآنی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ وہ راجہ مسلمان ہو گیا۔

المنصورہ کی فوج

منصورہ کے حکمرانوں نے ایک بڑی منظم فوج جمع کر رکھی تھی تاکہ اندرونی شورشوں اور بیرونی حملوں سے حفاظت ہو سکے اس فوج میں اسی (۸۰) ہاتھی تھے۔ ہر ہاتھی کے ساتھ پانچ صد پیادہ فوج تھی۔ اس طرح صرف پیادہ فوج کی تعداد چالیس ہزار ہوتی تھی۔ اس سے ہمسایہ غیر مسلم حکومتوں پر رعب قائم رہتا تھا۔ اور بیرونی حملوں سے حکومت منصورہ محفوظ رہتی تھی۔

اندرونی شورشیں خود عربی قبائل کی بنوامیہ اور بنو عباس کے دور میں رہتی تھیں لیکن حباری خاندان کی انتظامی قابلیت اور فوج کے رعب سے دبی رہتی تھی۔

اس دور کے آخری سالوں میں البتہ فاطمی شیعوں کے اثر سے پھر قبائلی تعصب کو ہوا دی گئی اور وہ شیعیت سے متاثر ہوئے اسی بنائر پر محمود غزنوی نے ۴۱۶ھ میں اسے حملہ کر کے فتح کر لیا۔

اکثر اندرونی شورش جاٹوں اور میدوں کے لوٹ مار کے واقعات سے ہوتی تھی جو وہ زرخیز علاقوں پر کیا کرتے تھے لیکن ایک بڑی اور منظم فوج کی وجہ سے ان سے بھی امن ہو گیا۔

ملتان کی حکومت پر بیرونی حملے ارد گرد کے راجے کرتے تھے۔ وہ ایک ترکیب کرتے تھے لیکن جب حملہ ہوتا تو مسلمان۔ مشہور مندر کا بڑا بت دونوں فوجوں کے درمیان میں نکال کر رکھ دیتے اور حملہ آوروں کو دھمکی دیتے کہ ہم یہ بت توڑ دیں گے۔ اگر تم واپس نہ گئے۔ اس پر وہ واپس چلے جاتے۔ اور ملتان محفوظ رہتا۔

حفاظتی قلعے

اپنی حفاظت کے لئے عربوں نے کچھ قلعے بھی تعمیر کر لئے تھے۔ چند ایک قلعے مشہور تھے۔ جہاں یہ اس وقت پناہ لیتے جب دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو۔

حکمت عملی

سندھ پر اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لئے عمر بن عبدالعزیز بڑی حکمت عملی سے کام لیتے تھے۔ مزاریوں اور یمنوں میں جو مخالفت چلی آ رہی تھی اس سے عہدہ برآ ہونے میں بھی وہ کامیاب ہو گئے عباسی خلفاء کے ساتھ بھی تعلق برقرار رکھا۔ خلیفہ المعتمد کے بھائی جس کو خلیفہ نے مشرقی ممالک سندھ سمیت حکمران کے طور پر ۲۶۱ھ میں سونپ دیئے تھے اس کے ساتھ بھی انہوں نے سمجھوتہ کر کے سندھ کی حکمرانی حاصل کر لی۔

اسی طرح یعقوب ابن لیث السفاری کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کو مشرقی ممالک سندھ مع سیستان خراسان 'فارس اور دوسرے مشرقی ممالک' خلیفہ معتمد عباسی نے حکمرانی کے لئے دے دیئے تھے۔

عباسیوں کے زوال کے دوران خلیفہ کے نام کا خطبہ جمعہ میں لیا جاتا تھا تاکہ ان کے ساتھ تعلق قائم رہے۔ اسی طرح شیعی حکومت کے ساتھ بھی' جب انہوں نے بڑی قوت حاصل کر لی۔ تعلقات بذریعہ سفیر قائم کر لئے گئے تاکہ وہ ان پر حملہ آور نہ ہوں حباری حکمرانوں نے ان کا سکہ بھی کچھ ترمیم کے ساتھ مملکت المنصورہ میں رائج کر دیا تھا۔

المنصورہ کے حکمران غیر مسلم رعایا کو بھی ان کے رسم و رواج اختیار کر کے ان کو

خوش رکھتے تھے۔ المنصورہ کے حکمرانوں کا لباس بھی غیر مسلم راجاؤں کے لباس سے ملتا جلتا تھا۔ سر کے بال زیادہ بڑھا لیتے تھے۔ اور ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنتے تھے غیر مسلم ان کو مہاراج کہہ کر پکارتے تھے۔

تمدنی اور ادبی سرگرمیاں

سندھ میں عربوں کی آمد سے ایک نیا تاریخی دور شروع ہوا۔ جس میں مسلمانوں کے تہذیب و تمدن اور علم و آداب کے فروغ میں بہت ترقی ہوئی اور آئیندہ کے لئے مسلم کلچر کی بنیاد بنا۔ سندھ پر مسلم حکومت کے دوران فاتحین نے دمشق بغداد اور مسلمانوں کے دوسرے مراکز سے تعلقات قائم رکھے۔ جس سے علم کی کرنوں نے آئیندہ ہندوپاکستان کو منور کیا۔ سندھ اس لحاظ سے باب الاسلام بنا جس سے اسلامی روشنی برصغیر میں داخل ہوئی۔

سندھ میں علماء کے طبقہ نے اسلامی تہذیب اور تمدن وسائنس اور دوسرے علوم میں ایسے منفرد اضافے کئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ اور یہ مسلمانوں کی اس عمومی ترقی کا حصہ بنے جو مسلمانوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں کی، جس کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

بنو امیہ کے دور میں مشرقی علوم کی طرف کم توجہ کی گئی کیونکہ ان کے ذہنوں میں زیادہ تر یونانی اور رومی علوم کی طرف توجہ رہی۔ اس دور میں اندرونی بدامنی نے سکون کا سانس نہ لینے دیا عباسیوں کے دور میں جب عراق میں ان مشرقی علوم کی طرف توجہ دی گئی۔ تو تمام ملک سندھ میں بھی امن قائم ہوا لیکن پھر خود عربی قبائل یمنی اور مزاری آپس میں برسرپیکار ہونے لگے تو لٹریچر اور کلچر کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی۔

بنو امیہ کے دور میں عرب لوگ قدیم باشندوں سے الگ تھلگ کالونیوں اور بستیوں میں رہتے تھے اور ان سے میل ملاپ کی انہیں اجازت نہ تھی۔ لیکن مسجدوں میں قرآنی علوم اور اسلامی قانون پڑھائے جاتے تھے جہاں عرب اور مقامی دونوں ان سے فیض یاب ہوتے تھے اور تعلیم کے مراکز ہر جگہ مسجدیں ہی رہیں اور یہیں سے علمی اور ادبی روشنی پھیلتی رہی۔ علم کے لئے جو تڑپ اسلام نے پیدا کی تھی۔ اس نے انہیں نہ صرف یونانی' مصری ایرانی اور ہندی علوم کے حصول کے لئے گرمایا بلکہ اپنی طبع زاد غور و فکر کی بدولت ان میں کافی ترقی کا موجب بنے۔

عباسی دور میں فیاضانہ سرپرستی سے شواء اطباء ریاضی دان 'ماہرین فلکیات'

آرٹسٹ بغداد کے مرکز میں ہوتے۔ اورایک دوسرے سے استفادہ کرنے کے بعدبہت سی نئی ایجادوں کا موجب بنے۔ اسی دوران فارسی اور ہندی خصوصا سندھی زبان میں علومتراجم کے ذریعے اسلامی دنیا میں پھیلے۔مشہور افسانہ کلیلہ دومنہ دراصل ہندی مآخذ سے ہی لیا گیاتھا۔

تمدنی اور ادبی سرگرمیوں کے فروغ میں سندھی علماء کا کردار صف اول کے لیڈروں میں ہوتا تھا اور ہر قسم کے سائنسی اور دوسرے علوم کے پھیلاؤ میں ان سندھی مسلمانوں کا ایک نمایاں حصہ ہے۔ عربی لٹریچر میں ابو عطاء السندھی اور ابوضلع السندھی کا نام غیر فانی شمار کیا جاتا ہے۔ چند نام درج ذیل ہیں۔

(۱) ابو عطاء السندھی' کا اصل نام افلح ابن یاسر تھا۔ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد یاسر سندتی بیان کیئے جاتے ہیں۔ یہ پہلے بنوامیہ کے قصیدہ گو تھے۔ عباسیوں نے انہیں نظرانداز کیئے رکھا۔ وہ عربی لٹریچر میں صف اول کے شعراء میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

(۲) ابوضلع السندھی' دوسرا سندھی جس نے عربی لڑیچر میں بڑا نام پیدا کیا۔ ابوضلع سندھی تھا۔ یہ بڑا سیاح تھا اورفی البدیہ شعرکہتا تھا۔ یہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید کے زمانے میں تھا۔ اپنی ایک نظم میں اس نے ہندوپاک کی عظمت' پیداوار وغیرہ اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اس کی بڑائی کا نقشہ کھینچا ہے۔

(۳) الاوزاعی'یہ اپنے زمانے کے بڑے بلند پایہ قاضی اورمحدث تھے۔ ان کا شام اور اندلس میں فتوی چلتا تھا۔ وہ بڑے مقرر تھے اوران کا شمار حدیث کے بڑے ماہرین میں ہوتا تھا۔ انہوں نے بڑے رسالے لکھے جواب نایاب ہیں۔ اپنے وقت کے امام تسلیم کیے جاتے تھے۔ یہ سندھ سے بطور غلام شام میں مقیم رہے اور ذاتی قابلیت اور اسلامی اخوت نے ان کو یہ نام دلوایا۔ ان کی

وفات بیروت میں ۷۵۱ء میں ہوئی۔

(۴) ابومعشر السندھی' ان کا نام نجیح ابن عبدالرحمٰن ابومعشر تھا' اورسندھی غلام تھے۔ جن کوخلیفہ منصورعباسی کی بیٹی ام موسی نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ یہ ہشام ابن عروہ ابن العوام کے شاگرد تھے اورعلم حدیث میں خصوصاً مغازی میں بڑا نام پایا۔ عباسی خلیفہ المہدی کی دعوت پر بغداد آئے۔ ان کو ایک ہزار اشرفی ماہوار پنشن دی گئی۔ وفات ۱۸۰ء میں بغداد میں ہوئی۔

(۵) ابونصر سندھی' ابتداء میں وہ سندھی غلام تھے۔ جو آزاد کردیئے گئے۔ پورا نام ابونصر فتح السندھی تھا۔ انہوں نے اسلامی علوم اور قانون اسلامی ابی علی الثقفی سے حاصل کئے۔ زبان میں لکنت کی وجہ سے تقریر کی بجائے عالمانہ انداز اختیار کیا۔ متحمل مزاج اور عقل تھے۔

(٦) ابومحمدالسندھی' ابو محمد ابن سلیم السندھی بہت بڑے محدث اور اسلامی علوم کے ماہر تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے اکتساب علم کیا۔
وہ عباسی خلیفہ المتوکل کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ۲۳۱ء میں وفات پائی۔

(۷) احمد ابن محمد المنصوری آپ بہت بڑے جج تھے۔ علم حدیث کے ماہر تھے۔ انہوں نے علم الحدیث پر ایک رسالہ "کتاب النیر" لکھا تھا۔

(۸) قرآن مجید کا پہلا سندھی ترجمہ

عجائب الہند کے مصنف کے بیان کے مطابق عبداللہ بن عمرالجبار کے عہد حکومت میں ایک پڑوسی ملک کے راجہ مہروک ابن رائق نے عبد

سے فرمائش کی کہ اس کے پاس کوئی ایسا عالم دین بھیجے جو اسے اسلامی تعلیمات کی وضاحت کر کے بتائے۔ چنانچہ اس کے پاس ایک ماہر لسانیات شاعر کو بھیجا گیا جو اسے قرآن پاک کا سندھی زبان میں ترجمہ کر کے سناتا رہا۔ سورۃ یسین کی تلاوت کے دوران راجہ بے خود ہو کر تخت سے اترایا۔ زاروقطار روتے ہوئے تاج پھینک دیا اور دل سے مسلمان ہو گیا۔ اس نے علیحدہ مکان بنوایا جہاں وہ عبادت کرتا رہا وہ واقعہ ۷۰ء کا ہے۔

ان علماء کے علاوہ قاضی اور قاضی القضاۃ سب عالم اور ماہر اسلامی قانون ہوتے تھے۔

فلاحی سرگرمیاں

ہند کی ریاستوں میں سب سے پہلے اسلامی اور عربی تہذیب وتمدن سے متاثر ہونیوالاملک صرف سندھ ہی تھا کیونکہ ۹۳ء میں جب سے یہ ملک فتح ہوا گورنروں دمشق اور بغداد سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا۔ بنو عباس کے دورخلافت میں تو عربی علماء سندھ میں آنے لگے اور سندھ کے عالم اور حکیم بغداد میں طلب کر لئے جاتے تھے۔ باہمی میل ملاپ سے دونوں تہذیبیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئیں' اور اسلامی تہذیب کا سندھ نے سب سے زیادہ اثر قبول کیا۔ کتابوں کے تراجم بھی ہونے لگے۔ یہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ علوم کے تبادلے ان تراجم کی مدد سے ہونے لگے۔ اہل علم ان سے استفادہ' کر کے نئی ایجادات کے موجب بنے۔

بہت بڑے سائنسدان الخوارزمی نے فائدہ اٹھا کر جبر ومقابلہ کا علم پہلی دفعہ ایجاد کیا۔ فلکیات کے علم نے اسی ایجاد کی بدولت بہت ترقی کی اور بعد میں آنیوالے سائنسدانوں کے لئے مشعل راہ بن گیا۔

علامہ خوارزمی کی تیارکردہ فلکیات کی جدولیں بھی اسی علم کی مرہون منت ہیں۔ عربی گنتی اسی سے بنی جو مغربی دنیا میں بھی بعد میں رائج ہوئی۔

سندھی علماء نے جواضافے میڈیکل' فلاسفی' فلکیات' ریاضی جغرافیہ وغیرہ علوم میں کیئے۔ وسطی دنیا کے سائنیسدان اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

زراعت

عربوں کی حکومت کے دوران ملک سندھ بڑا خوشحال ہو گیا تھا۔ آبپاشی کے لئے نہریں کھودی گئیں۔ خود عرب کھیتی باڑی کے فن سے مقامی باشندوں سے زیادہ واقف تھے۔ کنوئیں بھی حسب ضرورت کھدوائے گئے۔ ہلکے ٹیکس عائد کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ تمام خالی زمینیں آباد ہو گئیں اور غلے اور دیگر فصلوں کی فراوانی ہو گئی۔ تمام ملک اس سے خوشحال ہو گیا۔ حباریوں کے دور میں سندھ میں امن امان رہا۔ اگرچہ اس وقت باقی اسلامی دنیا میں ہر طرف شورشیں برپا رہتی تھیں۔ تمام ملک میں غلے' سبزیوں کے کھیت' باغات اور درخت ہی نظر آتے تھے۔ گویا سندھ جنت نشان بن گیا تھا۔ گنے کی کاشت اھل سندھ کا مرغوب مشغلہ تھا۔ جس سے دیسی چینی بنا کر کافی مقدار میں بیرونی ملکوں کو بھیجی جاتی تھی۔ اسی طرح باغات میں ہر قسم کے میوے لگائے جاتے تھے۔ آم اور لیموں بہت افراط سے ہوتے تھے اور بہت ارزاں تھے۔

تجارتی اشیا

عربوں نے عرب دنیا اور مغربی ملکوں سے اور مشرق میں گرم مسالہ پیدا کرنے والے ملکوں مثلاً انڈونیشیا' ملائشیا' فلپائن' سیلون وغیرہ سے تعلقات قائم کرر کھے تھے۔ سندھ کی فتح کے بعد تو ان کے تجارتی قافلے باقاعدگی سے مسلسل رواں دواں رہتے تھے۔ کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا جس سے تجارتی اشیاء کے باہمی تبادلے ہوتے تھے۔ خود سندھ میں بعض چیزیں باافراط تھیں۔ مثلاً خس' تلواریں' کافور' لیموں' آم اور نیل جن کی بیرونی مغربی منڈیوں میں بڑی مانگ تھی۔ یہی نہیں بلکہ کچھ کاٹھیاواڑ' اور گجرات وغیرہ کو ان کی تجارتی اشیاء کے بدلے بھیجی جاتی تھیں۔

اس وسیع سلسلہ تجارت کی وجہ سے بیرونی اشیاء سندھ میں ارزاں ملتی تھیں۔

جانوروں کے ہسپتال

عرب چونکہ صحرائی جانور اونٹ کے ذریعے اپنی تجارت کرتے تھے'اس لئیے وہ جانوروں کے علم الاعضاء ان کی بیماریوں اور علاج میں بڑی

دلچسپی لیتے تھے۔ گھوڑا ان کا جنگ میں بڑا کام آنے والا جانور تھا۔ ان کی نسلی پرورش کے لئے الگ تھان بناتے تھے۔ تاکہ نسلی جانور تیار ہوتے رہیں۔ سندھ کا اونٹ جس کا نام بخاری رکھا تھا۔ شہزادوں اور امراء کے ہی کام آتا تھا۔ گھوڑے سندھ سے باہر بھی بھیجے جاتے تھے۔ ہاتھیوں کو سدھانے میں دلچسپی بھی لیتے تھے۔ فوج میں انہوں نے اسی ہاتھی جمع کر لئے تھے۔ جنگ ان ہاتھیوں کے حملے سے شروع ہوتی تھی۔ بھینس بھی ان سندھیوں کا چہیتا جانور تھا۔ یہ باہر عرب کو بھی بھیجی جاتی تھیں۔ عرب پولٹری فارم بھی بناتے تھے اور مرغیوں کی پرورش کرتے تھے۔ یہ باافراط ہوتی اور باہر بھی بھیجی جاتی تھیں۔

پبلک ورکس

عرب سڑکیں، پل بند باندھتے، کنوئیں تالاب وغیرہ تیار کرتے تھے۔ ملک میں خوشحال کا دور دورہ تھا۔ وہ سڑکوں کے مناسب فاصلوں پر سرائے تعمیر کرتے جہاں خوراک مفت دی جاتی تھی۔

عربوں نے ایک چابک روڈ ڈاک کا انتظام کر رکھا تھا تعلیم کے لئے انہوں نے مدرسے قائم کئے ہوئے تھے۔ جو تمام مملکت المنصورہ میں قصبات میں موجود ہوتے تھے۔ المنصورہ میں ایک عظیم الشان درس گاہ موجود تھی۔

المنصورہ کے کھنڈرات میں بھیرو کی مسجد کا گنبد بھی ملا ہے۔ اور بھنبور کی مسجد زمین کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہے۔

پانچواں باب

ارائیوں کے متعلق دوسرے نظریات

بعض گمراہ کن غلط اور ثبوت سے خالی ہیں۔

اس باب میں ہم بعض دوسرے نظریات اور بعض گمراہ کن اور غلط تصورات پر دلائل پیش کرینگے تاکہ ارائیں برادری کے متعلق جو صحیح نظریہ ہم پہلے صفحات میں پیش کرچکے ہیں پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجائے۔

انتہائی گمراہ کن ۔ کہ ارائیں یہودی ہیں

اپریل ۱۹۶۲ء کے سندھی ہفت روزہ ''خادم وطن'' (میرپورخاص) کے ایک شمارہ میں محمد حنیف مہر کا چیلوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ارائیں چونکہ سبزیاں اگاتے ہیں اور سبزیوں کا مطالبہ یہودیوں نے کیا تھا اس لیئے ارائیں یہودی النسل ہیں۔ دراصل یہی مضمون'' تاریخ قوم ارائیں کی ترتیب کامحرک تھا۔ جسے پڑھکر میں نے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اس نظریہ کا کھوکھلا پن اور اس دعوی کی دلیل کو بودا ثابت کے لیئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے قرآن مجید سے اس واقعہ کی تفصیل ڈھونڈھ کر قارئین کی نذر کریں تاکہ اس کا تاریخی منظران کے سامنے رہے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اور ان کی اولاد اسرائیلی کہلاتی ہے۔ انہیں یہودی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد جب مصر میں قبطیوں کا زور بڑھ گیا۔ اور اسرائیلی کمزور ہوتے چلے گئے تو انہیں غلام بنا لیا گیا اور ان سے بیگارلی جانے لگی۔ یہ غلامی اس قدر سخت تھی کہ ان کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ چنانچہ وہ مدتوں تک ظلم وستم کی چکی میں پستے رہے۔ حتی کہ حضرت موسی علیہ السلام مبعوث ہوئے اور ان کی زیر سرکردگی اللہ تعالے نے اس مقہور قوم کو مصریوں سے نجات دلائی۔ جب یہودیوں کایہ قافلہ جس کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ مصر سے

ہجرت کرکے صحرائے سینا پہنچا تو وہاں پانی اور خوراک کی قلت کا سامنا کرناپڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے دھنیے کے دانوں کیطرح چھوٹے چھوٹے دانے برسائے جو شہد کی طرح میٹھے اور دودھ کی طرح سفید تھے۔ ان کو من کہتے تھے۔ صبح صبح اہل قافلہ خیمہ سے باہر نکل کر انہیں چن کر کھالیتے تھے۔ رات کو بٹیر کی طرح کے جانوروں کے غول اڑتے ہوئے آتے اور ان کے خیموں میں گھس جاتے تھے' وہ لوگ ان جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ یہ جانور سلویٰ کہلاتے تھے۔

جب گھر بیٹھے بٹھائے کافی عرصہ تک من وسلویٰ کھاتے رہے تو بجائے شکر گزاری کے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر دیا۔ کہ اے موسیٰ! اپنے خدا سے کہو کہ ترکاری' ککڑی' گیہوں' مسور اور پیاز وغیرہ جو نباتات زمین سے اگتی ہیں' ہمارے لئے پیدا کرے' مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم ایسی عمدہ چیزیں چھوڑ کران کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو اور اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں تو کسی شہر میں جااترو۔ وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا۔ آخر کار ذلت ورسوائی اور محتاجی وبے نوائی ان سے چمٹا دی گئی۔ اور وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یعنی نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

قرآن مجید کے الفاظ میں بس یہ واقعہ تھا جس میں من وسلویٰ کی بجائے یہودیوں نے سبزیوں کا مطالبہ کیا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے کفران نعمت اور سرکشی کے بدلے ان پر اپنا غضب نازل کیا اور وہ صدیوں تک تباہ وبرباد ہوتے رہے ان کی مزید نافرمانیوں اور تباہیوں کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے تاکہ دوسری قومیں ان سے عبرت پکڑیں۔

ہمارے مذکورہ مقالہ نگار نے صرف سبزیوں کا نام پڑھکر فورا یہ اندازہ لگا لیا کہ ہو نہ ہو ارائیں ہی وہ مبغوض قوم ہو گی جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ لغزش انہوں نے صرف "سبزیوں کی وجہ سے کھائی حالانکہ اگر وہ ذرا سوچتے اور گردوپیش کا مشاہدہ کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ سندھ میں ہندوؤں کی ایک قوم مالی اور اکثر بھیل' کوہلی بھی سبزیاں لگاتے ہیں اب

مقالہ نگار کے اصول کے مطابق انہیں بھی لامحالہ یہودی ہی ہونا چاہیئے تھا۔ پھر یہ خصوصیت ارائیوں تک ہی کیوں محدود رہی' یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ محض سبزی کا نام سنکر ہر سبزی لگانے والے شخص پر یہودیت کا لیبل چسپاں کردیا جائے' خواہ وہ راجپوت' پٹھان اور جاٹ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی کم وبیش سبزیاں لگاتے ہیں اور کھاتے تو سبھی ہیں آخر یہودیوں سے پہلے بھی تو لوگ سبزیاں اگاتے تھے۔ پھر وہ لوگ کون تھے؟

یہودی جہاں کہیں ہو گا سود کا کاروبار بڑے دھڑے سے چلائے گا۔ گویا سود اور یہودیت دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اس حقیقت سے بھی اغماض نہیں کیا جاسکتا کہ خاندانی خصائص پشتوں تک چلتے ہیں اور کوئی نہ کوئی امتیازی خصوصیت ان میں ضرور باقی رہتی ہے۔ اب اگر ارائیں واقعی یہودی النسل ہیں تو ان میں کچھ نہ کچھ سود خوری کا اثر باقی ہونا چاہیئے۔ مگر یہ بات دعوی سے کہی جاسکتی ہے کہ ارائیوں میں اور کمزوریاں یا خرابیاں بے شک ہوں تو ہوں مگر ان میں سود خوری کی لعنت کا شائبہ تک موجود نہیں اور کبھی مثال کے طور پر بھی آپ کسی ارائیں کا نام نہیں لے سکتے۔ جو سود لیتا ہو' حالانکہ ان کی ہمسایہ قومیں اکثروبیشترچوری چھپے بلکہ اعلانیہ بھی سودی کاروبار کرتی ہیں۔ غرض جب یہودیوں کا قومی کردار سودخوری ہے تو ہم کیسے باور کرلیں کہ ارائیں یہودی النسل ہیں۔

(۲) آرین نسل؟

نظریہ نمبر ۲ کے مطابق آرین ہیں اوراسی بناء پر جرمنی میں ان سے امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں جو طلبہ یا تاجر جرمنی میں جاتے ہیں' ان کا بیان ہے کہ انہیں وہاں آرین سمجھ کر بڑی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ جرمن خود آرین ہیں۔ مگر اس غلط فہمی کی وجہ صرف دونوں ہجوں اور تلفظ کا اشتراک ومماثلت ہے۔ یعنی ارائیں اور آریں۔

چونکہ آریائی قومیں قدیم ترین قوموں سے زیادہ متمدن اور شائستہ تھیں۔ لہذا جرمنوں کو اپنے آریا ہونے پر بہت ناز ہے۔ مگر آریاؤں کی قدامت اور ارائیوں کو آریا ثابت کرنا محض تضیع اوقات اور دور کی کوڑی لانے کے

مترادف ہے۔ اور چونکہ ہماری تحقیقات میں آرین نہیں ہیں۔ لہذا اس پر بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ نیز ہندوستان کی تاریخ سے شغف رکھنے والے احباب آریاؤں کی پیش قدمی اور آرائیوں کی نقل مکانی کے فرق سے بخوبی واقف ہیں جس کا ذکر ہم اپنی کتاب کے آئندہ صفحات میں کریں گے۔

بعض احباب کو ایک اور غلط فہمی ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جرمنی کے گنجان ترین صنعتی علاقہ رائن کے رہنے والے لوگ جب زمانہ قدیم میں ہندوستان میں وارد ہوئے تو ارائیں یارائنٰ کہلائے۔ مگر یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہہ دیا جائے کہ مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے اہل یورپ کی مشرق میں آمد کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(۳) ایرانی النسل؟

نظریہ نمبر ۳ کے مطابق ارائیں کو ایرانی ہونا چاہیے اور اس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ قدیم فارس (موجودہ ایران) میں رائین اور پریزیر کی وادیاں اپنے تاکستانوں اور کثرت شراب کی وجہ سے مشہور تھیں۔ وہاں کے لوگ اٹھکر ہندوستان میں آگئے اور رائیں یاارائیں کہلانے لگے۔ یایہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایرانی کا لفظ بگڑکر اور پنجابی لہجے کے مطابق ارائیں ہو گیا ہوگا۔

مگر یہ دونوں دلیلیں بودی ہیں کیونکہ رائین وادی سے اٹھ کر آنیوالے لوگ اہل رائین اوررائینی تو کہلاسکتے ہیں۔[1] جیسے ایران سے ایرانی، تاتار سے تاتاری وغیرہ مگر رائیں نہیں کہلا سکتے۔

ایرانی کا لفظ بگڑکر ارائین ہو جانا اگرچہ قرین قیاس ہے مگر ایران میں لوگ عموماً اپنے نام کے ساتھ پیشہ بھی لکھتے ہیں اور ارائیں کوئی پیشہ نہیں ہے۔ راعی تو بیشک حاکم یا چرواہوں کے معنی میں آتا ہے مگر یہ عربی لفظ ہے اور اس کا استعمال فارسی زبان میں کسی قوم کی نمائندگی کرنے کے لیے کبھی نہیں ہوا ہے۔ گو اس کے نام کے ساتھ راعی کا لفظ مستعمل تھا مگر وہ ذات کا ارائیں نہ تھا بلکہ کسی کام کی خصوصیت کی وجہ سے راعی کہلاتا تھا۔ چنانچہ بحرین کے علاقہ میں راعی کے معنی صاحب والا کے ہیں جیسے راعی البوسط یعنی پوسٹ ماسٹر۔

تیرارائیوں اور ایرانیوں کے رسم ورواج اور مسلک میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے۔ ایرانی شعیہ مسلک کے لوگ ہیں۔ مگر ارائیں اہل سنت والجماعت ہیں۔

ایرانیوں کا درددہندوستان میں شمال مغرب کی جانب سے ہوا ہے اور وہ جنوب مشرق کی طرف بڑھتے گئے ہیں۔ مگر ارائیوں کی نقل مکانی مغرب سے شمال مشرق کی طرف ہوئی ہے۔ جس کا مفصل ذکرہم کسی دوسرے باب میں کریں گے۔ فی الحال ہم ڈنٹیل البسٹن مہتمم مردم شماری کی رپورٹ "مردم شمار ۱۸۸۱ء" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"قصہ کوتاہ اغلب ہے کہ ارائیں اصل میں جنوبی انڈس (سندھ) سے آئے اورپانچوں دریاؤں پر پھیل گئے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ارائیں شمال مغرب یعنی ایران کی طرف سے نہیں آئے۔ لہذا ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ارائیں ایرانی النسل نہیں ہیں۔

(۴) ہندی نژاد؟

نظریہ نمبر ۴ کے مطابق ارائیں ہندی نژاد ہیں اور اس کے ثبوت میں کافی دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔ ہم پہلے وہ ثبوت فراہم کرتے ہیں جو انھیں ہندی نژاد کہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اور پھر ان کا تاریخی جائزہ لیں گے۔

(ا) تاریخ قوم ارائیں کی تدوین کے سلسلہ میں جناب پروفیسر محمود عباسی[ؒ] صاحب سابق ہسٹری ڈیپارٹمنٹ علی گڑھ یونیورسٹی اور مصنف "حقیقت قوم کمبوہ" راقم کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۶۳ء میں لکھتے ہیں:۔

جناب من۔ مجھے کسی ایسی کتاب کا نہ کوئی علم ہے جس میں الراعی قوم کا حال یا نسب درج ہوا ورنہ قبائل عرب میں کوئی قوم یا قبیلہ قوم الراعی نام کاتھا اور نہ محمد بن قاسم ثقفی کے ساتھی عرب مجاہدین میں کسی الراعی قبیلہ کا کوئی شخص شامل تھا۔ رائیں یا ارائیں ہندی قوم ہے۔ شریف اور کثیرالتعداد ان میں اہل علم وصاحبان وجاہت اشخاص ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب اور یوپی میں

ا) موصوف کاانتقال ہو چکا ہے

متعدد مقامات پر ان کی آبادی ہے۔ سابق کاشتکار پیشہ یہی ہیں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

اس مراسلہ میں جب راقم الحروف نے ارائیوں کے ہندو ہونے کا پڑھا تو فرط استعجاب سے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ ساری عمر نہ کبھی کسی ہندو ارائیں کو دیکھا تھا نہ کبھی کسی سے یہ بات سنی تھی۔ اس لئے مزید وضاحت کی خاطر جناب پروفیسر محمود عباسی صاحب کو لکھا گیا تو انہوں نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۶۳ء میں لکھا:۔

"جناب چوہدری صاحب، بجواب استفسار عرض ہے کہ یوپی کے مختلف اضلاع، بریلی، پیلی بھیت رام پور اور مرادآباد میں رائیں یا ارائیں قوم کے لوگ آباد ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ بعض لوگ کمبوہ قوم سے ان کا نکاس بتاتے ہیں۔ ان میں بہت سی شاخیں ہیں۔ شاید پچاس سے زائد کمبوؤں میں بھی ہندو، مسلمان اور سکھ مذہب کے لوگ شامل ہیں۔

ارائیوں کی بڑی تعداد تو پنجاب میں ہے۔ روائتوں میں اوچ کے علاقہ سے ان کا نکاس بتایا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت میں کوئی راجہ بھوٹا تھا۔ اس کی اولاد بھوٹا رائیں کہلائی۔ بلکہ ایک کبت بھی مشہور ہے کہ محمود غزنوی سے لڑکر اور بیٹی بسنتی نہ دے کر اوچہ سے نکلے کبت کے الفاظ یہ ہیں:۔

اوچہ نہ دینا بھوٹیاں چتا بسنتی نار
دانہ پانی چک گیا چابن موتی ہار

بعض کہتے ہیں کہ ارائیں راجپوتوں ہی کی ایک شاخ ہے جو کاشتکاری پیشہ کی وجہ سے راجپوتوں سے الگ ہوگئے۔ عربی قبائل سے اس قوم کا کوئی تعلق نہیں ہے اور سلیم الرائی کسی قبیلہ عرب کے سردار کا کہیں کھوج نہیں لگتا ہے۔ ہندوستان میں صدہا قومیں باہر سے آئیں اور مرورزمانہ سے یہاں کی قوموں میں گھل مل گئیں۔ ہندوستانی قوموں کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے آپ کو ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے جن میں مختلف اضلاع کی مقامی روائتوں اور کہاوتوں کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔

ضلعی گزیٹرز کی رپورٹیں

(۲) ہر ضلع کے گزٹیئر دیکھنے سے اس نظریہ کی تائید میں کئی شہادتیں ملتی ہیں۔ ہم سلیم التواریخ کے حوالہ سے بہت سے گزٹیروں کے اقتباسات درج کرتے ہیں:۔

ہوشیار پور گزٹیئر

"ارائیوں اور سینیوں کی ظاہر" ایک اصل ہے۔ ارائیں مسلمان ہیں اور سینی ہندو۔

لاہور گزٹیئر

"وہ قوم جو قدرت نے زمینداری اور کاشتکاری کے لائق بنائی ہے وہ آرائیوں کی قوم ہے۔ وہ قریبا" سب مسلمان ہیں، اگرچہ تحصیل چونیاں میں ایک یا دو ہندوانی گاؤں ہیں۔ کہتے ہیں وہ اور کمبوہ (جو قریبا سب ہندو میں ہیں، ایک قوم کی نسل ہیں۔"

ڈینٹل البسٹن سابق لیفٹینٹ گورنر پنجاب و مہتمم مردم شماری نے اپنی رپورٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء میں لکھا ہے:۔

"ارائیں قوم پنجابی ہے اور سینی قوم ہندوستانی۔ ارائیں سوائے چند قبیلوں کے باقی سب مسلمان ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصل پنجابی قوم ہے جو ملتان کے علاقہ سے آئی ہے۔"

(۳) جناب منشی محمد ابراہیم صاحب محشر انبالوی اپنی کتاب "آل ذورعین" مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ "شاہان حمیری جو قحطانی النسل تھے۔ان میں زید الجمہور کا پوتا بریم ذور عین بہت مشہور ومعروف ہوا ہے۔ وہ ارائیوں کا مورث اعلی ہے۔ اس کے چچازاد بھائیوں میں حارث الرائیش نامی ایک شخص گزرا ہے جس کا زمانہ حیات اسلام سے قبل تقریبا دوہزارسال پہلے کا ہے۔ اس کے زمانہ میں آل ذورعین (یعنی ارائیں) ہندوستان میں حملہ آور ہوتی رہی اور پھر یہیں آباد بھی ہو گئی۔ جو لوگ ہندورہے یا ہندو ہوگئے۔ وہ ہندو ارائیں ہو گئے۔ اور

بھی ایسی غلط فہمی ہے۔ علاوہ اس کے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رائے کوٹ جنید کی طرف ہندوجاٹ کی ایک شاخ یا گوٹ (Subcaste) رائی یا رائے بھی کہلاتی ہے جس کو پنجابی لہجہ کے مطابق رائیں بھی بول دیتے ہیں ممکن ہے بعض کو اس اشتراک لفظ کی وجہ سے غلطی ہوئی ہو۔

اگر وہ چونیاں والا جتھہ اپنی اصلیت ثابت کرکے تصحیح نہ کراتا تو ہم کو زیادہ تحقیق کی تشویش ہوتی۔ اب ہم کو زیادہ تگ و دو کی ضرورت نہیں رہی۔ چونیاں والوں کی یہ دلیل قرین قیاس اور صحیح ہے کہ ہم سکونتی وہم پیشہ ہونے کے سبب ہمارا یہ نام پڑ گیا تھا۔ دیکھو حجام، بخار، بزاز، بقال، آہن گر، زرگر وغیرہ مسلمان ہیں مگر ان کے ہم پیشہ ہندوؤں کو بھی محض پیشے کی وجہ سے انہی الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

غور کرنا چاہئے کہ مردم شماری ۱۸۹۱ء سے مردم شماری ۱۹۰۱ء تک دس سال کے عرصہ میں مسلمان ارائیں دس لاکھ سے بہت کم ہوگئے۔ اب بجائے ترقی کے اتنا تنزل محض اتفاقی تو نہیں ہو سکتا۔ یہ کمی صرف اس غلطی کی تصحیح سے ہوئی جس کا ذکر ہم نے اوپر تحصیل چونیاں کے باشندگان کے حال میں کیا ہے۔

اس طرح اگر یہ باقی لوگ بھی اپنی غلطی سے واقف ہو گئے تو بجائے ڈیڑھ ہزار کے صفر رہ جائے گا۔

ہندو کاشتکاروں کا ارائیں کاشتکاروں کی آبادیوں میں رہ کر ارائیں مشہور ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تاریخوں میں ایسی مثالیں ہیں کہ ایک قوم کے آدمی غیر قوم میں دیر تک آباد رہنے سے اسی قوم کے نام سے مشہور ہوگئے۔ تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ خلجی ایک ترک قوم تھے مگر وہ مدت سے ان افغانوں میں آکر آباد ہو گئے تھے، جو سیوستان اور ہند کے درمیان رہتے تھے، اور اس سبب سے افغان یا پٹھان شمار کیئے جاتے تھے۔

رسالہ خلاصہ انساب میں ایک خاص فصل لکھی گئی ہے جس کا عنوان یہ ہے:۔

" احوال بعض سادات کے کہ مشہور بہ افغان شدند۔"

اس فصل میں سید محمد گیسو دراز اور سید محمد اسحاق کا ذکر کر کے ان کی اولاد سے کاکر، کرلانی، شیرانی، وغیرہ قوموں کا نام لیکر لکھتا ہے کہ

" پس ایں جمیع اقوام عظام مذکورہ دراصل سادات شریف النسب ہستند، اماسبب دوستی مع اھل افغانان وسکونت درایشاں شدہ مشہور بہ افغانان گردیدند۔"

ترجمہ:۔ یہ سب قومیں دراصل شریف نسب سادات ہیں۔ مگر افغانوں میں

رہنے اور ان سے میل ملاقات رکھنے کی وجہ سے افغان مشہور ہو گئیں۔

تاریخ فرشتہ میں خضرخان بن ملک خان کو صرف اس وجہ سے سید لکھدیا ہے کہ اس کے عادات واخلاق سادات کے سے تھے۔ اور وہ سیدوں میں رہتے تھے۔

قوم ارائیں میں دوبڑی شاخیں ملتانی اور سرسہ والی ہیں۔ ہندورائیوں میں یہ دو شاخیں ہرگز نہیں ہیں۔ وہ اور ان کے بھاٹ یا میراثی صرف سرسہ کی طرف سے ان کا آنا بیان کرتے ہیں۔ مگر سرسہ کی طرف سے تو اور بھی بہت سی قومیں آئی ہیں۔ اوچہ اور سندھ کا نہ وہ نام لیتے ہیں اور نہ ان کے بھاٹ۔

۱۹۱۱ء کے محکمہ مردم شماری کی رپورٹوں سے ایک کتاب پنجاب اور سرحدی صوبہ کی قوموں کے متعلق انگریزی زبان میں سرکاری طور پر تیار ہوئی تھی۔ جس کا نام ہے:۔

"A GLOSSARY OF THE TRIBES AND CASTE OF THE PUNJAB AND N.W.F.P VOL III-Z"

اس کے صفحہ نمبر ۲۷۱ پر ہندو رائیوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ ہم یہاں لکھدیتے ہیں جس سے رہا سہا شک وشبہ بالکل دور ہو جاتا ہے۔

"رائیں کے دو معنی ہیں۔ اول ارائیں۔ دوم جاٹوں کی ایک قوم جو ریاست جنید میں پائی جاتی ہے، منسارام ان کا سدھ ہے اس کا سمادھ بڑھیا میں ہے اور وہ چار روٹیاں اور کچھ میٹھی کھیر شادی کے موقع پر نذرانہ چڑھاتے ہیں اور ہر ماہ کی دوسری، دسویں اور پندرھویں کو گائے کا پہلا دودھ چڑھاتے ہیں۔ لدھیانہ ضلع میں بھی یہ لوگ ملتے ہیں۔ جہاں وہ شادی کے موقع پر جنڈی کے درخت کو کاٹتے ہیں اور اسکی شاخوں سے کھیلتے ہیں۔ اسے چھٹیاں کہتے ہیں۔"

ارائیں اور راجپوت

(۴) ارائیوں کے راجپوت نہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے ک
ارائیوں نے خود کبھی راجپوت ہونے کا دعوی ہی نہیں کیا۔ حالانکہ اس برصغی
میں راجپوتوں کو مافوق البشر بھی سمجھا گیا ہے۔ (یعنی اگنی کنڈ سے نکال
ہوئے) یہی وجہ ہے کہ جب نائی موچی، تیلی، جلا ہے، کمہار، میراثی اور بھرائ
وغیرہ موقع دیکھتے ہیں، فورا راجپوت کہلانا شروع کردیتے ہیں۔چنانچہ ۱۹۴
کے بعد جو ہمہ گیر ہجرت ہوئی ہے اس نے نقل مکانی کرنے والوں کو اپنی ذا
بدلنے کے تمام مواقع فراہم کر دیئے ہیں کیونکہ سابق برادریاں یا گاؤں نہی
رہے جہاں لوگ ان کی اصلیت سے واقف تھے اس لئے: انہیں راجپو
کہلانے کا موقع مل گیا اور ان گنت لوگوں نے اپنی ذات بدل کر دوسری ذا
کا لبادہ فخریہ اوڑھ لیا۔ مگر ارائیں وہ واحد برادری ہے جس کے کسی فرد
اپنی ذات نہیں بدلی اور نہ اس برادری میں کسی دوسری برادری کو کوئی فرد چ
دروازے سے داخل ہوئے ہے۔ اس برادری کو یہ شرف حاصل ہے کہ
اپنے نجیب الطرفین اور (PURE BLOOD) ہونے کا دعوی کرسکتی ہے۔

غرض جب ارائیں خود بھی ان حالات کے باوجود راجپوت کہلانا پ
نہیں کرتے۔ تو انہیں خواہ مخواہ راجپوت کیوں کہا جائے۔

(۵) یادرکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ جہاں قومیں نیا مذہب قبول کر
ہیں وہاں کچھ نہ کچھ جراثیم پچھلے مذہب کے بھی اپنے ساتھ لے کر آتی ہی
اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جب ایرانی اور رومی بکثرت مسلمان ہوئے تو انہ
نے نت نئی بدعتیں اسلام میں پھیلائیں ان گنت فرقے بنائے اور سید
سادھے مذہب اسلام کو ایسا گورکھ دھندابنا دیا کہ اس وقت سے لیکر آج
مسلمان ایک مرکز پر متحد نہ ہوسکے بلکہ ہزاروں فرقے بنتے رہے۔

ایرانیوں اور رومیوں کے مسلمان ہوجانے کے بعد پردہ
ازم، قیصریت، پاپائیت الوہیت اور امامت وغیرہ کے نظریوں نے کسی نہ کسی ط
اسلام کا لبادہ اوڑھکر اختلاف کو وہ ہوا دی کہ آج تک مسلمان ایک دوسر
خون بہانا ثواب سمجھتے ہیں۔ خلق قرآن کا فتنہ جس نے حضرت امام احم

جنبل جیسی بزرگ ہستیوں کو کوڑوں سے پٹوایا۔ خالص عجمی پیداوار تھا۔

خیر یہ تو تھیں دور کی باتیں، مگر جب ہم اپنی ہمسایہ قوموں کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی مذہب اور خاندانی خصائص کا کچھ نہ کچھ پرتو اب تک محفوظ رکھتی ہیں مثلاً راجپوتوں کے بہت سے فرقے بیوہ کے نکاح سے کتراتے ہیں۔ حالانکہ بیوہ سے نکاح ثانی کی ترغیب خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ سے دی ہے۔ اور قرآن کریم میں سورہ نور میں ارشاد ہے۔

"تم اپنی بیوہ عورتوں سے نکاح کردیا کرو۔"

صحابہ کرام کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مگران سب باتوں کے باوجود مسلمان راجپوتوں میں بیوہ کے نکاح ثانی کارواج بہت کم ہے اور یہی چیز انہیں دوسری قوموں سے ممیز کرتی ہے۔ اگر ارائیں راجپوت اور پابندی النسل ہوتے تو ان کے ہاں بھی کہیں نہ کہیں ایسی مثالیں ضرور ملتیں کیونکہ عصبیت اور نسلی امتیاز کے جراثیم کسی نہ کسی کونے کھدرے میں پرورش پاتے ہی رہتے ہیں۔

راجپوتوں میں برات سے پہلے ولیمہ دیا جاتا ہے حالانکہ ولیمہ نکاح کے بعد ہوتا ہے اور ارائیں نکاح کے بعد ہی ولیمے کی دعوت دیتے ہیں۔

ہم نے اس ضمن میں نکاح ثانی بیوگان کی مثال پیش کی ہے۔ ورنہ ہندی نژاد قوموں میں مسلمان ہونے کے باوجود کئی رسمیں اکثر ایسی ملتی ہیں جن پر شرک اور بدعت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اور جو عربی النسل مسلمانوں میں مفقود ہیں۔ اس ساری بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ارائیں ہندی نژاد نہیں ہیں۔

ارائیں ۔۔ رائی' رائے' اور راؤ

ہماری تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں جو لوگ رائیں کہلاتے ہیں وہ دراصل رائی ہیں اور سب راجپوت ہیں اور راجپوتوں میں رائے کا لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ سندھ میں باغبانی کرنیوالے ہندوؤں کی ایک قوم جو مالی کہلاتی ہے جو راجپوت ہے۔ چنانچہ انگریزوں کی طرف سے جن ہندوؤں کو اچھی کارکردگی پر کوئی خطاب ملتا تھا انہیں

"رائے صاحب" "یارائے بہادر" کہا جاتا تھا۔ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اور رائے بہادر بدری ناتھ لاہور کی مشہور ہستیاں تھیں۔ رائے راجو وہ ناظم راجپوت تھا جس نے حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور بعد میں رائے ہندی کے لقب سے مشہور ہوا۔ پرتھوی راج کو رائے پتھورا بھی کہتے ہیں یہی لفظ مسلمان راجپوتوں میں راؤ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

راؤ فرمان علی خان مشہور شخص ہیں۔ یہی لفظ کبھی کبھی رائی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور رائی پنجابی لہجہ میں بگڑ کر ارائیں بن گیا ہے۔ حالانکہ ہندو ارائیں دراصل رائی یارائے ہیں اور راجپوت ہیں۔

مسلمان ارائیوں کی آبادی کا ایک مشہور خطہ سرسہ کے علاقہ میں "بارہ ارائیاں" کے نام سے مشہور تھا۔ اس طرح جہاں راجپوت زیادہ رہتے ہوں گے وہ موضع رائیاں مشہور ہو گیا ہو گا جس طرح سندھ کے علاقہ میں گاؤں زیادہ تر کسی بڑے آدمی کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں یا اس ذات پر ان کا نام پڑ جاتا ہے جس ذات کے لوگ اس میں زیادہ آباد ہوں۔ جیسے طیب تھیم یا وسان گوٹھ اسی طرح رائن (رائے کی جمع) کے مشہور ہیں۔ ان گاؤں میں بسنے والے یا وہاں سے نکل کر دوسری جگہ آباد ہونیوالے لوگ رائی اور پنجاب میں نون غنہ کا استعمال زیادہ ہے جیسے گائے سے گائیں اور دہی سے دہیں وغیرہ۔

راقم کا ایک ہم جماعت جگدیش چند رائی تھا جس نے مشن سکول پالم پور ضلع کانگڑہ سے راقم کے ساتھ ۱۹۳۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ وہ ریاست منڈی سکیت کا رہنے والا تھا جو پالم پور سے غالباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سے جب رائی اور رائیں کے لفظ پر بحث ہوئی تو اس نے بتایا کہ ہم لوگ راجپوت ہیں اور ڈوگر کٹوچ اور راجپوتوں کی نسبت ہماری تعداد کانگڑہ میں کم اور منڈی سکیت میں زیادہ ہے۔ اس نے نہایت وضاحت سے بتایا تھا کہ رائی ہماری گوت یا (Sub Caste) ہے اور ہم رائیں یا ارائیں ہرگز نہیں ہیں اور یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندو رائی اور مسلمان ارائیں کے تمدن اور معاشرت میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں ہے۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ انکشاف اس وقت ہوا جب راقم کو ۲۹ اپریل ۱۹۶۷ء کو سردار احمد علی صاحب صدر انجمن ارائیاں پاکستان نے اپنا شجرہ نسب دکھایا اس میں بارہویں پشت میں ایک آدمی کے سامنے لکھا ہوا ہے کہ اس نے ریاست منڈی سکیت سے آگے کلو کی رہنے والی کسی ہندو عورت سے شادی کی تھی جو مسلمان ہو گئی تھی۔ اس کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے

جب یہ شخص فوت ہو گیا تو وہ عورت بچوں سمیت واپس کلو چلی گئی اور گنگا جا کر دوبارہ وہندو بن گئی اس کے بچے بھی ہندو بن گئے۔ یہی لوگ اور ان کے نسلیں بعد میں رائی یا رائیں کہلائیں۔

اس شجرے اور جگدیش رائی کے بیان میں مطابقت بھی ہے۔ عورت راجپوت تھی۔ اس کے لڑکے ارائیں کے نطفہ سے تھے 'وہ ارائیں کہلاتے تھے۔ اور ننھیال کی طرف سے راجپوت ہونے کی وجہ سے راجپوت کہلائے کیونکہ اسی ماحول میں رہے اور دوبارہ پھر کبھی انہیں اپنی اصلیت کے متعلق صحیح معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ مگر یہ سب کچھ منڈی سکیت اور کانگڑہ کے راجپوت رائیوں پر منطبق ہو سکتا ہے۔

بہوٹا رائیاں اور عباسی صاحب کی غلطی

(۶) اب ہم جناب محمود عباسی صاحب کے مراسلہ میں مذکور بہوٹا ارائیں اور اس کبت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں "آئینہ حقیقت نما" صفحہ نمبر ۲۷۹ سے مدد لیتے ہیں تاکہ اصل روشنی پڑے اور غلط فہمی دور ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا ملتان پر حملہ کر کے اسے مسخر کر لینے کا ذکر بے شک تاریخ میں موجود ہے مگر اوچہ پر اس کے حملہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۱۷۵ء میں ملتان پر حملہ کیا۔ ملاحدہ (قرامطہ) جن کا سب سے زیادہ زور ملتان میں تھا نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور اکثر گرفتار و مقتول ہوئے سلطان نے اپنے سپہ سالار علی کرباخ کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور جب ملتان کے مفرور قرامطہ نے اچہ میں پناہ لی اور اچہ کا راجہ ان کے ساتھ مل کر سلطان محمد غوری کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوا تو راجہ کی بیوی نے سلطان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر میری بیٹی سے نکاح کرنے کا وعدہ کرو اور میرے مال 'زیور اور جائیداد کو نقصان نہ پہنچاؤ تو میں راجہ کا کام تمام کیئے دیتی ہوں اس طرح تمہارا کام بہت ہلکا ہو جائے گا۔ سلطان نے جوابا راجکماری سے شادی کر لینے کا وعدہ کر لیا۔ رانی نے راجہ کو ہلاک کر دیا جو خود ہی مغلوب ہونیوالا تھا سلطان نے قلعہ اچہ پہنچکر اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے وعدہ کو پورا کیا اور راجکماری سے شادی کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا جہاں دو برس بعد یہ لڑکی فوت ہو گئی۔

یہ اقتباس "آئینہ حقیقت نما" سے درج کرنے کے بعد جب ہم اس کبت پر غور کرتے ہیں تو اس کے معنوں میں ایک بات صاف نظر آتی ہے یعنی بہوٹہ نے اوچہ نہ دیا بلکہ بسنتی دیدی۔ غالبا عباسی صاحب نے نار کے لفظ سے غلطی کھائی ہے۔ نار کا مطلب

فارسی میں آگ اور پنجابی میں نوجوان لڑکی ہوتا ہے۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ بسنتی کو جلا دیا مگر اوچہ کا شہر نہ دیا۔ لیکن اس تاریخی واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم اس کبت کا مطلب آسان الفاظ میں کرتے ہیں تو یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بہوٹوں نے اوچہ نہ دیا بلکہ وہ بسنتی دیدی۔ وہ بیچاری جو موتی کھانیوالی تھی، یعنی خوبصورت اور خوش نصیب تھی۔ اس کا دانہ پانی اچہ سے اٹھ گیا تھا اور یہی بات سلطان محمد غوری کے حملہ سے ثابت ہوتی ہے کہ رائی نے اپنا شہر بچا لیا اور لڑکی فاتح کو دیدی جو اچہ سے غزنی پہنچ گئی۔

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بتا چکے ہیں کہ رائی جاٹوں کی ایک گوت ہے اور جاٹ راجپوت ہیں۔ بہوٹا بھی رائی ہوگا جو پنجابی لہجہ کے مطابق رائیں بن گیا۔ اس کو ارائیوں سے کوئی نسبت نہیں۔ یہ خواہ مخواہ کے مفروضات ہیں جو ارائیوں کی لاعلمی کی وجہ سے ان کے متعلق دوسروں میں مشہور ہو گئے ہیں۔

باقی اچہ سے ارائیوں کے نکاس کے متعلق ہم "تدریجی نقل مکانی" کے تحت بحث کریں گے۔ اچہ بے شک ارائیوں کا ایک بہت بڑا مرکز رہا ہے مگر اس کی وجہ منصورہ کی تباہی تھی، جس کے بعد وہ ملتان اور اچہ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ ساری کیفیت آپ انشاء اللہ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔

مذہب قوم اور گوت

سکھوں کی ایک مشہور گوت بھنگی تھی۔ اس میں سے مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب کا حکمران ہوگزرا ہے، جس کی یادگار میں زمزمہ کی توپ کو "بھنگیوں کی توپ" کہہ کر پکارا جاتا ہے جو آج بھی لاہور کے عجائب گھر کے قریب موجود ہے۔ مگر کیا یہ لوگ بھنگی یا چوہڑے یعنی خاکروب ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ غرض بھنگی گوت اور بھنگی قوم بالکل مختلف ہیں اور کسی صورت میں بھی انہیں ایک نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح راجپوتوں کی گوت اور مسلمانوں میں ارائیں قوم ہرگز ایک نہیں ہو سکتیں۔

اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے ہم ایک مستقل عنوان "کیا گوتیں اور لقب مخصوص ہیں" کے تحت چند ایسے حقائق پیش کرتے ہیں جن سے کسی

(۵) عربی النسل

گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ارائیں یہودی یا ایرانی یا ہندی نسل سے تعلق نہیں رکھتے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا یہ عربی النسل بھی ہیں یا نہیں۔ اس پر بحث کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان کی طرز معاشرت کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان میں عربوں کی خصوصیات نہیں ہیں تو پھر اس پر بحث کرنا ہی فضول ہے اور اگر کچھ سراغ عربیت کا مل جائے تو پھر البتہ تحقیق کا فائدہ ہے۔

اگرچہ یہ مثل تو عام مشہور ہے کہ شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے لیکن بقول ڈاکٹر گستاولی بان (فرانسیسی مصنف) اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی فاتح قوم کی تعداد کم ہو تو وہ بالکل مفتوح قوم میں مل جایا کرتی ہے۔ ہندوستان کی آب وہوا' اور دوسری قوموں کے میل جول سے ان عربوں کے جسمانی اور اخلاقی خصائص میں بہت کچھ تغیر و تبدیل پیدا ہو گیا ہے۔ جو محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان میں مستقل آباد ہوگئے تھے۔ تاہم اگر کھوج لگایا جائے تو مندرجہ ذیل خصائص ارائیوں کو اپنی ہمسایہ اور نومسلم قوم سے ممیز کرتے ہوئے دکھائی دیں گے کیونکہ یہ سب عربی نشانات ہیں۔

(۱) ان کے گاؤں کی مسجدیں آباد رہتی ہیں۔ ان کی اراضی میں نماز کے لئے چبوترہ ضرور ملتا ہے جس سے ان کی دینی محبت بالکل اظہر من الشمس ہے' ان میں حاجی ' مولوی اور عالم زیادہ ہوتے ہیں ۔ اس برادری کے تمام لوگ سنی یعنی اہل سنت والجماعت ہوتے ہیں یہ لوگ اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم ضرور دلواتے ہیں۔

(۲) یہ لوگ دوسروں سے زیادہ متواضع اور مہمان نواز ہوتے ہیں جو عربوں کا خاصا ہے۔

(۳) ان کا طرز معاشرت نہائت سادہ ہوتا ہے۔

(۴) دعوت ولیمہ سنت کے مطابق نکاح کے بعد دیتے ہیں حالانکہ پٹھان اور راجپوت برادری کو کھانا دے کر برات لے جاتے ہیں۔

(۵) نکاح بیوگان میں کسی قسم کا جبر واکراہ نہیں ہوتا بلکہ عربوں کی مانند نکاح کرنے کی بیوہ کو مکمل آزادی ہوتی ہے حالانکہ ہماری ہمسایہ قومیں بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتی ہیں۔

(۶) طلاق دینے اور نکاح ثانی کرنے کا رواج اب بھی عربوں میں معیوب نہیں سمجھا جاتا ' بلکہ ان کا بکثرت رواج ہے ارائیوں میں بھی کسی عورت کو ان بن ہونے کی صورت میں میکے بٹھا بٹھا کر تباہ کرنے کی بجائے اسے طلاق دے دینے کا رواج ہے جبکہ ہماری ہمسایہ قومیں طلاق دینے کو نکاح ثانی کی طرح معیوب سمجھتی ہیں۔

(۷) نسب کی حفاظت ارائیوں سے بڑھکر کسی دوسری قوم میں نہیں ہے اور عربوں کا

یہی خاصہ اسے دوسری تمام قوموں سے ممتیز کرتا ہے۔ یہ لوگ غیر قوم میں شادیاں نہیں کرتے نہ اپنی ذات بدلتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس میں گھسنے دیتے ہیں۔ (گو اب فیشن پرستی کی وجہ سے دوسری برادریوں میں شادی کرنے کا بھی رواج چل نکلا ہے)

(۸) وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینے سے دریغ نہیں کرتے حالانکہ سماٹ قومیں خصوصاً سندھ میں محض وراثت کی تقسیم کرنے کے خوف سے لڑکیوں کی شادی نہیں کرتیں اور وہ بیچاری بن بیاہی بیٹھی رہتی ہیں۔

(۹) ان کے نام بالکل عربی انداز کے ہوتے ہیں اور بعض تو عربوں کی طرح صرف مفرد نام ہوتے ہیں مثلاً ابراہیم 'اسمٰعیل 'اکبر موسیٰ 'عیسیٰ 'بشیر' صدیق 'آمنہ' رقیہ' عائشہ 'زینب 'ہاجرہ' سارہ وغیرہ'

آجکل مغرب کی تقلید میں لوگوں نے خدا اور رسول کے مقدس ناموں کو چھوڑ کر فیشن ایبل نام رکھنے شروع کر دیئے ہیں اور اکثر عورتوں اور مردوں کے ناموں میں کوئی فرق ہی معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی نام رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

ان سب حقائق سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ ارائیں عربی النسل ہیں اور باوجود یہ کہ انہیں ہندوستان میں آباد ہوئے تیرہ سو سال گزر چکے مگر اب تک بھی قومی اور آبائی خصوصیات کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور ان میں نظر آجاتی ہے۔

ان حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ارائیں عربی النسل ہیں۔

(ا) پہلا نظریہ "عربی النسل سلیم التواریخ اور شجرہ نسب"

قوم ارائیں کی پہلی مطبوعہ تاریخ جس میں ان کی ہندوستان میں آمد سے لیکر ۱۹۱۹ء تک کے حالات لکھے گئے ہیں صوفی محمد اکبر علی جالندھری کی کتاب سلیم التواریخ ہے جو ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی ذیل میں ہم اس کے اقتباسات اس انداز سے درج کرتے ہیں کہ تسلسل اور ربط کے ساتھ ضروری واقعات قلمبند ہو جائیں۔

پہلے آپ اس شجرہ نسب کو ذہن میں رکھیئے جو صوفی صاحب نے تذکرۃ الاخوان فی ذکر عمدۃ البیان" مصنفہ مولانا محمد خان قندھاری سے اخذ کر کے سلیم التواریخ کے آخری صفحہ پر درج کیا ہے تاکہ آپ کو آئندہ ابواب میں دیئے گئے شجروں کو سمجھنے اور ان سے تعلق رکھنے میں آسانی ہو ہم اس شجرہ میں حضور نبی کریم ﷺ کا شجرہ نسب بھی درج کرتے ہیں۔ تاکہ قرابتی تعلق واضح ہو جائے۔

ـــ : شجرہ نسب : ـــ

فہر یا قریش

|

غالب

|

لوی

کعب	قیس
مرہ	عمر
کلاب	مغیرہ
قصی	عبدالدار
عبد مناف	حارث
ہاشم	شیخ سلیم الرّاعی (ارائیوں کے مورثِ اعلیٰ)
عبدالمطلب	حبیب الرّاعی
حضرت عبداللہ	حلیم الرّاعی (جو محمد بن قاسمؒ) (کے ساتھ سندھ) (تشریف لائے)
حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم (نبی آخر الزماں)	

آل سلیم الراعی

"قوم راعین ان عربوں کی نسل ہے جنہوں نے محمد بن قاسمؒ کی ہمراہی میں سندھ کو فتح کیا تھا۔ جن کی پے در پے فتوحات کی سارے ملک میں دھاک بندھ گئی تھی تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ قوم راعین کا بزرگ شیخ الراعی یزیدی مظالم کی وجہ سے شام کی طرف چلا آیا تھا اور دریائے فرات کے کنارے قیام کر کے عربوں کا آبائی پیشہ گلہ بانی شروع کرر کھا تھا۔ اس گلہ بانی کے سبب یہ بزرگ سلیم الراعی کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کا بیٹا شیخ حبیب ایک باکمال بزرگ تھا۔

کشف المحجوب (مصنفہ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لاہورؒ) میں لکھا ہے کہ شیخ حبیب ابن سلیم الراعی دریائے فرات کے کنارے بکریاں چرایا کرتے تھے شیخ حبیب نے حضرت سلمان فارسی سے فیض حاصل کیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے شیخ حبیب اس نسبت سے تابعی بھی تھے۔

جب ملک سندھ پر چڑھائی کا چرچا شام میں پھیلا اور جنگی جوان منتخب ہوئے تو عربوں میں چونکہ غزوات کا ایک نشہ چڑھا رہتا تھا بہت سے جوانوں نے اپنے تئیں پیش کیا۔ اس وقت شیخ حبیب کا باہمت بیٹا شیخ حلیم بھی مع اپنے ہمراہیوں اور قرابتی جوانوں کے شامل ہوا۔ اور سندھ کی عظیم فتوحات میں شامل رہا۔

جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے محمد بن قاسمؒ کو مروادیا اور باقی عرب جو سندھ میں تھے ان کے لئے فرمان بھیج دیا کہ عرب میں واپس نہ آئیں تو وہ مجبوراً سندھ میں رہ گئے تھے۔

اس وقت ان عربوں نے گزراوقات کے لئے مختلف کام شروع کر دیئے کسی نے زراعت کسی نے گلہ بانی، کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ۔ اس وقت یہ لوگ بھی مجبور ہوئے کہ اپنا آبائی پیشہ گلہ بانی اور زراعت شروع کر دیں۔ اور تلوار کو میان میں کر لیں جو بالکل زنگ آلود نہ ہوئی تھی بلکہ بوقت ضرورت اپنی چمک دکھا جاتی تھی۔ یہ لوگ سندھ کی وادی میں گلہ بانی کرنے لگے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ بعد میں قبیلہ کے دوسرے زن و مرد بھی آکر ملنے لگے یہاں تک کہ خاصا جتھا تیار ہو گیا۔ یہ آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے اپنے عرب ساتھیوں میں یہ لوگ راعی یا الراعی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

یہی لفظ راعی ہے جو بعد میں تبدیلی لہجہ کی وجہ سے راعین بولا جانے لگااور الراعی سے یہ تخفیف تشدید راعین ہو گیا۔ایسے بہت سے الفاظ ملتے ہیں جو پنجاب میں نون غنہ کی زیادتی کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ جیسے دہی کو دہیں 'گائے کو گائیں 'پانی کو پانیں 'وغیرہ وغیرہ اورع کی بجائے الف بولنااہل پنجاب کی عام عادت ہے۔

تاریخ فرشتہ میں یہ لفظ راعی ہی لکھا گیا ہے مگر سیر المتاخرین میں رائیں لکھا گیا ہے۔ آج کل رائیں یاارائیں بھی لکھتے ہیں۔ نسب کے لحاظ سے ان کو آل سلیم یا بنی سلیم کہنا مناسب ہے 'یافاروقی اور سلیمی کی طرح سلیمی کہنامناسب ہے ۔ارائیں لفظ سے نفرت کرنا اس کی اصلیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ راعی کے معنی گلہ بان اور حاکم دونوں کے ہیں۔اور گلہ بانی تو پیغمبروں کا پیشہ رہا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام 'حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خود ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے بھی گلہ بانی کی ہے۔ عرب لوگ جہاں گلہ بانی کرتے ہیں وہاں ان اراضیات کے مالک اور ان پر قابض بھی ہوتے ہیں کیونکہ ان کی اپنی چراگاہ نہ ہو گی تو گلہ بانی کہاں کریں گے۔"

یہ سارا اقتباس آپ کے سامنے ہے اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہم آپ کی خدمت میں سلیم التواریخ کا تاریخی جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ آپ حقائق سے واقف ہو سکیں۔

سلیم التواریخ کی تاریخی حیثیت'

یہ صوفی محمد اکبر علی صاحب کی قابل قدر تصنیف ہے 'جسے آپ نے ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۹ء میں امرتسر سے شیخ عبدالعزیز کے پریس سے چھپواکراپنے مکان واقع چوک مفتیاں جالندہر سے شائع کیا یہ بڑے سائز کے ۴۹۷ صفحات پر مشتمل ہے جس میں صفحہ نمبر ۳۶۶ سے ۴۹۷ تک ڈائریکٹری اور برادری کے معززین کا تعارف شامل ہے اور یہی حصہ دراصل زیادہ قابل داد ہے کیونکہ اسے مکمل کرنے کے لئے مصنف کو بقول ان کے تیس سال محنت کرنی پڑی۔اگرچہ ان تیس سالوں میں صفحہ نمبر ا سے ۳۶۵ تک کا مواد بھی شامل ہے 'لیکن ان صفحات کا انداز تاریخی کم اور تبلیغی زیادہ ہے اور تاریخ قوم ارائیں کی

اکبر شاہ خان نجیب آبادی اپنی مایہ ناز تصنیف " آئینہ حقیقت نما" (جسے مورخ نے ۱۰۱ بلند پایہ اردو 'انگریزی' فارسی 'عربی اور سندھی کتابوں کے حوالے سے مرتب کیا ہے) کے صفحہ نمبر ۱۶۸۔۱۶۹ "پرارائیں" کے عنوان سے کئی پیراگراف نہ لکھتے۔

حالانکہ یہ کتاب ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی تھی 'اور اگر اکبر شاہ خان کا نظریہ غلط ہو تا تو خود صوفی صاحب یا دوسرے اہل علم ارائیں اس کی تردید کرتے لیکن ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک کوئی ایسی شہادت تحریری شکل میں ہمارے سامنے نہیں آئی جس میں نظریہ اریحا کی تاریخی حقیقت کو چیلنج کیا گیا ہو۔

ہم نے اس سلسلہ میں بے شمار عربی' فارسی اور سندھی وانگریزی کتابوں کے صفحات کھنگال ڈالے ہیں مگر ہمیں حلیم الراعی نام کا کوئی شخص محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں اور لشکر اسلام کے اعلی سے ادنی سپاہیوں میں نظر نہیں آتا۔ اس لئے ہم پورے وثوق اور شرح صدر کے ساتھ اپنے قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ حلیم الراعی کی لشکر السلام میں شمولیت اور سندھ کی عظیم فتوحات میں اس کے کسی ایک کارنامے کی تاریخی اسناد کے ساتھ نشاندہی کریں کیونکہ ہمارے نزدیک اس کی تاریخی حیثیت محل نظر ہے۔ اس سلسلہ میں مزید تاریخی جائزہ ہم انشاءاللہ آئندہ صفحات میں پیش کرینگے۔

تاہم ان تمام کمزوریوں کے باوجود ہم اسے ارائیں برادری کے لئے مفید دستاویز سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں ۱۸۵۰ء سے ۱۹۱۸ء تک کے پیشتر ارائیں معززین کے مختصر تذکرے شامل ہیں۔ صوفی صاحب نے جب اس کتاب کو لکھا تھا تو عموما ارائیوں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا لیکن اسی دوران میں خود صوفی صاحب کی خدمات اور میاں سر محمد شفیع' اور میاں عبدالعزیز جیسے بزرگوں کی مساعی جمیلہ سے سرکار انگریزی نے ارائیوں کی فوج میں بھرتی پر سے پابندی ہٹادی تھی۔ نیز اس کتاب کے مطالعہ سے برادری کے اکثر افراد احساس کمتری سے نجات پاگئے تھے۔ یہ کتاب آجکل تقریبا نایاب ہے' ۔ کیونکہ ۱۹۱۹ء کے بعد اس کا کوئی ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔

اب ہم سلسلہ وار چند معروضات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس کی تاریخی حیثیت کا جائزہ لیا جاسکے:۔

پہلی قابل اعتراض بات یہ ہے کہ صوفی صاحب نے جو شجرہ پیش کیا ہے وہ مجروح ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ لوی کی نویں پشت میں سے ہیں اور سلیم الراعی چھٹی پشت میں۔ ان دونوں کے زمانہ میں تین پشتوں کا فرق ہے اس لئے عمر اور زمانہ کا حساب لگایا جائے تو ایک

نسبت غیر متعلقہ مواد زیادہ ہے حتی کہ اس پر تبلیغی رسالہ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔
چونکہ اسے برصغیر میں ارائیں برادری کی پہلی تاریخ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی نامعلوم شے کے متعلق معلومات فراہم کرنا سخت محنت اور غور و فکر کا تقاضا ہے۔ اور مصنف کی محنت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ذوق تجسس اور مطالعہ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی واسطہ پڑا ہو۔

سلیم التواریخ بالکل پہلی کوشش ہے۔ اس لئے تاریخی طور پر اس میں کئی سہو ہو گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ نمبر ۵۵ پر لکھا ہے:

"آخر کار جون ۷۱۲ء بمطابق ۹۳ھ کو دیبل
فتح ہو گیا اور راجہ داہر مارا گیا"

حالانکہ راجہ داہر اپنی راجدھانی اروڑ کے بالمقابل دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر قلعہ اور دریا کے تقریباً درمیان مارا گیا تھا۔ دیبل کراچی کے پاس ہے اور اروڑ موجودہ روہڑی ریلوے اسٹیشن سے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے لیکن اس قسم کے سہو سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔ تاہم جس چیز نے اس کتاب کی تاریخی حیثیت کو مجروح کر دیا ہے۔ وہ صفحہ نمبر ۶۴ کا مندرجہ ذیل پیراگراف ہے:۔

"جب ملک سندھ پر چڑھائی کا چرچا شام
میں پھیلا اور جنگی جوان منتخب ہونے لگے تو
عربوں میں چونکہ غزوات کا ایک نشہ چڑھا
رہتا تھا بہت سے نوجوانوں نے خود اپنے
تئیں پیش کیا۔ اس وقت شیخ حبیب کا
باہمت بیٹا شیخ حلیم بھی مع اپنے قرابتی
نوجوانوں کے آشامل ہوا اور سندھ کی عظیم
فتوحات میں شامل رہا۔"

ہمیں افسوس ہے کہ حلیم کے لشکر اسلام میں شامل ہونے کی تاریخی سند نہ دے کر صوفی صاحب نے اس کتاب کی تاریخی حیثیت کو خود مجروح کر دیا ہے۔ کیونکہ اس پوری کتاب کی بنیاد شیخ حلیم کا لشکر اسلام میں شامل ہونے کا واقعہ ہے اور جب یہ واقعہ ہی ناقابل اعتبار ہو تو کتاب کی حیثیت خود بخود کم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ واقعہ تاریخی حقائق پر مبنی ہوتا تو مورخ اسلام

دادا کی چھٹی پشت میں سے کسی کا مسلمان ہونا ناممکن نظر آتا ہے جبکہ اسلام پھیلانیوالے اسی دادا کی نویں پشت میں سے ہوئے تھے۔ اسی لئے یہ شجرہ اس تاریخی اہمیت کا حامل نہیں ہے جس پر صوفی صاحب نے تکیہ کیا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف جناب عبدالرشید تبسم سابق ایڈیٹر الرائی لاہور نے بھی اپنے نوٹ میں کیا تھا۔ صوفی صاحب نے شیخ سلیم الرائی کی مدینہ سے شام کو ہجرت کا سبب یزیدی مظالم لکھا ہے اگر اس کو درست مان لیا جائے تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ شام میں نہیں جاسکتے تھے کیونکہ بنوامیہ کا پایہ تخت ہی شام میں تھا اور وہاں کسی ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی جو بنوامیہ کا دشمن ہو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو بنوامیہ کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ جیسی مقدس جگہ چھوڑ کر چلا جائے اور عراق میں جہاں بنو امیہ کے مخالفین کا ہیڈ کوارٹر تھا' نہ جائے بلکہ کسی دوسری جگہ میں جانے کی بجائے شام میں ہی چلا جائے' اس سے دو نتائج اخذ کیئے جاسکتے ہیں۔

(الف) یا تو انہوں نے ہجرت ہی نہیں کی تھی۔

(ب) اور اگر ہجرت کر کے ملک شام میں چلے گئے تھے تو پھر یزیدی مظالم سے تنگ آکر نہیں گئے ہوں گے بلکہ دوسرے حامیان بنوامیہ کی مانند گئے ہوں گے جو ملک شام میں اس لئے جمع ہو رہے تھے کہ وہاں ان کو جاگیریں مل جاتی تھیں اور نہائت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یزیدی مظالم سے تنگ آگئے ہوتے تو ان کا پوتا بنوامیہ کے حکمرانوں کے لشکر میں شامل ہو کر سندھ میں نہ آتا کیونکہ محمد بن قاسم کے ساتھی تمام حامیان بنوامیہ تھے۔ نیز اس مہم کی اہمیت کا اندازہ اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جو حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو لکھا تھا اور ولید بن عبدالملک نے جوابا تحریر کیا تھا کہ اس لشکر میں کوئی بھی ایسا فرد نہ جانے پائے جس کی وفاداری کسی درجہ میں بھی مشکوک ہو' پھر اس شخص کے پوتے کو کیسے شامل کر لیا گیا جو یزیدی مظالم کے ہاتھوں تنگ آکر مدینہ سے ہجرت کر گیا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کیا حلیم الرائی کی شخصیت واقعی تاریخی اہمیت کی حامل ہے؟اور کیا اس نام کا کوئی شخص محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں بطور سپاہی آیا تھا؟

یہ سوال جہاں بڑا اہم ہے وہاں اس کا جواب تلاش کرنا بھی جوئے شیر لانے کے برابر ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صوفی صاحب نے کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیا۔ جس سے ہم ان کے بیان کی صداقت کو جان سکتے اور اگر وہاں حلیم الرائی کا نام ملتا تو ہرگز اعتراض نہ کرتے۔

حلیم الرائی کی شخصیت کے متعلق ہمارا یہ موقف ہے کہ فتوحات سندھ کے متعلق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ان کا تذکرہ تک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فتوحات سندھ پر البلاذری میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اس سلسلہ میں قدیم ترین ماخذ فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ ہے یہ کتاب پہلے عربی میں لکھی گئی تھی پھر فارسی میں اس کا ترجمہ ہوا اور اب سندھی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد نے شائع کیا ہے مترجم نے اس پر جا بجا حاشیے بھی لکھے ہیں۔ مگر سندھ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے جو محققانہ تبصرے کتاب کے آخر میں لکھے ہیں وہ بہت بیش قیمت اور مفید ہیں۔ ان سے کتاب کی قدر و قیمت کہیں بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے مختلف جگہوں' ناموں اور مجاہدوں کی تفصیلات لکھی ہیں اور بعض کے شجرہ نسب بھی دیئے ہیں۔ نیز انہیں ایک سو تین کتابوں کے حوالوں سے ترتیب دیا ہے اور ہمارے خیال میں اس سے قدیم اور مستند کتاب فتوحات سندھ پر کوئی دوسری نہیں ہے اس میں خوبی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ محمد بن قاسمؒ کے ہمراہیوں کے نام ان کا شجرہ نسب اور ان کے کمانڈروں کے حالات کافی تحقیقات اور وضاحت سے لکھے گئے ہیں لھذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں:۔

تاریخ سندھ کے قدیم ترین ماخذ

ارائیوں کی تاریخ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے تاریخ سندھ کا مطالعہ ضروری ہے کیونکہ ارائیں محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں وارد ہوئے فتوحات میں حصہ لیا اور پھر امتداد زمانہ کے ہاتھوں یہاں سے نکل کر شمال مغربی ہندوستان میں پھیل گئے۔

تاریخ سندھ کے متعلق قدیم ترین تاریخوں میں سے مندرجہ ذیل مستند تاریخی کتابیں بہت اہمیت کی حامل ہیں:۔

(۱) احمد بن یحییٰ جابر بن داؤد الکاتب البغدادی (جو البلاذری کے لقب سے مشہور ہیں) المتوفی ۲۸۰ھ کی مشہور تاریخ "فتوح البلدان" کا باب "فتوح السند"۔

(۲) احمد بن داؤد (ابو حنفیہ الدینوری) المتوفی ۲۸۲ھ کی کتاب الاخبار الطوال میں فتح سندھ کے واقعات۔

(۳) احمد بن ابی یعقوب' اسحاق بن جعفر بن دھب بن واضح الکاتب العباسی الاصفہانی (جو الیعقوبی کے نام سے مشہور ہیں) المتوفی ۲۸۴ھ کی کتاب التاریخ کبیر المشہور

بہ تاریخ الیعقوبی میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے کسی قدر تفصیلی حالات۔

(۴) ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ کی تاریخ الرسل والملوک جسے عرف عام میں تاریخ طبری کہا جاتا ہے۔اس میں ۳۰۲ھ کے واقعات موجود ہیں۔

(۵) ابن اثیر اور ابن خلدون کی کتابیں ان کے بہت بعد کی تصنیفات ہیں اور ان کی اسناد بھی زیادہ تر طبری اور بلاذری سے مروی ہیں۔

طبری نے اپنی تاریخ میں تقریباً پانچ سو روائتیں مدائنی سے نقل کی ہیں اور ایک جگہ مدائنی کے شاگرد عمر کی روائت بھی مدائنی کے حوالے سے لکھی ہے جس کا اصلی راوی ہندوستان میں محمد بن قاسم کے ساتھ تھا۔ مدائنی کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی ہے اور وہ شمس بن عبد مناف کے خاندان عبدالرحمٰن بن سمرہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ تقریباً ۱۳۵ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا' پھر جوان ہو کر مدائن میں آباد ہوا اور المدائنی کہلایا پھر بغداد میں آگیا جہاں اس نے ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔

مدائنی تاریخ اسلام کے واقعات کا بڑا ماہر تھا۔اس نے مشرقی ممالک کے متعلق علیحدہ علیحدہ گیارہ کتابیں لکھیں جن میں سے کتاب ثغر الہند اور کتاب عمال الہند اور کتاب اخبار ثقیف فتوحات سندھ اور ثقفی خاندان کی اس سلسلہ میں خدمات کے متعلق نہائت مستند اہم اور مفصل ہیں۔ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔کہ وہ خلافت اسلام کے مشرقی ممالک کی فتوحات اور تاریخ سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس کے علاوہ جن خاص شخصیتوں کا سندھ کی فتوحات سے تعلق تھا۔ان کے حالات سے وہ بھی پوری طرح واقف تھا۔

اس نے ان کو بھی اپنا موضوع بنایا اور ان پر بھی کتابیں لکھیں۔(بحوالہ فتح نامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ اردو ایڈیشن مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد پہلا ایڈیشن اپریل ۱۹۶۳ء ملحق صفحہ ۱۔۱۳)

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ فتوحات سندھ کے متعلق قدیم ترین تاریخی مواد المدائنی کے حوالوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ گویا سندھ کی فتح اور تاریخ کا پہلا مورخ المدائنی ہے۔

فتح نامہ 'سندھ المعروف بہ چچ نامہ'

یہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی جس کا فارسی میں ترجمہ علی کوفی نے کیا ہے۔ علی کوفی (المولد بہ ۵۵۵ھ) سلطان ناصر الدین قباچہ (۶۰۲-۶۲۵ھ) کے دوران حکومت میں ۶۱۳ھ میں اس کے دارالخلافہ اوچ میں آیا جہاں اسے سلطان نے نوازا۔

علی کوفی کا اصلی نام علی بن حامد بن ابی بکر کوفی ہے۔ وہ سلطان کے وزیر شریف الملک کی تحریک پر ہندوستان کی قدیم تاریخ لکھنے کے خیال سے روہڑی (اروڑاور بکھر) پہنچا جہاں اس کی ملاقات عربوں کے ایک جلیل القدر خاندان کے بزرگ مولانا قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسی بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسی بن شیبان بن عثمان ثقفی سے ہوئی اور انہوں نے بتایا کہ اس فتح کی تاریخ ان کے اجداد کی تحریر کردہ حجازی زبان میں ایک کتاب میں لکھی ہے۔ جو کہ ان کے خاندان کی میراث کی حیثیت سے ایک سے دوسرے کے ورثہ میں منتقل ہوتی رہی ہے اور چونکہ یہ عربی میں لکھی ہوتی تھی اس لئے عجمیوں (غیر عربوں) میں مقبول و مروج نہ ہو سکی۔ پس علی کوفی نے اسے فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام چچ نامہ رکھا۔

یہ کتاب المدائنی کے حوالوں اور روائتوں سے ترتیب دی گئی تھی اور مولانا قاضی اسماعیل کے اجداد نے بھی اسے عرب عالموں کی تصنیف کہا ہے جس کے قلمی نسخہ سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ یہ کتاب ان کے خاندان میں دو یا اڑھائی صدیوں تک بطور میراث منتقل ہوتی رہی۔

بعد میں لکھی جانیوالی تاریخی کتابیں مثلاً طبقات اکبری تاریخ فرشتہ 'منتخب التواریخ' تاریخ معصومی 'بیگلارنامہ' وغیرہ سب چچ نامہ کی اسناد اور روائت کا حوالہ دیتی ہیں۔

فتح نامہ سندھ (چچ نامہ) کا قدیم ترین نسخہ جو ۱۱۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے باقی سب نسخے ۱۲۳۰ھ کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں۔

سندھی ادبی بورڈ نے فارسی نسخہ کا سندھی میں ترجمہ کرایا جسے ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے ۱۰۱ کتابوں کے حوالہ سے ترجمہ 'تصحیح اور تشریح کر کے اس کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست اس ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۵۵۴ سے ۵۵۹ تک درج کی گئی ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی عرق ریزی اور اسناد کی اہمیت کا بخوبی احساس ہوتا ہے

"الراعی قبیلہ" یا "فرد"

سلیم التواریخ صفحہ نمبر ۲۸ پر لکھا ہے:۔

"تاریخ الفنسٹن کے صفحہ نمبر ۵ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ تاریخ فرشتہ جلد نمبر ا صفحہ نمبر ے کے بموجب نکالے ہوئے عربوں میں تھوڑے سے لوگ افغانستان میں آباد ہوئے۔

یہ ۴۰۰ھ / ۱۰۱۰ء کا واقعہ ہے جبکہ سلطان محمود غزنوی ابو الفتح (قرمطی) حاکم ملتان کو قید کر کے غزنی میں لے گیا۔ اس افراتفری میں ہماری قوم کا ایک کنبہ بھی افغانستان کی طرف چلا گیا...... اور اچھا عروج پکڑا جس میں زبیر راعی خصوصاً قابل ذکر ہے جس نے بعہد بابر بادشاہ کاشغر کی فتوحات میں بڑا نام پایا تھا۔

(تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۰۰ عہد بابر بادشاہ)

اس وقت تاریخ فرشتہ کا اردو ایڈیشن ہمارے سامنے موجود ہے جس کا ترجمہ جناب عبدالحیٔ خواجہ ایم اے نے کیا ہے۔ اور شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے اسے ۱۹۷۴ء میں بار ودم شائع کیا ہے ان دونوں جلدوں کی قیمت مبلغ یک صد روپیہ ہے اس میں پہلا اقتباس تو بیحد تلاش کے باوجود بھی کہیں نظر نہیں آیا البتہ دوسرے اقتباس کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

(تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ نمبر ۱۱۳)

ملتان پر حملہ'

سلطان محمود اسی سال پھر غزنی سے ملتان آیا اور بڑے قہر و غضب سے ملتان کو فتح کر لیا ..... بہت سے قرمطیوں اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا' اور اکثر کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ داؤد بن نصیر (یہی ابو الفتح قرمطی ہے) کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ اسے وہاں غور کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ داؤد نے اسی قلعے میں داعی اجل کو لبیک کہا۔"

اس اقتباس میں "ہماری قوم کے ایک کنبہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا جو سلطان محمود کے ساتھ افغانستان چلا گیا ہم نے سلطان محمود سے سلطان شہاب الدین محمد غوری تک سارا بیان لفظ بلفظ پڑھا ہے لیکن کسی ارائیں خاندان کا افغانستان کی طرف جانے کا کوئی ذکر ہماری نظر نہیں گزرا

اب اس اقتباس کے تیسرے حصے پر غور کریں جس کے مطابق ہماری قوم کے ایک کنبہ کے فرو زبیر راعی نے کاشغر کی فتوحات میں بڑا نام پایا تھا۔ (بحوالہ سلیم التواریخ)

اس ضمن میں اب تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ نمبر ۵۷۲ کا اقتباس پیش خدمت ہے۔

عبدالرزاق مرزا کی تخت نشینی کا فتنہ

ان بہادروں کے قتل کے بعد دشمنوں کی فوج میں کھلبلی برپا ہو گئی اور بابر شاہ نے میر عبدالرزاق کو گرفتار کر لیا۔ بادشاہ نے اس وقت تو اس کو قتل نہ کیا۔ مگر جب بعد میں اس نے سرکشی کی اور فتنہ فساد برپا کیا تو اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ جب خسرو شاہ کی سلطنت بھی ازبکوں کے قبضے میں آگئی تو بدخشاں کے باشندوں نے شوروغل کر دیا اور بدخشاں کے ہر گوشے میں ایک ایک خود مختار پیدا ہو گیا۔ ان خود ساختہ سرداروں میں زبیر نام کا بھی ایک آدمی تھا اس کا لقب رائی تھا۔

یہ سب سے زیادہ قوی اور طاقت ور ثابت ہوا۔ جان میرزا نے اپنی بڑی ماں شاہ بیگم کے مشورے پر سلطنت کا سودا کیا اور بادشاہ سے الگ ہو کر بدخشاں کی طرف چل دیا۔ جان میرزا کی والدہ قدیم شاہان بدخشاں کی نسل سے تھی۔ وہ بدخشاں کے گرد ونواح میں پہنچی۔ پہلے اپنے بیٹے جان میرزا کو رائی کے پاس بھیجا۔ اس کے بعد خود بھی بدخشاں روانہ ہوئی۔ راستہ میں میرزا ابا بکر کاشغری کے حضور بھیج دیا۔ ادھر جان میرزا زبیر رائی کے پاس پہنچا۔ زبیر رائی نے اس کے پاس ایک آدمی چھوڑ دیا۔ قیدیوں کی طرح اس کو اپنے تحت کر لیا۔ مرزا کے پرانے نوکر یوسف علی کوکلتاش نے سترہ آدمیوں سے ساز باز کی اور ایک رات زبیر رائی پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور جان میرزا کو بدخشاں کا فرمانبردار بنادیا۔

زبیر بدخشانی یا زبیر رائی؟

اب خود ہی غور فرمایئے کہ زبیر جو بدخشانی ہے اور جس کا لقب رائی اس لئے ہے کہ وہ خود مختار سردار ہے وہ ارائیں کیسے بن گیا۔ اور اس کا تعلق ہماری قوم کے اس فرضی کنبے سے کیسے ہو گیا جو بقول سلیم التواریخ محمود غزنوی کے ساتھ فتح ملتان کے بعد افغانستان چلا گیا تھا۔ ہمیں حیرت ہے کہ انہوں نے جہانگیر مرزا کے قابل اعتماد ساتھیوں میں سے مہر غیاث الدین طفائی کو ارائیں کیوں نہ کہا حالانکہ مہر کا لفظ اس کے نام کا ایک جزو ہے جس کا ذکر صفحہ نمبر ۵۶۴ پر موجود ہے۔ اگر وہ طفائی ہونے کی وجہ سے ارائیں نہیں ہو سکتا تو زبیر بھی بدخشانی ہونے کی وجہ سے ارائیں نہیں ہو سکتا۔ جبکہ محمد قاسم فرشتہ نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ اس لقب رائی تھا جو یقیناً سردار کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور سلیم الرائی سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

محمد بن قاسم کے لشکر میں حلیم الراعی کی تلاش

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان دنوں یعنی (محمد بن قاسمؒ) کی فتوحات کے وقت ہر قبیلہ اپنا اپنا لشکر لے کر اپنے سردار کی ماتحتی میں شریک جنگ ہوتا تھا اور میمنہ میسرہ ہراول یا قلب پر سالار اعظم مختلف قبیلوں کی خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں مقرر کرتا تھا مثلاً جب تیر اندازوں کی ضرورت ہوتی تو بنو ازد کے لوگوں کو وہاں متعین کیا جاتا کیونکہ وہ لوگ بہترین تیر انداز ہوتے تھے اگر الراعی کوئی قبیلہ تھا یا شیخ سلیم الراعی کسی قبیلے کے سردار تھے تو ان کا قبیلہ اب ان کے پوتے حلیم الراعی کی سرکردگی میں شریک جنگ ہوتا اور ظاہر ہے کہ محمد بن قاسم جیسا مردم شناس کمانڈر کسی قبیلے کے سردار اور کسی جمعیت کے کمانڈر کو کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ اس نے جہاں دوسرے سرداروں پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی تھیں۔ وہاں حلیم الراعی کے سپرد بھی کوئی کام کیا ہوگا۔ نیز محمد بن قاسم چار سال تک سندھ میں رہا تھا۔ اس دوران میں کبھی نہ کبھی حلیم الراعی کا نام اس کے ہمراہیوں میں آنا چاہئے۔ مگر جب ہم فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ پڑھتے ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے کیونکہ حلیم الراعی یا کسی دوسرے الراعی کا نام نظر نہیں آتا۔

اب اگر آپ کہہ دیں کہ کشف المحجوب میں شیخ حبیب الراعی کا نام ملتا ہے تو ہم کہیں گے یہ ممکن ہے مگر حلیم الراعی کے سندھ میں آنے کا ذکر تو کہیں نہیں ملتا ہمیں حبیب الراعی کی شخصیت سے کوئی واسطہ نہیں ہمیں تو حلیم الراعی کو محمد بن قاسم کے لشکر میں تلاش کرنا ہے۔ مگر کیا کریں ان صاحب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

لشکر اسلام کے نامور مجاہدین

ہم یہاں ان تمام مجاہدوں کا نام درج کرتے ہیں جن کا ذکر چچ نامہ میں آتا ہے اور آئندہ صفحات میں ہم ان کی پوزیشن بھی واضح کریں گے تاکہ اس فہرست میں آپ حلیم الراعی کو تلاش کریں

(۱) جہم بن زحر الجعفی

اس کا باپ زحر کوفہ کے شریف سرداروں اور شہسواروں میں تھا اور جنگ صفین میں

حضرت علیؓ کے ساتھ تھا جہم کو ۱۰۱ ہجری میں قبیلہ باہلہ کے ایک سردار نے ہلاک کر دیا تھا۔

(۲) عطیہ بن سعد العوفی

بڑا بہادر سردار اور محمد بن قاسم سے بڑی محبت رکھنے والا نوجوان تھا۔ اس نے ہمیشہ محمد بن قاسم کا ساتھ دیا تھا۔

(۳) عبدالرحمٰن بن سلیم الکلبی

بہت تجربہ کار سپہ سالار تھا بنو امیہ کا وفادار اور جانباز افسر تھا۔
مسلمہ بن عبدالملک نے اسے بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔

(۴) سفیان الابرد الکلبی

یہ بڑا کہنہ مشق اور دلیر سپہ سالار تھا۔ اسے سپہ سالاری کا سولہ سالہ تجربہ تھا اور بڑی سخت جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔

(۵) قطن بن برک الکلبی

حجاج کہتا تھا قطن نے مشکلات میں ہماری مدد کی ہے اور قابل عزت اور راست گو ہے۔

(۶) جراح بن عبداللہ الحکمی

مشہور کمانڈر فاتح آرمینیہ اور خراسان کا گورنر تھا۔

(۷) نباتہ بن حنظلہ کلابی

منتخب شہسواروں میں سے تھا اور بڑا دانشمند سیاستدان بھی تھا جرجان کی جنگ میں مارا گیا تھا۔

(۸) حمید بن وداع البحری

(۹) تمیم بن زید القینی

محمد بن قاسم کی فوج کا ایک مقتدر سردار تھا۔ ۱۰۹ ۔ ۱۱۱ھ تک سندھ کا گورنر رہا۔

(۱۰) عمرو بن خالد الکلبی

جس نے راجہ داہر کو قتل کیا تھا۔

(۱۱) الحواری بن زیاد العتکی

(۱۲) حکم بن عوانہ الکلبی

حکم بن عوانہ الکلبی محمد بن قاسم کا معتمد فوج کا مقتدر سردار' سیاسی معاملات میں ثالث' تجربہ کار سپاہی ۱۱۱۔۱۲۱ ہجری تک سندھ کا گورنر رہا اور یہیں ۱۲۱ھ میں شہید ہوا۔

(۱۳) خریم:۔

یہ بحری دستہ کا کمانڈر تھا۔

(۱۴) ابن نصیرہ

نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴۔ یہ دونوں بحری دستہ کے کمانڈر تھے' دو دیبل میں آکر محمد بن قاسم کے لشکر سے مل گئے تھے۔

(۱۵) محمد بن مصعب بن عبد الرحمٰن

(۱۶) موسیٰ بن سلام الھذلی

(۱۷) مجاشع بن نوبہ ازدی

(۱۸) جعونہ اسلمی

منجنیق چلانے کا ماہر جس نے دیبل میں واقع مندر کے جھنڈے کو منجنیق چلا کر تباہ کر دیا تھا۔

(۱۹) عطا بن مالک القیسی

(۲۰) عون بن کلیب دمشقی

(۲۱) ذکوان بن علوان البسکری

(۲۲) عجل بن عبدالملک بن قیس العبدی

(۲۳) سلیمان بن نبهان قشیری

(۲۴) محرز بن ثابت الدمشقی

(۲۵) اویس بن قیس

(۲۶) حسن بن محبتہ البکری

(۲۷) ابو صابر ھمدانی

(۲۸) ہذیل بن سلیمان ازدی

(۲۹) زیاد بن حواری ازدی

(۳۰) مسعود بن الشعری الکلبی

(۳۱) مخارق بن الراسی

(۳۲) محمد بن زیاد العبدی

(۳۳) بشر بن عطیہ

(۳۴) محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن ثقفی

(۳۵) خریم بن عروہ مدنی

(۳۶) سلیمان بن نبهان

۲۸ تا ۳۵ کے سب لوگ بنانہ بن حنظلہ' ذکوان بن علوان وغیرہ کے ساتھ دس رمضان ۹۳ھ کو راجہ داہر کے مقابل میں صف اوّل میں لڑنے والے تھے۔

(۳۷) ابو فضہ قشیری جو قبیلہ کندی کا آزاد کردہ غلام تھا

(۳۸) شجاع حبشی

(۳۹) دارس بن ایوب

(۴۰) عمرو بن مغیرہ کلابی

(۴۱) قیس بن عبدالملک بن قیس الرسی

(۴۲) خالد انصاری

(۴۳) مسعود تمیمی

(۴۴) ابن شیبہ جدیدی

(۴۵) فراس عتکی

(۴۶) صابر یشکری

(۴۷) عبدالمالک بن عبداللہ الخزاعی

(۴۸) مہنی بن عسکہ

(۴۹) الوقا بن عبدالرحمٰن

(۵۰) ملیح: بکر بن وائل کا آزاد کردہ غلام

(۵۱) قیس بن ثعلبہ

(۵۲) جنید بن عمرو

(۵۳) رواح بن اسد

(۵۴) عتبہ بن سلمہ تمیمی

اس وقت فوجی صفوں کی ترتیب مندرجہ ذیل تھی:۔

قبیلہ عالیہ پہلی صف'
بنو تمیم دوسری صف'
بکر بن وائل' تیسری صف'
عبدالقیس ' چوتھی صف '
ازدی' پانچویں صف '

(بحوالہ فتح نامہ سندھ صفحہ نمبر ۲۴۴ اردو ایڈیشن)

ہم نے فتح نامہ سندھ کے علاوہ دوسری تمام تواریخ کے صفحے بھی چھان مارے ہیں لیکن ہمیں نہ کہیں الراعی قبیلے کا سراغ ملا ہے نہ محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں حلیم الراعی کا نام نظر آیا ہے حالانکہ سلیم التواریخ کے مصنف نے صفحہ نمبر ۶۴ پر لکھا ہے کہ شیخ حلیم شیخ حبیب کا باہمت بیٹا مع اپنے قرابتی نوجوانوں کے آشامل ہوا۔اور سندھ کی عظیم فتوحات میں شامل رہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ الراعی قبیلے کے مورث اعلیٰ سلیم الراعی کے پوتے اور اس کے ہمراہیوں کے نام چچ نامہ میں کہیں نہیں ملتے حالانکہ سلیم التواریخ کی پوری داستان اسی شخص کے گرد گھومتی ہے۔

سلیم التواریخ کی لغزشیں

سلیم التواریخ صفحہ ۵۵ سطر نمبر ۴ پر مزیل لکھا ہے حالانکہ یہ بدیل ہے اسی صفحہ پر سطر نمبر ۱۸ میں لکھا ہے "رمضان ۹۳ھ کو دیبل فتح ہو گیا اور راجہ داہر مارا گیا حالانکہ راجہ داہر موجودہ روہڑی کے پاس دریائے سندھ کے جنوب مشرق میں الور کے قلعہ کے متصل مارا گیا تھا(بحوالہ چچ نامہ صفحہ نمبر ۲۵۵)

سلیم التواریخ کے صفحہ ۵۹ سطر نمبر ۱۳ میں لکھا ہے:

" لاچار انہوں نے حاکم سے محکومی کی زندگی میں اپنے تئیں بکراہیت بدہد۔"

یہ محمد بن قاسم کے ساتھیوں کے متعلق لکھا ہے۔حالانکہ انہوں نے محمد قاسم کی موت کے بعد بھی تقریباً دو تین صدیوں تک بڑی جوانمردی سے اپنے وجود کو بدستور حکمران کی حیثیت سے قائم رکھا اور منصورہ اور محفوظ وغیرہ کی ریاستیں ان ہی کے دم قدم سے آباد تھیں سلیم التواریخ کا یہ قیاس اس لئے بھی واقعات کے خلاف ہے کہ اتنے بڑے

جلیل القدر اور جوانمرد سپاہی جن میں سے ایک ایک فرد بذات خود تاریخ ساز تھا۔ اتنی جلدی محکومی کی زندگی کیسے اختیار کر سکتے ہیں جبکہ تمیم ازدی اور حکم بن عوانہ الکلبی کی زیر کمان انہوں نے تقریباً نصف صدی تک کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ تمام تواریخ کے صفحات اس کے گواہ ہیں۔

صفحہ نمبر ۴۴ پر لکھتے ہیں۔" تاریخ فرشتہ میں جو تاریخ کی مشہور کتاب ہے اس میں تو یہ لفظ راعی ہی لکھا گیا ہے۔ اور سیر المتاخرین جو آخیر زمانے کی تصنیف ہے۔ رائیں لکھا گیا ہے ۔اب انگریزی عملداری میں بھی جو قوم کا لفظ جا بجا تحریر میں آنے لگا ہے۔ تو اصلیت کی ناواقفی کی وجہ سے منشی اور محرر لوگ رائیں یا ارائیں ہمزہ سے ہی لکھنے لگے۔"

تاریخ فرشتہ میں زبیر راعی کی حقیقت تو ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں اور سیر المتاخرین میں ارائیں لکھا جانا خود مصنف سلیم التواریخ کو بھی معلوم ہے کہ صفحہ نمبر ۱۵۸ پر لکھا ہے:

" تاریخ سیر المتاخرین سے پایا جاتا ہے کہ قوم اراعین کے کچھ لوگ ۱۱۸۳ھ میں نواح لاہور و شہاجہان سے اٹھ کر عظیم آباد جا آباد ہوئے۔"

چونکہ مصنف سلیم التواریخ کے سامنے الراعی کی وجہ سے راعیں کا املا درست تھا اس لئے سیر المتاخرین میں لکھے ہوئے ارائیں کی املاء میں تحریف کر کے اسے اراعین بنا دیا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

صفحہ نمبر ۱۹۵ سطر نمبر ۲۱ میں لکھا ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے ابو جہل کو کشتی کے لئے بلایا کشتی کی اور اس کو اٹھا کر اوندھا دے مارا۔"

حضور ﷺ نے ابوالاسود جمحی اور رکانہ کو بعد بعثت کشتی میں بچھاڑا تھا کیونکہ یہ دونوں آپؐ کے برحق ہونے کی نشان کے طور پر کشتی میں جیت کو ضروری سمجھتے تھے۔ آپؐ سے شکست کھا کر رکانہ تو مسلمان ہوئے لیکن ابوالاسود نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو جہل سے حضورؐ کی کسی کشتی کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ملتا اور یہ واقعہ حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

ایک تاریخی اجلاس

یہاں میں ۳۰ اپریل ۱۹۶۷ء کو راعی بلڈنگ، موہنی روڈ لاہور میں منعقد ہونیوالی میٹنگ کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جس میں تاریخ قوم ارائیں کے سلسلہ میں بحث ہوئی تھی

اس میں مصنف اور مندرجہ ذیل برادران قوم نے شرکت کی تھی۔
(۱) ونگ کمانڈر صوفی حمید علی صاحب خلف الرشید صوفی اکبر علی صاحب مصنف سلیم التواریخ)
(۲) سردار احمد علی صاحب ' صدر انجمن ارائیاں پاکستان لاہور'
(۳) سردار محمد شفیع صاحب کنوینز انجمن ارائیاں سندھ۔
(۴) ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی صاحب مرحوم ' شیخوپورہ۔
(۵) چوہدری عبدالرشید تبسم ایڈیٹر رسالہ الراعی لاہور۔
(۶) پروفیسر میاں منظور احمد صاحب۔ ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) اسلامیہ کالج لاہور۔
(۷) حاجی سردار محمد صاحب
(۸) ماسٹر محمد یوسف صاحب لالہ موسیٰ۔

صدارت کے فرائض صوفی حمید علی صاحب انجام دے رہے تھے۔ ڈاکٹر عنائیت اللہ سلیمی صاحب نے پرزور الفاظ میں اریحا والے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ :۔
(۱) اریحا یہودیوں کی آبادی تھی جنہیں حضرت عمرؓ نے عرب سے نکلوا دیا تھا۔
(۲) اریحا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور کسی تاریخ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔
(۳) اکبر شاہ خان مورخ نہ تھے اور حقیقت نما کوئی مستند کتاب نہیں ہے۔
(۴) سلیم الراعی والا نظریہ ہی صحیح ہے اور اریحا والا غلط وغیرہ وغیرہ مجھے جواب دینے کے لئے کہا گیا تو میں نے یعنی مصنف نے کہا:۔
(۱) اریحا بنوامیہ کے زمانے میں مسلمانوں کا گڑھ تھا۔ اور تاریخ سے ثابت ہے۔
(۲) اریحا اب بھی پچاس ہزار نفوس کی آبادی رکھتا ہے اور اس کی تاریخی اہمیت فلپ ہٹی کی تاریخ شام و لبنان میں دیکھ لیں۔ میں نے اپنی کتاب میں ایک الگ باب اریحا پر لکھا ہے۔
(۳) اکبر شاہ خان تو مورخ تھے اور ان کی کتابیں تاریخ اسلام اور آئینہ حقیقت نما بے شک مستند کتابیں ہیں کیونکہ یہ بے شمار پرانی تاریخی کتابوں کے حوالوں سے لکھی گئی ہیں ۔ البتہ صوفی صاحب (مرحوم) مورخ نہ تھے اگرچہ برادری کے نہائت دردمند اور مخلص انسان تھے۔ جنہوں نے محنت شاقہ سے برادری کے حالات کو جمع کر کے کتابی صورت دی۔ ان کی خدمات کا انکار نہیں اور نہ انہوں

نے اسے حرف آخر قرار دیا ہے۔ماسٹر محمد یوسف صاحب نے کہا کہ ہم نے شجرہ کے مجروح ہونے کا ذکر صوفی صاحب سے کیا تھا مگر جواب میں وہ خاموش رہے اور ہم نے ادب کی وجہ سے سکوت اختیار کیا۔

پروفیسر میاں منظور احمد صاحب اور چوہدری عبدالرشید تبسم ایڈیٹر الرائی اور ماسٹر محمد یوسف صاحب نے میری تائید کی۔ آخر میں صوفی حمید علی صاحب نے بھی فرمایا کہ اباجی مرحوم نے واقعی قوم کی بے لوث خدمت کی ہے لیکن ان کی کتاب کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا اور ہمیں اپنی قوم کی تاریخ کو صحیح طور پر مرتب کرنے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) دوسرا نظریہ
آل ذورعین

جناب منشی محمد ابراہیم صاحب محشر انبالوی اپنی کتاب آل ذورعین مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ ارائیں دراصل قحطانی عرب ہیں اور پریم ذورعین کی اولاد میں سے ہیں ذیل میں ہم ان کا شجرہ نسب بہت سے معروف افراد کا نام حذف کر کے درج کرتے ہیں:

یہ کتاب ہمیں جناب میاں محمد بخش سکندر علی مرچنٹس اینڈ کمیشن ایجنٹس غلہ منڈی حاصل پور بہاولپور کی نوازش سے دستیاب ہوئی تھی جس کیلئے ہم اس کے شکر گزار ہیں۔

پریم ذورعین

زید الجمہور یمن کا بادشاہ تھا۔ اس کا پوتا پریم ذورعین ارائیوں کا مورث اعلیٰ ہے اس نے یمن میں رعین پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کیا ہے اس لئے ذورعین سے ملقب ہوا ہندوستان میں یہ لفظ رعین سے راعین ہوا اور پھر راعین سے ارائیں ہوا۔

پریم ذورعین وہ شخص تھا جو ۱۳۵۴ء ق۔م۔ پیدا ہوا تھا اس کے چچا کی اولاد میں سے حارث الرائش نامی ایک شخص ہوا۔ جس کے زمانہ سے قوم راعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر آباد ہوتی رہی یعنی اسلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے بھی اسلامی لشکر کے ہمراہ آتی رہی ہے۔یہی لوگ رعین سے راعین اور راعین سے ارائیں کہلانے لگے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ رعین کی پہاڑی اب بھی وہاں اسی نام سے پکارتی جاتی ہے بلکہ وہاں کا علاقہ ہی رعین کہلاتا ہے۔

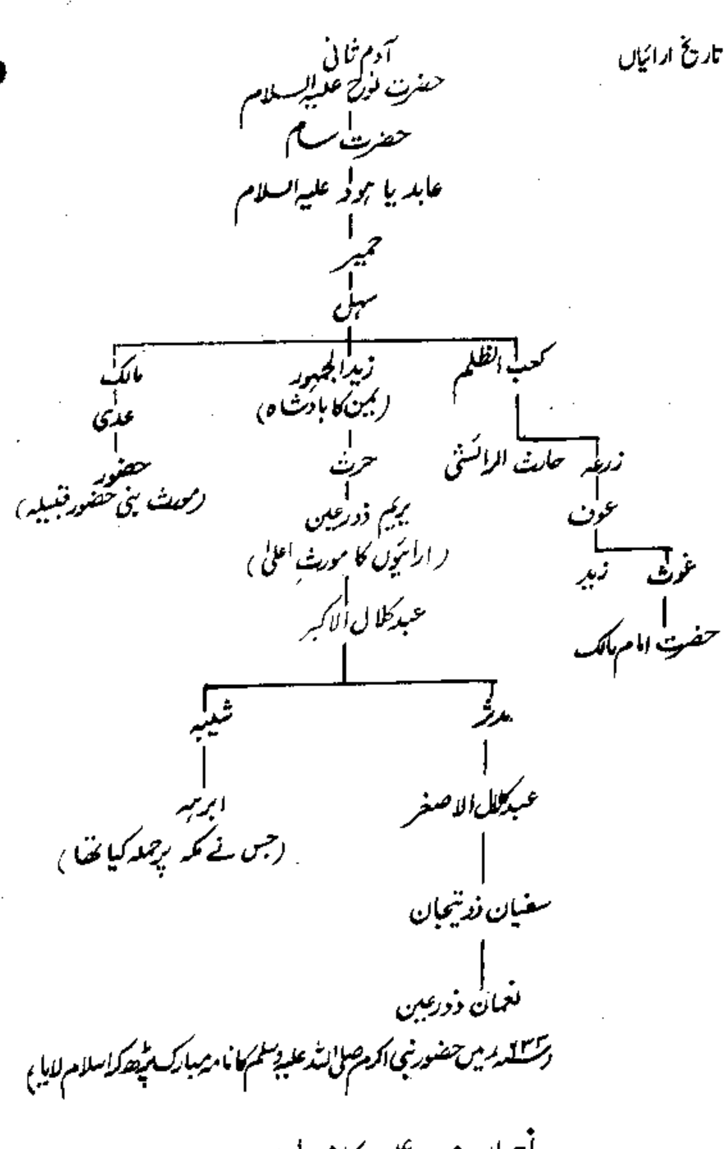

نعمان ذورعین کا مسلمان ہونا

نعمان ذورعین ۶۳۳ء میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نامہ مبارک کو پڑھکر اسلام لایا وہ اس وقت یمن کے ایک حصہ کا فرماں روا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک ایلچی کے ذریعے اس نے اپنے قبول اسلام کا حال سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو اس وقت شاہان حمیر کا ایلچی حاضر ہوا اور حرث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان

ذورعین ' معافر اور ہمدان کے نامے خدمت اقدس میں پیش کئے اور زرعہ ذویزن مالک بن مرہ رہادی کا نامہ بھی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ جس میں انہوں نے اپنے قبول اسلام کا حال لکھا تھا۔

واضح رہے کہ نعیم بن عبد کلال ذورعین اور نعمان بن عبد کلال ذورعین تینوں بھائی تھے اور شاہان حمیر کے خاندان سے تھے ' جو قحطانی النسل تھے اور نعمان ذورعین کے ساتھ ہی باقی دونوں بھائی بھی اسلام لائے تھے۔ اس ذورعین کے لقب کا ثبوت ذیل میں درج ہے:۔

علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم المعروف بہ منظور الافریقی المصری الانصاری کی تصنیف لسان العرب " مطبوعہ مصر ' موجودہ کتب خانہ بانکی پور (انڈیا) کی سترھویں جلد کے صفحہ نمبر ۴۲ پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:۔

"درعین جبل بالیمن فیہ حصن " و ذورعین ملک بنسب الی ذالک الجبل قال الجوہری ذورعین ملک من ملوک حمیر درعین حصن " لہ وھو من والد الحراث بن عمرو بن سبا وہم آل ذورعین و شعب ذی رعین قال الراجنی جاریہ من شعب ذی رعین حیاکہ تنشی لعلطتین۔"

ذورعین کے نام حضور اکرم ﷺ کا مکتوب گرامی

حضور نبی اکرم ﷺ نے ذورعین کے خطوط کے جواب میں جو نامہ تحریر فرمایا تھا اس کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

" محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حرث بن عبد کلال ' نعیم بن عبد کلال اور نعمان ذورعین اور معافر و ہمدان شاہان حمیر کو معلوم ہو کہ میں اس خدا کی حمد و ثناء کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ تمہارا ایلچی ہمارے پاس اس وقت پہنچا جب ہم رومیوں کی جنگ سے واپس آئے اور مدینہ میں تمہارے ایلچی سے ملاقات ہوئی اور تمہارے ناموں کو ہم نے ملاحظہ کیا اور تمہارے اسلام قبول کرنے اور مشرکین کو قتل کرنے کی خبر ہوئی بے شک خدا نے اپنی ہدائت تمہارے شامل حال فرمائی نماز قائم کرو ' زکوۃ ادا کرو۔ جو مال غنیمت تم کو حاصل ہو اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور

رسول کا نکالو اور نہری و بارانی زمینوں میں عشر اور چاہی میں سے نصف عشر ادا کرو۔ چالیس اونٹوں میں سے ایک بنت لبون (تین سال کی اونٹنی) اور تیس میں سے ایک ابن لبون (تین سال کا اونٹ) اور پھر پانچ اونٹوں میں سے ایک بکری زکوۃ دیا کرو۔ چالیس گائیوں میں سے ایک گائے اور تین گائیوں میں سے ایک جزعہ (بچھڑا) زکوۃ دیا کرو چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ادا کرو' بشرطیکہ یہ سب جنگل میں چرتے ہوں۔ یہ خدا کا فریضہ ہے جو اس نے مسلمانوں پر قائم کیا۔

آل ذورعین کا تاریخی جائزہ

جیسا کہ ہم گزشتہ کسی فصل میں یہ بتا چکے ہیں' اس کتاب کے مصنف کا خیال ہے کہ حارث الرائس کے ساتھ اور اس کے بعد جو ذورعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر یہاں آباد ہوتے رہے وہ مشرک تھے۔ لہذا یہاں بھی مشرک ہی رہے اور جو اسلام کے بعد یہاں وارد ہوئے وہ مسلمان تھے۔

مصنف کو یہ بھی خدشہ ہے کہ اگر ظہور اسلام سے قبل قوم راعین کا ہندوستان میں آنا ثابت نہ کیا جائے تو ہندو رائیوں کی توجیہہ ناممکن ہے اور پھر آج ارائیوں کی اس کثیر آبادی کا جواز نہیں نکل سکتا کیونکہ اگر چند عربی مسلمان آل ذورعین سے محمد بن قاسم کے ساتھ آئے ہوں تو ان کی نسلیں کس طرح اتنی پھیل سکتی ہے حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں بلکہ صوفی اکبر علی صاحب تو محض حلیم الراعی اور ان کے چند ساتھیوں کی بدولت ہی ارائیوں کے اس قدر بڑھ جانے کے قائل ہیں۔ جناب میاں سکندر علی صاحب کمیشن ایجنٹ غلہ منڈی حاصل پور ضلع بہاولپور جن کی وساطت سے یہ تاریخی مواد میسر ہوا تھا خود بھی ارائیوں کی اتنی بڑی آبادی کو محض چند عربوں کی اولاد تسلیم کرنے میں تردد تھے۔

اس سارے اقتباس سے دو باتیں ایسی ظاہر ہوتی ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔
ظہور اسلام سے قبل آل ذورعین کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا اور یہاں مستقل طور پر آباد ہو جانا۔
آل ذورعین کا لشکر اسلام کے ساتھ آنا۔

یہاں پہلی بات کے متعلق تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ زمانہ قدیم میں عربوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ کسی ایسی ہمہ گیر مہم کا سراغ ملتا ہے کہ آل ذورعین وقتاً فوقتاً" ہندوستان پر حملہ کرتے اور یہاں آباد ہوتے رہے تجارتی قافلوں کا نشان تو ملتا ہے مگر ان کی سرگرمیاں ساحلی علاقوں تک ہی محدود تھیں اور اندرون ملک میں ان کی کوئی رسائی نہ تھی۔

البتہ دوسری بات بہت حد تک قرین قیاس ہے' اور ہم یہ بھی اظہار کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قدیم زمانہ میں عربوں کا ایک قبیلہ مصر پر حملہ آور ہوا اور وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کی جو شاہان راعیہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ تاریخ تمدن عرب" کے صفحہ نمبر ۸۹'۸۸ پر لکھا ہے کہ عربوں کے قبیلہ نے دو ہزار سال قبل از مسیح مصر میں سلطنت قائم کی۔ جو سلاطین راعیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہ مذکورہ نہیں کہ وہ یمنی تھے یا نجدی' مگر مگر راعیہ کے لفظ سے ذہن خود بخود ذورعین کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور پریم ذورعین ۱۹۵۴ق م پیدا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے اس قبیلہ کے لوگوں نے مصر میں سلطنت راعیہ قائم کی ہو۔

مروان بن اشحم یمنی

چونکہ ہمارا مقصد مصر کی سلطنت راعیہ پر بحث کرنا نہیں ہے لہذا ہم اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔ محمد بن قاسم کے ساتھ جن سرداروں کا نام آتا ہے ان میں ایک سردار مروان بن اشحم یمنی بھی ہے جس کے متعلق فتح نامہ سندھ میں لکھا ہے کہ راجہ داہر کے ساتھ جنگ کے چوتھے اور آخری روز جبکہ لڑائی بڑی نازک صورت اختیار کر گئی تھی اور خود راجہ داہر جنگی ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں موجود تھا۔ اس وقت محمد بن قاسم نے سخت پریشانی کے عالم میں کعب بن مخارق الراسی (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) سے بے اختیار پانی مانگا تھا اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر لڑائی کے متعلق اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا چنانچہ اس نے محمد بن قاسم کی اس حالت اور الفاظ کا اظہار حجاج بن یوسف کے ساتھ اس وقت کیا تھا جب وہ تحائف لے کر اس کی خدمت میں پہنچا تھا۔ اس نازک مرحلے پر محمد بن قاسم نے مروان بن اشحم کو بلا کر کہا کہ تم اب اپنے ہمراہیوں سمیت راجہ داہر پر حملہ کرو۔

چنانچہ سالار اعظم کا یہ حکم سن کر وہ اپنے رفیقوں کے ساتھ راجہ داہر کی طرف بڑھا۔ پھر تو دوسرے لوگ بھی ادھر جھپٹے اور لڑائی کا زور باقی اطراف سے گھٹ کر اسی محاذ پر رہ گیا۔ یہ معرکہ ایسا شدید تھا کہ ظہر سے مغرب تک تلواریں چلتی رہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ داہر قتل ہوا۔ اور اس کی فوج تباہ و برباد ہو کر تتر بتر ہو گئی۔ اس گھمسان کے معرکے میں چھ شامی سرداروں اور ایک یمنی سردار کا نام فتح نامہ سندھ میں موجود ہے چونکہ اس یمنی سردار یعنی مروان بن اشحم کا شجرہ نسب اس کتاب میں موجود نہیں ہے اس لیے ہم یقین سے کہہ سکتے کہ وہ آل ذورعین کا سردار ہو گا۔ ہاں اسکے خلاف تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ آل ذورعین کا فرد ہوتا تو اس قدر بہادر سردار کے ساتھ ذورعین کا لفظ ضرور ہوتا کیونکہ

آل ذورعین ہی تو اس وقت تک مقتدر تھے۔

نیز ذورعین کو صفت نسبتی کی وجہ سے رعینی بمطابق شامی عراقی اور یمنی کہلانا ضروری تھا۔ مگر اس صورت حال میں رعینی سے ارائیں بن جانا ناقابل قبول ہے۔

اغلب ہے کہ یمنی سردار بھی ملک شام کے علاقہ اریحا کا ایک جاگیردار ہوکیونکہ عرب کے بڑے بڑے نامی سردار اور حامیاں بنوامیہ کو اریحا کے علاقہ میں ہی جاگیریں دی جاتی تھیں اور فتح سندھ والی مہم میں تو خاص طور پر چیدہ چیدہ بہادر اور وفادار جوانمرد ہی منتخب کئے گئے تھے۔ اور اس پر یقین کرلیا جائے تو مردان ابن اشحم یمنی کی بجائے اریحائی ہو سکتا ہے۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ہم خلاصتہ الکلام کے طور پر چند سطور درج کرتے ہیں۔

خلاصتہ الکلام

ملک شام کے اریحا "نامی علاقہ سے محمد بن قاسم کی شامی فوجوں میں شامل ہوکر ہندوستان آنیوالے یہ "اریحائی لوگ جو عرب دنیا سے براہ راست اسلام کا پیغام لائے اور تہذیب اسلامی کے پھول بکھیرے، سندھ کو فتح کرنے کے بعد یہیں آباد ہوگئے۔ بعدازاں یہ لفظ "اریحائی" صوتی تبدیلی سے ارائیں بن گیا، اور ان اولین فاتحوں کی اولاد ہندوپاکستان میں اب "ارائیں" کے نام سے پکاری اور پہچانی جاتی ہے۔ جنھوں نے اپنی خداداد قابلیت سے تعلیم، علم وادب، سیاست، صنعت، زراعت، سپہ گری، مذہب اور روحانیت، غرض ہر شعبہ حیات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے اور ملک وملت کے وقار میں اضافہ کیا۔

پاکستان میں ارائیں برادری کی آبادی ایک کروڑ سے زائد ہے اور برادری کے افراد جہاں کہیں بھی آباد ہیں، بہبوداور اجتماعی فلاح کے کاموں کے لئے انھوں نے مقامی تنظیمیں قائم کررکھی ہیں۔

ارائیوں کی گوتیں

از حاجی سردار محمد اور میاں عبدالرشید

گوت/گوتر ہندی الفاظ ہیں علمی اردو لغت جامع مصنفہ وارث سرہندی میں ان کے معنی یہ دیئے گئے ہیں: (ا) خاندان، گھرانا، حسب نسب، (۲) قوم، فرقہ، قبیلہ،

ارائیں جو عربی النسل ہیں۔ ملک عرب سے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے لئے آج سے قریبا تیرہ سو سال قبل آئے تھے جن کو محمد بن قاسمؒ کے بعد ملک ہند میں ہی روک دیا گیا اور خلیفہ سلیمان کی طرف سے سخت حکم بھیجا گیا کہ واپس عرب جانیوالوں کو بہت سخت سزا دی جائے گی۔ ان کو یہیں آباد رہنے پر مجبور کردیا گیا۔ محمد بن قاسمؒ کے وقت سے سندھ اور ملتان کے علاقوں پر اسلامی حکومت قائم ہوئی۔اور تین سوسولہ سال تک عربوں کی یہ حکومت قائم رہی۔ پہلے چند سال تک بنوامیہ کے گورنر آتے رہے۔ بعد میں ۲۴۰ء تک بنوعباس کے گورنر حکمران رہے۔ اس کے بعد بنوحبار کے خودمختار حکمران حکومت کرتے رہے۔ یہ حکومت ۴۱۶ھ تک قائم رہی۔ اس کی کچھ تفصیلات پہلے صفحات میں آچکی ہیں۔ اس دوران یہ لوگ عرب ہی کہلاتے رہے۔ لفظ ارائیں، الراعی یا ذورعین، وغیرہ سے ناواقف تھے۔ اس کے بعد کے دور ابتلاء میں ان میں سے بیشتر لوگ پٹھانوں کی فوجوں میں لئے گئے۔ کیونکہ یہ لوگ منجھے ہوئے فوجی تھے۔ اس وقت کے مطابق فوجیوں کو گزر اوقات کے لئے زرخیز زمینیں دی جاتی تھیں تاکہ وہ خود اور ان کے ماتحت فوجی بوقت ضرورت لڑائی کے لئے نفری دیتے رہیں۔ کچھ دیر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بقایا لوگ عربوں کے عام پیشے کے طور پر تجارت میں مشغول رہے۔

زمینوں والے فوجیوں میں سے بعض فوجوں سے منسلک رہے۔ انھیں مزید زمینیں بھی ملتی رہیں۔ ان کی حیثیت بہت اہم رہی۔ جو لوگ فوجوں سے الگ ہوکر صرف کھیتی باڑی میں مشغول ہوگئے۔ شروع شروع میں ان کی حالت اہم

رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اولاد میں تقسیم در تقسیم سے زمینیں کم ہوتی گئیں۔ اپنی گزر اوقات کے لئے زمینوں والوں سے مزارعت پر لینے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ وہ یہ بھول گئے کہ وہ عرب ہیں۔ ان پر بطور پہچان ارائیں وغیرہ کے نام دیئے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ جہاد چھوڑ کر کھیتی باڑی یا تجارت میں مشغول ہوگئے تو ان پر ہندوتہذیب اپنے اثرات چھوڑنے لگی۔ ذات پات اور گوت وغیرہ کے الفاظ ہندوتہذیب کے ساتھ میل ملاپ کا نتیجہ ہیں۔ ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ اصل عربی یافارسی الفاظ ہیں جو بگڑ کر گوتیں بنے۔ ارائیوں کی چند مشہور گوتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مہر:۔ یہ فارسی لفظ مہتر کا مترادف ہے۔ یعنی سردار،انگریزی کا لفظ **MAYOR** بھی اسی سے نکلا ہے۔ ہندو بھی اس لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ مہر مٹھا ولدڈفرو ہندوجاٹ دھاریوال) ساکن ڈھولا کانگنہ ضلع دہلی کا ایک مشہور زمیندار تھا۔ جس کی بیٹی رانی بھوتال اکبربادشاہ کی بیوی تھی۔ اس کے متعلق یہ کبت بھی مشہور ہے۔

اکبر جیڈنہ بادشاہ بیربل جیڈنہ بھٹ
دلے جیڈنہ سورما مہر مٹھے جیڈنہ جٹ

شری کرشن جی نے جس آہیر کے گھر پرپرورش پائی وہ بھی مہرنند تھا۔ ناگ پور کے علاقہ میں ہندوزمیندار مہر کہلاتے تھے۔ کانگڑہ ضلع کی تحصیل ہمیر پور کے قصبہ دھمرل کے مشہورزمیندار مہرکشن دیال اور مہرٹھاکر دیال ہندوبرہمن تھے۔

ارائیوں میں یہ لقب خاص طور پر مروج ہے اور سابق امرتسر،گورداسپور،جالندھر،ہوشیارپور اورلاہور کے علاقوں میں تمام ارائیں مہرہی کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔پاکستان میں ارائیوں کے لئے مہربہت مستعمل ہے۔

میاں:۔ یہ لفظ فارسی ہے۔ مہ یا مہاسے نکلاہے۔ ہندی میں میاں کا مطلب بڑا ہے۔ جیسے مہاراجہ،ہندو راجپوت خصوصاً کانگڑہ ضلع میں میاں کے لقب سے ہی پکارے جاتے تھے۔ ہندولوگ مسلمانوں کو عموماً میاں کہلاتے ہیں۔ یہ لفظ ادب کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ امرتسر کے ضلع مین کوٹلی قادرآباد کے

میاں محمد وارث کا خاندان سکھوں کے زمانہ میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ باغبان پورہ(لاہور)کامیاں خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں،بلکہ ارائیں قوم کے لئے باعث فخر ہے۔
چودھری:۔ ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں چتر دھر یعنی وہ سردار جس کے سرپر چتر ہو۔ یہ لقب ہے سب قوموں میں مستعمل ہے اس لئے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔
سردار:۔ فارسی لفظ ہے۔ کابل کے علاقہ میں امراء کے لئے بولا جاتا ہے۔ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس لفظ کو سکھ امراء کے لئے استعمال کیا تھا اور پھر گویاسکھوں کے لئے مخصوص ہوکر رہ گیا جیسے صاحب کا لفظ صرف انگریزوں کے لئے بولاجاتا تھا۔ ارائیوں میں گنجہ کلاں، ضلع لاہور کا سردار خاندان (سردارنورمحمد صاحب۔کاخاندان) بہت مقتدر ہے۔ آجکل سردار محمد شفیع اور سردار احمد علی صاحب اس خاندان کے معزز افراد ہیں۔
خان:۔ ارائیوں نے خان بہادر کے خطاب کے علاوہ اس لقب کو کبھی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اس سے گریز کیا۔ (بحوالہ سلیم التواریخ صفحہ نمبر ۱۰۲ سے ۱۲۴ تک)

آجکل مغربی تعلیم کے تاثر سے اور کچھ تاریخی مقامات کی نسب سے ارائیوں کے پڑھے لکھے خاندان القاب کے علاوہ اپنے نام کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں:۔
حجازی:۔ اریحامیں آباد ہونیوالے حجازی بزرگوں کی یاد میں حجازی بھی لکھتے ہیں۔ جیسے پاکستان کے مشہور ناول نگار نسیم حجازی صاحب۔
سلیمی:۔ اریحا کے قبیلہ بنوسلیم کی مناسبت سے سلیمی بھی لکھا جاتا ہے جیسے پاکستان نیوی کے سابق کموڈور میاں اسلام باری سلیمی صاحب
شامی:۔ ملک شام کی رعایت سے شامی بھی کہلاتے ہیں۔ جیسے سندھ یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم کے پروفیسر جناب پرویز شامی صاحب۔
سندھ میں ارائیوں کی گوت (**Sub CASTE**) بھٹو اپنے نام کے ساتھ بھٹو لکھتی ہے اور باقی لوگ ارائیں لکھتے ہیں:۔
اصل بات یہ ہے کہ لقب ہمیشہ معنوی صفت کی وجہ سے مشہور ہوتا

ہے اور ادباً بھی بولا جاتا ہے۔ اس میں کسی قوم یا گروہ کی تخصیص نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ درزی اور نائی وغیرہ کو بھی خلیفہ ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ لفظ شاہان بنوامیہ اور بنوعباس کے لئے استعمال ہوا ہے۔ بھنگی کو جمعدار اور مہتر کہہ دیتے ہیں۔ سقے کو بہشتی اور تیلی کو ملک کہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کا دل راضی رہے کیونکہ اگر کسی کو تیلی،نائی اور سقہ اور بھنگی کہاجائے تو اس کا دل رنجیدہ ہوگا۔ اس لئے ہر چھوٹے بڑے کوکسی نہ کسی لقب سے پکارا جاتا ہے تاکہ معاشرے میں اس کی عزت برقرار رہے اور تذلیل وتحقیرنہ ہونے پائے ورنہ سوسائٹی میں سخت فساد رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ہم ہرروز دیکھتے ہیں کہ جب کسی کا نام بگاڑ کربولا جاتا ہے تو دنگا فساد برپا ہوجاتا ہے۔ اسی لئے تو اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ کسی کی دل آزادی نہ کرو۔ کسی سے تمسخرنہ کرو۔ دوسروں کے گندے نام نہ رکھو چڑانے کے لئے خراب الفاظ استعمال نہ کرو کیونکہ ممکن ہے وہ تم سے اچھا ہو۔ اسلام نے معاشرے میں امن وسکون قائم رکھنے کے لئے یہ قیود لگارکھی ہیں کہ کوئی بھی دوسرے کوبرے الفاظ سے نہ پکارے۔

اس ساری بحث کو مدنظر رکھیئے۔ مندرجہ ذیل حقائق پر غور کیجئے۔ اور پھر فرمایئے کہ اگر ہندورائی ہیں اور مسلمان ارائیں ہیں تو یہ کہاں کی شرافت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک ہی قوم کے افراد قرار دے دیا جائے؟

(ا) دکن میں برہمنی سلطنت بہت مشہور تھی۔ جس کا پایہ تخت گلبرگہ گولکنڈہ کے قریب تھا۔ بہمنی یابرہمنی کے نام سے ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ برہمنوں کا خاندان ہوگا۔ مگر تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ خاندان افغان تھا اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ظفرعلی خان افغان اصل میں گنگونام ایک برہمن کا غلام تھا۔ گنگو اس پر بڑی مہربانی کرتا تھا اور اس نے پیشگوئی کی تھی کہ تو بڑا صاحب نصیب ہوگا۔ غرض جب ظفرعلی خان نے عروج پکڑا تو اس نے اپنے مہربان آقا کی یاد میں اپنا لقب سلطان علاؤالدین گنگو بہمنی رکھا اور اسی وجہ سے اس کا خاندان تاریخ کی کتابوں میں برہمنی یا بہمنی کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۵۲۶ء میں ڈیڑھ سوبرس کی اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

(۲) شیرشاہ افغان شاہ ہندسوری کہلاتا تھا۔ مگر کرتارپور ضلع جالندھر میں کھتریوں کا ایک خاندان بھی سوری کہلاتا تھا۔ ماہوار رسالہ "جوگی"

لاہور(پاکستان سے پہلے) کا ایڈیٹر صوفی لچھمن پرشاد تھا اور سلیم التواریخ کے مصنف صوفی محمداکبر جالندھری تھے۔

(۳) پٹھان اکثرلودھی بھی ہیں اور گوجرنوالہ کے علاقہ میں بھاٹوں کی ایک گوت لودھی ہے اور سی پی میں لودھی ہندوقوم بھی ہے

(۴) ۱۸۸۱ء والی مردم شماری کی رپورٹ میں علاقہ راولپنڈی کے کئی مغلوں نے اپنی گوت سینی لکھوائی تھی۔ اور سینی ضلع ہوشیارپور میں ایک ہندوزمیندار قوم بھی ہے۔ اکثر سکھ بھی سینی ہیں اور بقول لارڈ ڈینٹل البسٹن ان کا مغلوں سے کچھ بھی واسطہ نہیں۔

غرض اس بحث سے ہمارا مطلب اب واضح ہوگیا کہ کسی گوت یالقب یا پیشہ کے اشتراک کی وجہ سے ایسے لوگ ایک ہی قوم کے افراد نہیں ہوسکتے۔ لھذا ہندورائی یا رائیں دراصل مسلمان ارائیوں سے بالکل علیحدہ قوم ہیں اور انہیں قوم ارائیں سے دورکا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ غلطی گزیٹر لکھنے والوں اور معترضین نے صرف اس وجہ سے کی ہے کہ لفظ "ارائیں" دونوں قومون میں مشترک تھا۔ ہم اس مسئلہ پر آئندہ ابواب میں بھی انشاء اللہ مزید روشنی ڈالیں گے۔

(۱) گھالر: اصل گھگیر، سرکش گھوڑا، گھوڑا سوار فوج کا حصہ۔ رسالہ،

(۲) گوہیر: اصل گھگیر، سرکش گھوڑا۔

(۳) گکرو:

(۴) گمیلن:

(۵) گتکو: لڑنے مرنیوالے گتکہ باز۔ تلوار کے دھنی۔

(۶) کھتورہ: جاسوسی کرنیوالے۔فوج کا مخصوص حصہ جو دشمن کی خبریں لاتے تھے۔

(۷) ملتانی: ملتان کے رہنے والے۔

(۸) کوالی: گشت کرنے والے فوجی۔ محافظ جو فوجیوں کے آرام کرتے وقت پہرہ دیتے تھے۔

(۹) بصرو: نظر رکھنے والے (O.P) دشمن کی فوج کے متعلق نظر رکھنے والے۔

(۱۰) بہن: بہمہ سے ماخوذ۔ اپنے وقت کا بڑا بہادر جس پر کسی کا قابو نہ چلے۔ ایسے بہادر کی نسل بعد میں بہن کہلائی۔

(۱۱) بھٹہ: بھٹو،

(۱۲) بھیلے: بھیلہ بردار۔ خیرات کی تھیلی تھام کر چلنے والے خادم۔

(۱۳) تین: دریا کے کنارے رہنے والے،

(۱۴) چنڈور: چنڈوال: چوکیدار: پاسبان: فوج کی آخری قطار۔

(۱۵) چھجر:

(۱۶) چاچڑ:

(۱۷) ڈھینگے: قوی بازو: جوان

(۱۸) ڈاھڈے: سخت جان: سخت کوش:

(۱۹) ڈولے: وہ زمین والے جن کو فوجی خدمات کے عوض بلالگان اراضی سرکار سے ملی ہو۔

(۲۰) رائح: نیزہ باز۔ لوگ غلطی سے رامے لکھتے ہیں

(۲۱) رتے: سرخ، خونی، دہشت ناک جنگجو،

(۲۲) رحیل: اونٹ کا پالان۔ لمبا سفر کرنیوالا۔

(۲۳) رمدے: فوج، جھنڈ، گروہ، سرخ آنکھوں والے فوجی

(۲۴) لبانے: لبیب سے مشتق: عقلمند، دانا۔ ایک فوجی دستہ جو ڈنڈوں سے لیس ہوتا تھا۔

(۲۵) واھند:

(۲۶) وہرہ: شجاع، بہادر،

(۲۷) جتالے: جیتنے والے،

(۲۸) جھونگے:

(۲۹) پوادھرے:

(۳۰) قطب شاہی: وہ فوجی جو قطب الدین ایبک کی فوج میں شامل تھے اور ان کی اولاد

(۳۱) سپال: سپہ سے۔ ڈھنگ، رعب، نشانہ، بمعنی نشانہ باز۔

(۳۲) رہیل یا رحیل: اونٹ کا پالان ۔ دور دراز سفر کرنے والے،

(۳۳) بہلوان: گاڑی یا رتھ چلانے والے:

(۳۴) منڈ: ریوڑ، گلہ بان۔

(۳۵) سگی: کھیت کا وہ حصہ جس میں پانی دیا ہو۔

(۳۶) ساندہ: جال والے جس میں سامان حرب باندھ دیا جاتا ہے۔

(۳۷) ملانے: ملاں سے امام مسجد وغیرہ۔

(۳۸) مدھ: فوج کو امداد دینے والے یارسدبردار' خوراک اسلحہ وغیرہ سپلائی کرنیوالے:

(۳۹) منڈ: ریوڑ، گلہ ۔ سردار ۔ سرغنہ ۔ استاد ۔ سرکردہ

(۴۰) تیر انداز: تیر چلانیوالے دستے۔

(۴۱) کٹار بند: زمانہ قدیم کا جنگ کا ایک ہتھیار جس کو کٹار کہتے تھے۔ اس کو استعمال کرکے لڑنیوالے:

(۴۲) ملکوریا۔

دوسرا حصہ

دور ابتلاء
......اور......
تدریجی نقل مکانی؟
....

پہلا باب

دور ابتلاء

اریحائیوں پر سندھ میں جو مصیبتیں نازل ہوئیں اور جس پامردی سے انھوں نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ اسے سمجھنے کے لئے ہم دور خلافت راشدہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ تاریخی پس منظر قائین کی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

بنوہاشم کی خلافت اور اس کی حقیقت

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان ہوا۔ خلیفہ سوم کی شہادت کی خبر عرب،شام اور مصر میں شائع ہوئی تو ایک آگ بھڑک اٹھی اور تمام عرب بالخصوص قبائل قریش میں ایک جوش پیدا ہوگیا۔ یہ سازش غیر عرب مصریوں، عراقیوں اور ایرانیوں کی دماغی کاوش کا نتیجہ تھی۔ جن کا لیڈر عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ سازشی چاہتے تھے کہ عربی حکومت کا جواء اتار کر پہلی سی شان وشوکت بحال کرلیں۔ بنوہاشم ان کا آلہ کار بن کر رہ گئے تھے۔ اب تو حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ مدینہ میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے انھوں نے دارلحکومت کوفہ میں منتقل کرلیا۔ کوفہ ارض حجاز سے اتنا ہی دور تھا۔ جتنا ایران سے نزدیک تھا۔ یہی خفیہ، سازشوں کا مرکز تھا اور بعد میں بھی ہمیشہ مرکز رہا۔ بنوہاشم، عرب کا اعتماد کھوبیٹھے تھے ان کے ہوا خواہ زیادہ ترنو مسلم مجوسی وغیرہ تھے۔ جب اسکے خلاف رد عمل شروع ہوا تو عرب بنوامیہ کے گرد جمع ہوگئے۔ اصل میں یہ جنگ ایک صدی تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ بنوامیہ کی حکومت کے خاتمہ پر خلافت عباسیہ قائم ہوگئی۔ یہ عربی حکومت نہ تھی۔ ایرانیوں اور ترکوں کی خلافت تھی۔ جس میں عربی خلیفہ کی وہی حیثیت تھی جو کسی خانقاہ کے پیر کی ہوتی ہے۔اگرچہ غیرعرب خلافت کے سرپرست تھے مگر سلطنت کی سند اور خرقہ خلفائے عباسیہ صدیوں تک عطا فرماتے رہے۔ تمام خلفائے عباسیہ عجمی لونڈیوں کے بطن سے تھے۔ عرب ملازم کی موجودگی حریم خلافت میں قطعاً ممنوع تھی۔ غرض بساط سیاست پر دوکھلاڑی عرب اور

عجم یعنی غیر عرب بالخصوص ایرانی تھے۔ عرب کے مہرے بنوامیہ تھے اور خلافت خالص عربی تھی اور اس کا نصب العین اشاعت اسلام اور عربی زبان کی ترویج تھا۔ جب ان کا تختہ الٹ گیا تو دونوں باتیں نہ رہیں۔

بنو عباس کا جوش انتقام

عجمیوں کی سازشیں جاری رہیں اور انہوں نے شیعان علیؑ کی دعوت پر عباسیوں کی مدد کرکے ان کی حکومت کو کامیاب بنادیا۔ (کیونکہ عام طور پر پروپیگنڈہ کیاجاتا تھا کہ عباسی بنوامیہ سے حکومت چھین کر بنوہاشم کے حوالے کردینگے مگر حکومت حاصل ہوتے ہی انہوں نے بنوہاشم اور سادات کا بے دریغ خون بہایا، عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح (خون بہانے والا) تھا جس نے چن چن کر امویوں کو قتل کرنا شروع کردیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنوامیہ کا ایک بچہ بھی دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا پتہ لگایا جاتا تھا۔ اور قتل کردیئے جاتے تھے۔ اس پر بھی عباسیوں کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا بلکہ خلفائے بنوامیہ کی قبریں اکھڑوائی گئیں اور اگر ایک ہڈی بھی سالم مل گئی تو اسے آگ میں جلا دیا گیا۔ اس ہنگامے میں بنوامیہ کا ایک نوجوان عبدالرحمٰن اندلس بھاگ گیا۔ جہاں اس نے اپنے زوربازو سے وہ عظیم الشان حکومت قائم کرلی جس نے اندلس پر پانچ صدیوں تک نہایت شان وشوکت سے اپنا ڈنکا بجایا اور سارے یورپ میں علم وہنر کی روشنی پھیلائی۔ عباسی اس کو ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کئے مگر کچھ نہ کر سکے۔

ایک تاریخی شہادت

تاریخ اسلام حصہ دوم ازاکبرشاہ خان کے صفحہ نمبر ۲۸۰ کا ایک اقتباس پیش ہے:۔ جس سے آپ کو ارینائیوں کے آباؤ اجداد کی مشکلات کا کچھ علم ہو سکے گا:

"عبداللہ سفاح نے تمام ممالک محروسہ میں حکم عام جاری کردیا کہ جہاں کہیں کوئی بنوامیہ میں سے نظر آئے اسے بلادریغ قتل کردیا جائے۔ ولایتوں کے والی اور شہروں کے حاکم جو عموماً عباسی تھے۔ اپنی اپنی جگہ اس تجسس میں مصروف

رہنے لگے کہ کہیں کسی بنوامیہ کا پتہ چلے اور اس کو قتل کردیا جائے۔ یہاں تک جس طرح کسی درندہ کا شکار کرنے کے لئے لوگ گھر سے نکلتے ہیں اسی طرح بنوامیہ کا شکار کرنے کے لئے روزانہ لوگ گھروں سے نکلتے تھے۔ بنوامیہ کے لیے کوئی مکان، کوئی گاؤں، کوئی قصبہ اور کوئی شہر جائے امن نہ رہا اور برسوں ان کو تلاش کرکرکے عباسی لوگ قتل کرتے رہے خراسان کے ابومسلم نے یہ کام اور بھی زیادہ اہتمام اور ہمت کے ساتھ انجام دیا تھا۔

اس نے نہ صرف بنوامیہ بلکہ ان لوگوں کو بھی جنھوں نے کبھی نہ کبھی بنوامیہ کی حمایت یا کوئی خدمت انجام دی تھی، قتل کرادیا۔ اس قتل عام میں جولوگ بچ بچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ کر جاسکے۔ انھوں نے اپنا بھیس بدل بدل کرنام اور قوم دوسری بتابتاکر سرحدوں کی طرف رخ کیا۔ خراسان کے صوبوں اور ولایتوں میں یہ قتل عام بہت زیادہ شدید تھا۔ لہذا یہاں جو بنوامیہ اور ان کے ہمدرد قبائل تھے وہ سندھ، کوہ سلیمان اور کشمیر کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے۔ جن لوگوں نے اپنے قبیلوں کے نام بدل دیئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ اسلامی حکومت کی حدود سے باہر نکل آئے کیونکہ ان کو سلطنت عباسیہ کی حدود میں اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ مفرور عربی قبائل جو سندھ، کشمیر اور پنجاب وغیرہ کی طرف بھاگ آئے تھے۔ ان کی نسلیں آج تک ہندوستان میں موجود ہیں مگر اپنے بدلے ہوئے ناموں اور پیشوں کی وجہ سے اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئی ہیں۔ "کشمیر کے بمبہ قبائل ان ہی باقیات بنوامیہ کی یادگار ہیں۔

بنوعباس اور سندھ کے اولین فاتح

ظاہر ہے کہ اسلامی دارالحکومت کی پالیسیوں کا اثر تمام ممالک محروسہ پر ہونا لازمی تھا۔ اس لئے بیگناہ سپاہی اور سندھ کے فاتح بھی اس کی لپیٹ میں آگئے اور ان پر ظلم وتشدد کا دور شروع ہو گیا۔ چونکہ عباسی خلفاء ہر حالت میں بنوامیہ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ لہذا سندھ کے اموی گورنر منصور نے عباسی خلیفہ کی بیعت کرنے سے انکار کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ اور تمام شامی، عراقی اور اریحائی جنگجو سردار اس کے طرفدار ہوگئے۔ تاکہ اپنی

بقاء کے لئے جدوجہد کریں۔ ادھر عباسیوں کے مشہور گورنر ابو مسلم خراسانی (جو عجمی تھا) نے منصور کو معزول کرکے سندھ پر عبدالرحمٰن نامی ایک سردار کو حاکم بنا کر بھیجا۔ منصور نے اس کا مقابلہ کیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد عبدالرحمٰن کے قتل ہونے کی خبر سن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو زبردست فوج دے کر مقابلے کے لئے بھیجا۔ منصور نے سندھ کی مغربی سرحد سے آگے بڑھکر موسیٰ کو روکا اور معرکہ آراہو کر قتل ہو گیا۔ اس لڑائی میں منصور کا بھائی منظور بن جمہور بھی مارا گیا۔ منصور نے جس شخص کو اپنا نائب بنا کر منصورہ میں چھوڑا تھا۔ اس نے منصور کے قتل ہونے کی خبر سن کر تمام شامیوں، عراقیوں اور اریحائیوں کو منصورہ سے نکال کر شہرویران کردیا اور ان کے ساتھ سندھ وبلوچستان کے پہاڑی علاقوں میں جاکر پناہ گزین ہوگیا۔ جہاں منصور کے ہمراہی جو عباسی لشکر کی تباہی سے بچ گئے تھے۔ ان سے آکر مل گئے۔ اب انہیں ہروقت عباسی حکومت کی طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ تاہم انہوں نے بالائی سندھ اور بلوچستان کے کچھ حصوں میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی جس کے آثار اب بھی قدیم ارائیں واہ کے نام سے ملتے ہیں۔

مرحوم میاں عبدالحق صاحب سابق ایم۔پی۔اے نے نومبر ۱۹۶۸ء کو ساہیوال میں ایک ملاقات کے درمیان راقم کو بتایا تھا کہ نواب امیر محمد خان مرحوم سابق گورنر مغربی پاکستان نے اپنے دورہ بلوچستان کے دوران ارائیوں کی ان قدیم نہروں کے نشانات دیکھے تھے جو انھوں نے اپنے زمانہ عروج میں تیار کرائی تھیں اور جن کے آثار آج تک موجود ہیں۔ نواب صاحب مرحوم نے نہایت تفصیل سے میاں صاحب کو سب کچھ بتایا تھا۔ اسی طرح لاڑکانہ میں ۱۹۲۰ء سے پہلے تک گاؤں کا نام عام طور پر دیہہ نمبر۔ ارائیں ہوتا تھا اور اپنے نمبروں کی وجہ سے شمار ہوتے تھے۔ جیسے آجکل دیہہ ۴۸ چڑاؤ، ۴۹ چڑاؤ۔ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں بلوچستان اور بالائی سندھ میں خاص طور پر مقتدر رہے ہیں۔

سندھ کے مختلف علاقوں میں گوٹھ ارائیں یا دیہہ ارائیں کے نام سے قدیم آبادیاں موجود ہیں۔

قرامطہ کا فتنہ

ان ہی دنوں ایک ایسا فتنہ رونما ہوا جس نے ان بدنصیبوں کو کچلنے کی پوری پوری کوشش کی حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ لوگ جوانمرد اور جواں ہمت نہ ہوتے اور ان کی اولادیں ان کے نقش قدم پر نہ چلتیں تو ایسے تباہ کن حالات میں ہمیشہ کے لئے برباد ہوجاتے بلکہ ان کا نام ونشان تک نہ رہتا مگر انہوں نے اپنی تلواروں اور نیزوں کو زنگ آلودنہ ہونے دیا ور وقتاً فوقتاً اپنی شجاعت سے دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے۔ اس فتنہ کے ہاتھوں جو مصائب ہمارے آباؤ اجداد کو برداشت کرنا پڑے، ان کا تذکرہ پیش کرنے سے پہلے ہم قرامطہ کا مذہبی اور تاریخی پس منظر پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو حالات کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

حضرت امام جعفرصادقؒ کی وفات کے بعد شیعان علیؓ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو اسمعیلی کہلاتے ہیں جو محمدبن اسمعیل بن جعفر کو امام تسلیم کرتے ہیں اور دوسرا امام جعفرؒ کے بیٹے موسیٰ کاظم کو۔ یہ گروہ امامیہ اثناء عشریہ کہلاتا ہے۔

اسمعیلی یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کی زندگی ہی میں اسمعیل فوت نہیں ہوا تھا بلکہ دشمنوں کے خوف سے امام صاحب نے اسے چھپائے رکھا اور اسکی موت کو مشتہر کردیا۔ امامیہ اثناء عشریہ یہ کہتے ہیں کہ اسمعیل فوت ہو چکا تھا اور امام صاحب نے اپنا جانشین موسیٰ کاظم کونامزد کیا تھا۔ یہ اسمعیلی بھی بعد میں دونوں فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ ایک تو خالص اسماعیلہ کہلایا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اسمعیل فوت نہیں ہوا بلکہ غائب ہے اور وہ قائم مقام منتظر ہے اور کسی وقت اس کا ظہور ہوگا۔

دوسرا فرقہ محمدبن اسمعیل کو امام تسلیم کرتا ہے اور اسمعیل کی موت کا قائل ہے اس فرقہ کو مبارکیہ کہتے ہیں۔ مبارک نامی ایک شخص اسماعیل کا مولیٰ تھا۔ فرقہ خطابیہ بھی اس سے ملحق ہوگیا۔ پھریہ فرقہ بھی کئی فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔ ان میں سے ایک قرامطہ ہے جو قرمط نام کے ایک شخص سے منسوب ہے۔ قرامطہ کا زور عباسی خلفاء المکتفی اور المقتدر ۲۸۹ھ تا ۳۲۰ھ کے

عہد میں بہت زیادہ رہا اور اس کے بعد ۳۹۰ھ تک ان کی شورشیں ممالک اسلامیہ کے مختلف حصوں خصوصاً سندھ میں زیادہ رہیں۔

الا حساء سے ایک قرمطی سلیمان بن الحسین نے خروج کیا۔ اس نے مکہ کے حاجیوں پر حملہ کردیا۔ اور عین اس وقت جبکہ وہ طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ انہیں قتل کرکے ان کی نعشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔ اس کا مقابلہ کئی دفعہ عباسی سپاہ سے بھی ہوا۔ اور وہ اکثر کامیاب رہا۔ آخر ایک لڑائی میں شکست کھا کر بحرین کی طرف بھاگا۔ جہاں ایک عورت نے اسے پتھر مار کر ہلاک کردیا۔

قرامطی شمالی افریقہ، عرب اور عراق کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ حجراسود بھی اکھاڑ کرے گئے تھے۔ اور حجاج کا راستہ بھی بند کر رکھا تھا۔ اس لئے دنیائے اسلام میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ اسمٰعیل عبیداللہ المہدی شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت قائم کرچکا تھا۔ جب اسے اطلاع ہوئی تو بہت برافروختہ ہوا۔ قرمطی اس کے داعی تھے اور بنوفاطمہ کے نام پر شمالی افریقہ میں اپنی سلطنت قائم کرچکے تھے۔ عبیداللہ کے حکم کے مطابق قرمطیوں نے حجراسود قاضی نیشاپوری کے حوالے کردیا، جس نے اسے پھر سے کعبہ میں نصب کردیا۔ یہ ۳۲۹ء کا واقعہ ہے۔ بحرین میں قرامطہ کا بہت زور تھا۔ یمن میں بھی ان کا اثر بڑھ گیا تھا اور عراق میں عرصہ تک قتل وغارت کا بازار گرم رہا۔ خوارزم اور غزنی میں بھی قرامطہ اور باطنیہ کا طوطی کچھ عرصہ تک بولتا رہا۔ ملتان تو ان کا گڑھ تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے عہد حکومت میں ان کا قلع قمع کرنے کے لئے خاص جدوجہد کی اور ہزاروں قرمطی تہ تیغ کئے۔

قرامطہ کا مذہب درحقیقت اسلام نہ تھا بلکہ یہ تو ایک سیاسی تحریک تھی جس کا مقصد دنیائے اسلام کو مٹانا اور عربوں کی فوقیت وبرتری کو نیچا دکھنا تھا۔اس تحریک کو چالاک عجمیوں اور ایرانیوں نے مذہبی جامہ پہنا دیا تھا اور لوگوں کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دیگر تکالیف شریعہ سے آزادی دیکر بتایا جاتا تھا کہ یہ سب باتیں فضول ہیں۔ خدا کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ محمد بن حنیفہ کو خدا کا رسول منوایا جاتا تھا۔ حضرت علی کی عزت اس لئے کی جاتی تھی کہ علویوں کے طرفدار اور تمام شیعہ ان کے ہمدرد بنجائیں

اور مخالفت نہ کریں۔ عام مسلمانوں کا قتل کرنا موجب ثواب بتایا جاتا تھا۔ قتل وغارت اور اپنے ہم مشربوں کے سوا دوسروں کو اذیت پہنچانا کوئی جرم نہ تھا۔ بلکہ عین ثواب سمجھا جاتا تھا۔ حلال اور حرام کی قید کو بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ غرضیکہ اچھی خاصی لامذہبی اور عیاشی کا نام مذہب رکھ دیا تھا چونکہ جاہل اور غارت گر لوگوں کے مزاج اور خواہشات سے اس مذہب کو خصوصی مناسبت تھی۔ لہٰذا ہر ملک وقوم کے جاہل اور بدوضع لوگ اس مذہب کو بڑی آسانی سے قبول کرلیتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ فارس، خراسان اور بحرین میں ان کا زور بڑھ گیا تھا۔ شیعوں نے قرامطہ کو عباسیوں اور بنوامیہ کا دشمن دیکھکر ان کی کوئی مخالفت نہ کی۔ غرض علویوں کی سازشوں اور عباسیوں کی اس پکڑ دھکڑ نے جو انھوں نے بنوامیہ اور سادات کے مقابلہ میں کی تھی، مذہب قرامطہ کے لئے خوب مواقع فراہم کردیئے تھے۔ اور چاروں طرف ان لوگوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

ہم اس سلسلے میں ایک تاریخی شہادت بحوالہ آب کوثر صفحہ نمبر ۳۰ درج کرتے ہیں

"پہلا اسمٰعیلی داعی ۲۷۰ھ (۸۸۳ء) میں سندھ آیا اور اپنے مذہبی اور سیاسی خیالات کی اشاعت میں مشغول ہوگیا۔ اس کے بعد دوسرے داعی آئے اور ملک کو انقلاب کے لئے تیار کرتے رہے جب ان کی کوششیں کامیاب ہوتی نظر آئیں تو قاہرہ کے حلیم بن شیبان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا جس نے ۹۷۷ء میں ملتان پر اچانک حملہ کرکے قبضہ کر لیا۔ اب ملتان میں فاطمی خلفاء کا سکہ اور خطبہ جاری ہوا۔ اور قرمطی عقائد کی تبلیغ شروع ہوئی۔ ملتان میں اس زمانے میں ایک بڑا مندر تھا جس میں ایک قدیمی قدیم تھی۔ محمد بن قاسم نے اس مندر کو برقرار رہنے دیا تھا اور اس کے قریب ایک نئی جامع مسجد تعمیر کی تھی لیکن قرمطیوں نے وہ مسجد تو بند کرادی اور مندر گراکر اس کی جگہ ایک دوسری جامع مسجد تعمیر کرائی سنہ ۱۰۱۰ء میں ایک اور قرامطی ابوالفتح داؤد ملتان کے تخت پر قابض تھا۔ اس نے لاہور کے راجہ جے پال کو سلطان محمود غزنوی کے خلاف مدد دی تھی۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ غالبًا اس لئے کہ بغداد کا عباسی خلیفہ جس کے نام کا خطبہ سلطان محمود غزنوی کی سلطنت میں پڑھا جاتا

تھا۔ فاطمی خلفاء کے اقتدار کو ملتان وسندھ سے نیست ونابود کرنے پر ترغیب دیتا تھا۔ سلطان نے ملتان پر حملہ کرکے فتح کرلیا۔ قرمطی یہاں سے بھاگ کر منصورہ گئے اور اس شہر پر قابض ہوگئے۔ لیکن اٹھارہ سال بعد (سفر سومنات سے واپسی پر) محمود نے منصورہ کو بھی فتح کر لیا اور سندھ کا کل علاقہ سنی بادشاہوں کے تابع ہو گیا۔"

منصورہ اور ملتان کی ریاستیں

اب اس مذہبی اور تاریخی پس منظر کو بیان کرنیکے بعد ہم ان تاریخی حالات کا تذکرہ کرتے ہیں جو سندھ کی سرزمین پر رونما ہوئے اور جن سے اریحائیوں،شامیوں، عراقیوں کو اس لئے دو چار ہونا پڑا کہ وہ خلافت عباسیہ کے معتوب تھے۔ اور قرامطیوں کی لامذہبی کے سامنے جھکنے کی بجائے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

ملک سندھ پر پورے چالیس برس تک خلفائے بنوامیہ کی حکومت رہی۔ اس کے بعد نوے سال تک خلفائے عباسیہ کی شہنشاہی کا دور رہا اور ان کے مقررکردہ گورنر حکومت کرتے رہے۔ ۲۲۵ھ سے ۲۵۸ء تک سندھ میں چھوٹے چھوٹے خودمختار رئیس فرمانروا ہوئے، مگر خلیفہ بغداد کو اپنا آقا تسلیم کرتے رہے۔ ۲۵۸ھ سے ۲۶۵ھ تک بجائے عباسی خلفاء کے یعقوب بن لیث صفار کی حکومت رہی اور اس نے غیر مقرر شرح سے کچھ لگان اور خراج بھی وصول کیا لیکن اس کے بعد ملک سندھ خلفائے عباسیہ یا کسی اور کی شہنشاہی سے بالکل آزاد ہو گیا۔ جس سے ملتان اور منصورہ کی دو وسیع اور طاقت ور اسلامی ریاستیں قائم ہوگئیں۔

یہی وہ زمانہ تھا جس میں علویوں اور اشعیوں کے طرفداروں نے عجیب عجیب چالاکیوں اور نئی نئی ترکیبوں سے تمام علام اسلام میں ایک ہلچل مچا رکھی تھی۔ مصر، افریقہ،شام، عراق، خراسان غرض ہر ملک میں عباسیوں کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ اس لئے ان آزاد خودمختار اسلامی ریاستوں یعنی منصورہ اور ملتان میں اریحائیوں کی کافی تعداد پھر سے آباد ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب خلافت عباسیہ کاڈر باقی نہ رہا تھا۔ اور یہ لوگ مجموعی طور پر

مفسدوں کے مقابلہ میں غالب تھے۔ انہوں نے اب کاشتکاری اور زراعت کاکام شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان دونوں ریاستوں اور خصوصاً منصورہ کی شادابی کو قابل رشک بنادیا۔

محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا تھا جسے اس وقت تک (یعنی ۳۰۰ھ تک) تقریباً دوسو سال کا عرصہ گزرچکا تھا اور اریحائیوں کی تیسری نسل بڑھ رہی تھی۔ان کی تعداد کافی ہوچکی تھی۔ اور دوسرے لوگوں میں وہ اریحائیوں کے نام سے ہی پکارے جاتے تھے۔

اسی دوران ملتان اور منصورہ کے علاوہ کئی اور چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں سندھ میں معرض وجود میں آچکی تھیں۔ کیونکہ یہ زمانہ طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ اس قسم کی نئی ریاستوں کو ان اریحائیوں شامیوں اور عراقیوں کی اولاد نے قائم کیا تھا۔ جو محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے لیکن خلافت بنوامیہ کے ختم ہوجانے پر پرآشوب حالات کا مقابلہ نہ کرسکنے کی وجہ سے پہاڑوں، جنگلوں اور ریگستانوں میں پناہ گزین ہوگئے تھے۔مگر جب سندھ خلافت عباسیہ کے اقتدار سے آزاد ہو گیا تو ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی حالت کو سدھارنے کے لئے نہایت اولو العزمی سے کام لیتے رہے۔ مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ ان دونوں ریاستوں یعنی منصورہ اور ملتان میں عربوں کی وجہ سے زراعت خوب ہوتی تھی۔ باغات کی کثرت تھی۔ اور ہر جگہ سبزی اور شادابی نظر آتی تھی۔ آگے بڑھنے سے پیشتر ہم ایک تاریخی شہادت بحوالہ آب کوثر درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں

آب کوثر صفحہ نمبر ۲۹

فتح سندھ کے ساٹھ ستر سال بعد تک تو عرب فاتحین کاپلہ بھاری رہا لیکن اب انمیں یمنی اور حجازی کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ جس نے عرب حکومت کو کمزور کردیا۔ جب عرب حاکم اپنے قبائلی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے تو مقامی قوموں نے سر اٹھایا۔ چنانچہ شمالی سندھ میں میدقوم کے لوگوں نے بغاوتیں کیں۔ اور ملک کے بعض حصے خودمختار ہوگئے۔ آہستہ آہستہ خلیفہ بغداد کا اس دور افتادہ مملکت سے برائے نام تعلق رہ گیا اور ۸۵۴ء میں حباری

خاندان کی موروثی حکومت شروع ہوئی جو ابتداء میں تمام مفتوحہ ممالک پر حکمران تھا۔ لیکن ۹۰۲ء میں ملتان کے بنوسامہ نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ اس وقت سے عرب مقبوضات ملتان اور منصورہ کی خودمختار ریاستوں میں منقسم ہوگئے۔ اس دوران روہڑی کے قریب ہندوؤں نے اپنی ریاست قائم کرلی۔ چنانچہ ملتان اور منصورہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔

منصورہ کی تباہی

۳۸۰ھ کے قریب شیعوں اور قرامطیوں کا زور سندھ میں یکایک بڑھ گیا اور ملتان میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ منصورہ کی ریاست نے اس اثر کو مطلق قبول نہ کیا۔ کیونکہ اس میں محمد بن قاسم کی باقیات الصالحات کی نسلیں زوروں پر تھیں۔ بدقسمتی سے ملتان اور منصورہ اور دوسری تمام سندھی ریاستوں کے درمیان مفسدوں کی درپردہ کوششوں سے نااتفاقی کا طوفان امنڈ آیا اور یہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو گئیں۔ یہ موقع غنیمت جان کر کی ایک جماعت بھی حملہ آور ہوئی۔ اس طرح منصورہ کے خلاف دوسری اردگرد کی ریاستیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور سب نے مل کر ۳۸۴ھ میں منصورہ کی تباہی کا خاتمہ کر دیا۔ جس کے بعد سندھ میں اسلامی رعب اور طاقت کا زوال شروع ہوگیا۔ قرامطہ نے منصورہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مسلمان خستہ وخوار ہو کر رہ گئے۔ اس سانحہ عظیم کی وجہ سے اریحائیوں کو پھر سے روپوش ہونا پڑا اور جو اس معرکہ دل گداز سے بچ رہے وہ ہجرت کرکے دور دراز علاقوں مین پناہ گزیں ہوئے۔

منصورہ کی تباہی اور ارائیوں کی پریشانیاں

یہ سانحہ اس قدر عظیم اور تباہ کن تھا اور اس کے اثرات اتنے دوررس تھے کہ آج تک سندھ میں ان تحریکوں کی یادگاریں مختلف رنگوں کے جھنڈوں کی صورت میں مکانوں اور قبرستانوں اور استھانوں پر دکھائی دیتی ہیں۔ آپ سندھ کے دیہات کا دورہ کریں تو آپ کو سفید، سیاہ، سرخ، سبز اور دوسرے رنگوں کے جھنڈے مختلف قبرستانوں امام باڑوں، درختوں اور مکانوں پر لہراتے نظر آئیں گے۔ جن کی چھاؤں میں اکثر حشیشین (بھنگ پینے والے) لوگ

خرافات بکتے ہوئے ملیں گے۔ ان سے آپ اگر جھنڈوں یا بھنگ نوشی کے متعلق دریافت کرینگے تو وہ سوائے آباؤ اجداد کی تقلید کے کوئی معقول جواب نہیں دیتے۔ اس سلسلے میں کیہری فقیروں کا تذکرہ پیش خدمت ہے:۔

کیہری (قہری) فقیر

سندھ میں ابھی تک ایک قبیلہ کیہری یا قہری فقیر کے نام سے مشہور ہے جو قرامطہ کی بچی کچھی یادگار ہیں۔ ان کے عقائد بودوباش اور طرز معاشرت قرامطہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ان کے اخلاق ان تمام برائیوں سے ملوث ہیں جو قرامطہ کا شعار تھیں۔ یہ لوگ نام تو مسلمانوں جیسے رکھتے ہیں لیکن نماز بالکل نہیں پڑھتے بلکہ نماز کے تصور سے ناآشنا ہیں۔ عیدین کے دن بھی یہ بھیک مانگتے ہیں۔اگرچہ نیا لباس بھی پہن لیتے ہیں۔ لیکن نماز عید نہیں پڑھتے۔ نشہ آور اشیا کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔اپنے مکانوں پر مختلف رنگوں کے جھنڈے لگاتے ہیں توحید کے تصور سے تقریباناآشنا ہیں۔ "علی مولا" کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور انہیں سے مرادیں مانگتے ہیں۔یہ قرامطہ کی اولادیں ہیں یا بیر وکار' لیکن خود کو مسلمان کہتے ہیں۔"

اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ راسخ العقیدہ مسلمانوں پر عرصہ حیات کس طرح تنگ کر دیا گیا ہوگا اور ارائیوں کو زندگی قائم رکھنے کے لئے کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ چنانچہ اس زمانے کے ارائیں جو سندھ سے ہجرت کر کے کہیں بھی نہیں گئے بلکہ اندرون سندھ میں چھپتے چھپاتے رہے تھے۔ان کی نسلیں اب تک موجود ہیں مگر ان میں احساس کمتری زیادہ ہے تعلیم کا تقریبا فقدان ہے اور معاشی طور پر پست ہیں۔لاڑکانہ ضلع کے ایک قدیمی ارائیں مسٹر غلام حیدر ایگر یکلچر انسپکٹر سے جب اس سلسلہ میں تفصیل گفتگو ہوئی تو سوائے لاعلمی کے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔یہی حال تھرپارکر کے ایک قدیمی ارائیں ٹیچر مسٹر گل حسن کا تھا۔

اس ساری تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ارائیوں پر پے در پے مصائب نے انہیں ایک جگہ مستقل طور پر آباد نہ ہونے دیا اور منصورہ وغیرہ کی تباہی کے ساتھ ان کے کارنامے بھی مٹ گئے یہ بالکل فطری امر ہے کہ جس گروپ پر متواتر دو سو سال تک ابتلاء کا دور رہے۔ان کے کارنامے بھی اسی ابتلاء کی نذر ہو جاتے ہیں۔اور جب ان کی ریاستیں اور مسکن تک تباہ ہو جائیں تو سرکاری ریکارڈ اور کارناموں کے تذکرے (تحریری

ہوں یازبانی) خود بخود مٹ جائیں گے تاہم ایسے تباہ کن حالات سے دوچار ہونے کے باوجود جو قدم زندہ رہے ' بڑھے اور پھولے پھلے وہ یقیناً تحسین کے قابل ہے اور بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی خاندانی خصوصیات یقیناً ایسی نادر ہوں گی جن کی بدولت وہ صفحہ ہستی پر نہ صرف زندہ رہی بلکہ اس نے دوسری قوموں میں امتیاز بھی قائم رکھا۔

اس دور ابتلاء میں اور اس کے بعد ہمارے آباؤاجداد نے جو شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اگرچہ تاریخ کے صفحات ان سے خالی ہیں کیونکہ محمد بن قاسم کے بعد سے لے کر محمد غوری تک کے زمانہ کے متعلق مفصل اور مستند حالات کسی ایک کتاب کی صورت میں نہیں ہیں جس کی نشاندہی کی جائے بلکہ اس مقصد کے لئے مختلف کتابوں قلمی نسخوں 'م مخلوطات اور مقامی روایات کے ساتھ ساتھ آثار قدیمہ کا مطالعہ بھی لازمی ہے چونکہ سندھ ہی ہمارا اولین مرکز تھا یہیں سے ہم لوگ دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً سندھ ہی میں واپس آکر سکونت بھی اختیار کرتے رہے ہیں لھذا سب سے زیادہ مستند اور مکمل معلومات سندھ کے علاقہ سے ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اگر صوفی صاحب نے سندھی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہوتا یا یہاں کے مقامی اور قدیمی ارائیوں سے معلومات صاحل کی ہوتیں تو اغلب ہے کہ وہ سلیم التواریخ کی بجائے کوئی اور تاریخ لکھتے افسوس ہے کہ ہماری برادری کے کسی فرد نے باب الاسلام (سندھ) سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس علاقہ اور یہاں کی برادری کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا اور اس پر مزید افسوس یہ ہے کہ یہاں کی برادری نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی ہے۔ ہاں انہوں نے یہ قابل فخر کارنامہ ضرور انجام دیا ہے کہ سندھ میں وردد کے بعد سے آج تک اپنے نام کے ساتھ ارائیں لکھا ہے۔ اور خود کو ارائیں کہلوایا ہے گویا اس طرح لفظ ارائیں کی تاریخ انہوں نے محفوظ رکھی ہے اور یہ وہی شرف ہے جو کسی دوسرے علاقہ کے ارائیوں کے حصہ میں نہیں آیا ہے وہ سلیم التواریخ والی تھیوری کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ شام کے علاقہ اریحا سے آنے پر متفق ہیں۔

علاقہ سندھ میں انہوں نے محفوظہ اور منصورہ جیسی سرسبز و شاداب ریاستیں قائم کیں جن کی کھدائی سانگھڑ کے موجودہ ڈپٹی کمشنر نے شروع کرائی ہے اور آثار قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ جب یہ کھدائی مکمل ہو جائے گی تو دیبل کی طرح یہاں کے آثار سے بھی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور نادر معلومات حاصل ہوں گی۔ ۱۹۸۰ء میں دوبارہ کھدائی شروع کی گئی تھی۔ ضلع لاڑکانہ کے متعلق چوہدری نور محمد ارائیں ریٹائرڈ

تحصیلدار (سکنہ چک نمبر ۲۲۔الف جمڑاؤ ضلع سانگھڑ) نے مجھے بتایا تھا کہ ۱۹۲۰ء سے پہلے کے سرکاری کاغذات میں وہاں دیہات کا نام ارائیں ہوتا تھا جیسے دیہہ ۲۲ آرائیں وغیرہ وغیرہ پھر جب سکھر بندوالی نہریں نکالی گئیں اور ان کے ذریعے آبپاشی شروع ہوئی تو دیہات کے نام بھی نہروں کے نام پر ہی رکھے جانے لگے۔ جیسے جمڑاؤ نہر سے سیراب ہونے والے تمام گاؤں ۲۲۔جمڑاؤ ۲۴ جمڑاؤ وغیرہ کہلاتے ہیں۔البتہ سکھر سے کوئٹہ جاتے ہوئے راستہ میں ارائیں روڈ کا اسٹیشن ابھی تک اپنا اصلی نام لئے ہوئے موجود ہے واضح رہے کہ چوہدری نور محمد صاحب لاڑکانہ ضلع کے محکمہ مال میں کافی عرصہ تک ملازم رہے ہیں اور مذکورہ کاغذات انہوں نے خو ملاحظہ کئے ہیں ان سے آپ اندازہ کرلیں کہ ضلع لاڑکانہ میں ارائیں کس قدر صاحب جاہ تھے۔

۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء کو ساہیوال میں میاں عبدالحق مرحوم ممبر قومی اسمبلی اور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل ساہیوال نے مجھے بتایا تھا۔ایک دفعہ سابق گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان مرحوم نے بلوچستان کی ان کاریزوں (وہ زمین دوز ندیاں جن سے پہاڑی علاقوں میں آب پاشی کی جاتی ہے) کا ذکر کیا تھا جو مقامی لوگوں کی روایات اور کتبوں کے مطابق ارائیوں نے بنوائی تھیں کیونکہ ارائیں زمانہ قدیم میں وہاں حکمران تھے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ ارائیں ایک قوم تھی جو یہاں حکومت کرتی رہی ہے اور یہ کاریزیں ان کی بنوائی ہوئی ہیں پھر امتداد زمانہ کے ہاتھوں ان کا اقتدار چھن گیا اور وہ دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔

اوچہ ارائیوں کی تیسری بڑی ریاست تھی جو منصورہ اور محفوظہ کی تباہی کے بعد قائم ہوئی اور یہیں سے اٹھ کر انہوں نے محمود غزنوی اور محمد غوری کی افواج کے شانہ بشانہ مختلف تاریخی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔

خدا کی قدرت دیکھئے ارائیوں نے بنجر اور ویران علاقوں کو سرسبز و شاداب بنایا اور جب وہاں سے ہجرت کر گئے تو نہ وہ ریاستیں رہیں اور نہ وہ شادابی باقی رہی بلکہ ترقی یافتہ دور میں بھی لاڑکانہ بلوچستان اور محفوظہ کا علاقہ اس قدر شاداب نہیں ہو سکا جتنا ارائیوں نے کیا تھا کیا یہ ان کے فن زراعت سے لگن اور محنت و مشقت کا بین ثبوت نہیں ہے؟ ذیل میں ہم ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

سندجی اقتصادی تاریخ

مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ

صفحہ نمبر ۴۸ ۔ زمانہ قبل از تاریخ میں کپاس کی کاشت کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن سبزیوں' میووں اور باغوں کی کاشت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں کھجوروں کی کاشت عربوں نے شروع کی۔ آج بھی روہڑی کے قریب دریائے سندھ کے دونوں طرف نہایت عمدہ کھجوروں کے باغات موجود ہیں اور روہڑی کے چھوہارے مسقط کی بہترین کھجوروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں اس وقت کے شہزادے امراء اور روسیاء اپنے اپنے باغ عیش و عشرت کے لئے لگواتے تھے۔ اگرچہ یہ باغ بعد کے مغل دور کے باغات کی طرح نہ تھے تاہم بہت عمدہ باغ تھے۔ عربوں ذوق کشت کاری نے سندھ کو گلزار بنادیا تھا۔

(صفحہ نمبر ۸۴) بکھر موجود روہڑی اور سکھر کے درمیان ایک عالی شان تجارتی شہر تھا جو کافی عرصہ تک شمالی سندھ کا دارالخلافہ اور تجارتی مرکز رہا سکھر اور روہڑی اس سے کمتر درجے کے شہر تھے۔

(صفحہ نمبر ۱۷۱) زرعی ترقی: ایک چینی فلاسفر کا قول ہے:

"کسی قوم کی بھلائی اور خوشحالی ایک درخت کی طرح ہے۔ جس کی جڑ زراعت' صنعت شاخیں اور تجارت پتے ہیں۔ اگر جڑ سوکھ گئی تو پتے گر جائیں گے۔ شاخیں سوکھ کر کمزور ہو جائیں گی۔ اور پودا درخت مردہ ہو کر گر پڑے گا۔" اس لئے زراعت کی اہمیت مسلم ہے۔

"اتم کھیتی' مدھم بیوپار نکھد چاکری بھیک ندار"

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں سیہوں' سکھر' بکھر' اوچہ اور ملتان کا ذکر کرنے کے بعد ملتان سے دہلی کی طرف روانگی کے ضمن میں لکھا تھا۔

"بحوالہ ابن بطوطہ کا بیان"

(عجائب الاسفار) ملتان سے روانہ ہونے کے بعد سب سے پہلے جس شہر میں ہم وارد ہوئے وہ ابوہر تھا یہ بلاد ہندہ کا پہلا شہر ہے چھوٹا سا لیکن نہائت خوبصورت ہے' ابوہر میں عمارتیں وافر اور انہار و اشجار بکثرت ہیں (اس کے بعد وہ بیر' آم' کھٹل' کھرو' جامن'

اناج 'غلہ مونگ 'لوبیااور موٹھ وغیرہ کاذکر کرتا ہے ۔

(۵۰۳) مزید لکھاہے:۔ شہر ابوہر سے چل کر ہمارا گزر ایک صحرا سے ہوا جس کی مسافت ایک دن کی ہے 'اس میں ہندو راہزن رہتے ہیں۔

(۵۰۹) اجودھن سے چل کر ہم سرستی (سرسہ) پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے یہاں چاول بکثرت ہوتے ہیں اور اچھے ہوتے ہیں اور دہلی بھیجے جاتے ہیں۔ اس شہر کا محاصل بھی بہت ہے بھر سرسہ سے ہانسی گئے ' یہ ایک خوبصورت اور مضبوط شہر ہے بڑی بڑی عمارتیں اور فصیل بھی اونچی ہے۔

عربوں کی اسلامی خدمات کے متعلق ایک اقتباس تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ از ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب۔ صفحہ نمبر ۱۴ پیش کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری کا بیان

۹۳ھ (۷۱۲ء) میں سب سے پہلے محمد بن قاسم نے سندھ میں اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا 'اسلامی ثقافت و مذہب اور نئے نظام حکومت نے اس علاقے میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ سندھ کے پسماندہ لوگوں کو انسانی حقوق ملے اور وہ راجاؤں 'ٹھاکروں 'پروہتوں اور برہمنوں کی چیرہ دستبداد سے آزاد ہوئے ___ محمد بن قاسم نے فتوحات اور قیام حکومت کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ تربیتی ادارے اور مساجد ومدارس قائم کیئے اس سلسلہ میں حجاج بن یوسف کی واضح ہدایات تھیں۔

"ہر ایک کو کلمہ اسلام کی دعوت دیجئے اور جو کوئی اسلام سے مشرف ہو جائے اس کی تربیت کیجئے۔"

____ (بحوالہ چچ نامہ)

اس کا خاطر خواہ اثر ہوا 'اور یہاں آبادی کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا محمد بن قاسم کے بعد کے حکمرانوں نے بھی حتی الوسیع تبلیغ اسلام میں دلچسپی لی۔ ۹۹ھ ۷۱۷ء میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے اکثر راجاؤں کو خطوط لکھے۔ ان میں سے بعض نے اسلام بھی قبول کر لیا۔"

تاریخ فرشتہ کا بیان

تاریخ فرشتہ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز (اردو ایڈیشن) صفحہ نمبر ۱۹۲ کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"ملتان میں اسلام کا آغاز محمد بن قاسم کے زمانے سے ہوتا ہے محمد بن قاسم کے بعد محمود غزنوی کے زمانے تک ملتان کی تاریخ کسی کتاب میں نہیں ملتی اور نہ کسی اور ذریعہ سے اس ملک کے بارے میں کوئی روائت یا یہاں کے لوگوں کے متعلق کوئی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ یمینی کے ترجمے میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ملحدوں کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور یہ شہر ایک عرصہ تک غزنوی سلطنت میں شامل رہا جب غزنوی سلطنت مائل بہ زوال ہوئی تو ملتان پر قرامطہ نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان معزالدین محمد سام نے ملتان پر قبضہ کیا اور ۷۸۴ھ تک یہ شہر شاہان دہلی کے قبضے میں رہا ہندوستان کی حکومت جب افراط و تفریط کا شکار ہوئی تو حاکم ملتان نے دہلی سے قطع تعلق کر کے خودمختار حکومت قائم کر لی اور اس کے بعد چند فرمانرواؤں نے یکے بعد دیگرے ملتان پر حکومت کی۔"

جنگجو ارائیں اور فن زراعت

اس باب کو مکمل کرنے سے پہلے ہم چند الفاظ میں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں تا کہ واقعات کی کڑی گم نہ ہونے پائے۔

سندھ کے اولین فاتحین پر کس قدر بلائیں نازل ہوئیں پہلے تو راجہ داہر سے ٹکر لے کر اسلامی حکومت قائم کی جس کے صلے میں انہیں وطن واپس جانے سے روک دیا گیا پھر خلافت عباسیہ کے زمانہ میں ان پر مصائب کے طوفان آئے اور انہیں پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔ ان کی آئندہ نسلوں نے ایسے ناگفتہ بہ حالات میں آنکھ کھولی تھی کہ الامان۔ منصورہ کی خودمختار ریاست کا قیام پھر ان کے لئے راحت کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی ان کے لئے دوبارہ لامتناہی مصائب کا پیغام لائی ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا۔ اور بنوامیہ کے زمانہ کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز پڑھنا بند کر دیا گیا اور اس کے مینار گرا دیئے گئے مگر محمود غزنوی نے اس فتنہ کو کچل دیا۔ اریحائیوں نے اس مہم کو سر کرنے میں محمود غزنوی کی بہت مدد کی اور قرامطہ کے خلاف جانبازی سے لڑے جب محمود نے پنجاب کو فتح کر کے غزنی کا صوبہ بنالیا تو ان اریحائیوں نے دریائے سرسوتی' بیاس اور ستلج کے کنارے کنارے پنجاب کی طرف بڑھنا شروع کیا (یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ) لوگ آرائیوں کو غیر لڑاکا قوم کہتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے متواتر دو سو سال تک جنگیں لڑی ہیں اور اس دوران میں انہیں ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا۔ اس قدر طویل جنگوں کے باوجود جن میں دشمن کی

تعداد کا شمار ہی نہ تھا' ارائیوں کا وجود آج تک قائم ہے پھر کیا یہ غیر لڑاکا قوم کہلا سکتی ہے)
وہ تلاش معاش کے سلسلہ میں زرخیز زمینوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ اگرچہ ان میں بیشتر لوگوں کو محمود غزنوی اور محمد غوری کی طرف سے وسیع جاگیریں بھی عطا ہو چکی تھیں

اریحائیوں کے قبائل جن کے آباؤاجداد کو سندھ میں مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے تقریباً تین سو سال گزر چکے تھے۔ امتداد زمانہ کے ہاتھوں عرب کم اور ہندی لباس' زبان اور طرز معاشرت کو اپنا لیا تھا۔ اور اب پنجاب کے لہجہ کے مطابق اریحائی کے بجائے ارائیں کہلاتے تھے۔

پنجاب میں آ کر بھی ارائیوں نے اپنی زرعی قابلیت کا اظہار اس طرح کیا کہ دوسری قومیں جو صدیوں سے اس ملک میں رہائش پذیر تھیں۔ انھیں دیکھکر دنگ رہ گئیں مگر ان کے اس جذبہ اور ذوق کی کسی نے قدر نہ کی حالانکہ زرعی ملک میں زراعت پیشہ لوگوں کو اہمیت دینا ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے لابدی ہے محمد بن قاسم کے ان ساتھیوں کی آئیندہ نسلوں نے سیاسی زندگی سے بے تعلق رہنے اور کاشتکاری میں ہمہ تن مصروف ہو جانے کی وجہ سے اپنی سیاسی اور تاریخی حقیقت کو بہت کچھ گھٹا اور مٹا دیا جس کے نتیجہ میں آج وہ اپنی انفرادیت تو قائم رکھے ہوئے ہیں لیکن تفوق سے کسی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔

فن زراعت میں ہماری برادری مشترکہ ہندوستان میں عموماً اور شمالی ہند میں خصوصیت سے بڑی محنتی اور ماہر زراعت سمجھی گئی ہے پنجاب کے ہر بڑے شہر کے گرد اگرد میلوں تک زمین کی زرخیزی اور سرسبزی صدیوں تک ہماری برادری کی رہین منت رہی۔ مغل شہنشاہوں نے بھی ملک کی زراعت کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ ارائیوں سے کام لیا۔ شہنشاہ شاہجہان نے جب نئی دلی کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے پنجاب سے ارائیوں کو بلا کر دہلی کے ان اطراف میں آباد کیا جہاں زراعت ہو سکتی تھی۔ دہلی شہر کے گرد و نواح کی سرسبزی انہی کی بدولت حیرت انگیز مناظر دکھاتی رہی عظیم الشان دہلی شہر مرکزی فوج اور قلعہ میں شہنشاہ کے بے شمار آدمیوں کے لئے موسم بے موسم پھل اور عمدہ اناج انہی کی زراعت کی بدولت میسر آتا رہا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جسے غیر ملکی لوگ غدر کہتے ہیں دھلی کی ارائیں برادری کے بہت سے دیہات ضبط ہوئے۔ اور ان پر انگریز کا خصوصیت سے عتاب نازل ہوا لیکن اس ہنگامے کے بعد دہلی میں انہوں نے پھر اپنے قدم جما لئے اور وہاں کی باہمت برادری اپنی زراعت کو پھر اسی معیار پر لے آئی۔ تقریباً نوے سال بعد یعنی ۱۹۴۷ء میں سب سے

پہلے دہلی کی سبزی منڈی اور ہماری برادری کے محلوں پر حملے ہوئے۔ دہلی کی بہادر ارائیں برادری نے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر دیئے پھر فوج مد مقابل ہوئی اور ان پر بے تحاشا گولیوں کی بارش کی گئی' جب جاکر یہ وہاں سے بے سروسامان نکلے اور پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔

مغل دور میں تمام شاہی باغات حتیٰ کہ لاہور میں مغلوں کا مشہور شالامار باغ ہماری برادری نے لگائے اور یہی لوگ ان کی غور و پرداخت صدیوں تک کرتے رہے۔ یہ باغات آج تک باغبان پورہ برادری کے ایک سرکردہ گھرانے کی تحویل میں نسلاً بعد نسل چلا آرہے ہیں۔ اسی طرح لاہور شہر اور اس کے اردگرد خصوصیت سے دریائے راوی کے کنارے میلوں تک ہماری برادری کی مسلسل آبادیاں آج بھی اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ یہاں کی سرسبزی مدت مدید سے انہیں کی رہین منت چلی آرہی ہے۔

انگریزی دور میں بھی ارائیں بہترین کاشتکار اور زراعت کے ماہر تسلیم کئے گئے اسی لئے ہر نئی آبادی مثلاً ضلع لائل پور (فیصل آباد) ضلع منٹگمری وغیرہ کی داغ بیل ڈالنے کے ساتھ عام طور پر ارائیوں کو آباد کرنا ضروری سمجھا گیا۔ جنہوں نے بنجر علاقوں کو گل و گلزار بنادیا۔ پاکستان بننے پر زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ میں کوئی تمیز نہ رہی جنہیں زراعت کے پیشہ سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ انہیں شہروں کے گرد متروکہ زمینوں پر آباد کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے شہروں میں سبزی نایاب اور گراں ہو گئی۔

یہاں بتادینا ضروری ہے کہ سبزی 'ترکاری اور اعلیٰ درجے کی کاشت کاری ایک ایسا فن ہے جو برسوں کی مہارت اور سالہا سال کے عملی تجربے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ہر کاشتکار اسے نہیں سمجھ سکتا نیز ہوشمندی کے ساتھ اس میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ دونوں باتیں ارائیوں میں بدرجہ جرائم موجود ہیں۔

ہماری ہمسایہ قومیں

ہم اس موضوع پر چند تاریخی حوالے بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی خاص قوم 'قبیلہ یا خاندان کی قدر خدا کے ہاں ہرگز نہیں' وہاں تو اعمال صالحہ کی ضرورت ہے پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔

ذات نہ پوچھو سادھ کی پوچھو من کا گیان
مول کرو تلوار کا پڑا رہے گا میان

ہم اپنی ہمسایہ قوموں سے مراد ہندی نژاد قومیں یعنی جاٹ، راجپوت، کمبوہ وغیرہ لیتے ہیں۔ جن کے متعلق مسٹر کے۔ ایم پائینکار ایم اے، اپنی کتاب تاریخ ہند قدیم میں لکھتے ہیں:

"آٹھویں اور نویں صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں راجپوت قوم کا ستارہ چمکا۔ راجپوتوں کا نسب اور ان کی قومیت تاریخ ہند کا لاینحل مسئلہ ہے اور ان کی اصل ابھی تک سربستہ راز بنی ہوئی ہے غالباً زیادہ تر راجپوت قوم مغول یعنی تاتاری فاتحین کی نسل سے ہے قوم کش بھی مرور ایام سے ہندو مذہب اور ہندو تہذیب اختیار کر کے آریہ ورت کے فرزندوں میں داخل ہو چکی تھی۔ بعد میں آنیوالے تاتاری قبائل بھی جنہوں نے دولت گپتا کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور علاقہ پنجاب میں زبردست حکومت قائم کر لی تھی آریہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ قیاس غالب یہی ہے کہ تاتاری قبائل آریہ مذہب میں داخل ہو کر راجپوتوں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ راجپوت روایات کے مطابق یہ قوم اگنی کولا یعنی آگ کی نسل سے پیدا ہوئی ہے 'پرمر پونہار (پنھور)' چوہان 'سولنکی' چار مشہور ذاتوں کا سلسلہ نسب آگ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ شاید آگ سے پاک ہونا مراد ہے۔ پاک کرنے کی رسم راجپوتوں کو ہندو مت میں داخل کرتے وقت ادا کی گئی تھی۔ ان ذاتوں کے علاوہ کچھ ایسی ذاتیں بھی راجپوت قوم میں شامل ہو گئی ہیں جو نسلاً ہندوستان کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس دور کی عام طوائف الملوکی اور بے ربطی سے فائدہ اٹھا کر یہ ذاتیں ذی اثر اور ذی اقتدار ہو گئیں۔ اور سیاسی اقتدار نے انہیں راجپوت بنا دیا۔ چنڈیل 'گڑھ دیرا اور رہتور راجپوت اسی شاخ سے ہیں۔ یہ تینوں جنوبی ہند کے راجپوتوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے۔"

واضح رہے کہ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت اگرچہ راجپوتوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ مگر انہوں نے ہر میدان میں عربوں سے شکست کھائی اور راجہ داہر اور پنجاب کے دوسرے راجہ جو راجپوت تھے بری طرح مغلوب ہو گئے۔

اب ایک دوسرا اقتباس لالہ لاجپت رائے کی کتاب تاریخ ہند" حصہ اول سے نقل کیا جاتا ہے۔

" اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ ہندو سوسائٹی کی ورن استھا میں بہت سے ایسے آدمی شامل ہیں جو خالص آریہ نسل سے ہیں اور جن کو ہندوؤں نے اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی سوسائٹی کا معزز ممبر بنا لیا۔ اسی طریقہ سے انہوں نے بہت سی ایسی قوموں کو بھی ہندو سوسائٹی میں داخل کر لیا جو اس ملک کے ابتدائی باشندوں گونڈ بھیل وغیرہ سے

ہیں۔ یہ طریقہ نہائت قدیم زمانے سے جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔

ہندو سماج میں نئی جاتیاں روز بروز بنتی ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے کہ بعض کو اونچا ون اور بعض کو نیچا ون کا درجہ دیا جاتا ہے یہ امر بھی تاریخی طور پر ثابت شدہ سمجھ لینا چاہئے کہ شاک اور یوچی قوم کے بہت سے آدمی جو کہ ترکمانی نسل سے تھے سن عیسوی کی ابتدائی صوبوں میں اس ملک میں آئے اور ہندو سوسائٹی میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ یورپین محقق اقوام جاٹ' آہیر اور گوجروں کو بھی ان ہی قبیلہ جات میں گنتے ہیں لیکن یہ بحث بہت حد تک فضول ہے راجپوتوں' جاٹوں' گوجروں' آہیروں کو ہندو سماج اپنا رکن سمجھتی ہے اور یہ امر کہ وہ کب اور کس طرح ہندو سوسائٹی میں داخل ہوئے بالکل غیر متعلق ہے۔ اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح بیسیوں خاندان برہمنوں کے اصلی آریہ نسل سے نہیں ہیں بلکہ مخلوط ہیں۔ اسی طرح موجودہ راجپوت بھی ہو سکتے ہیں۔"

ایک تاریخی شہادت

اس سے صاف ظاہر ہے کہ لالہ لاجپت رائے بھی راجپوتوں کو منوجی کی تقسیم ذات کے اصول کے مطابق برہمنوں کی ترتیب دادہ نئی قوم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے ہیں اور ان کا مغول و تاتاریا غیر آریہ مثلاً گونڈ اور بھیل ہونا بھی مانتے ہیں۔

اب ایک اقتباس مورخ اسلام اکبر شاہ خان کی کتاب "آئینہ حقیقت نما" سے ملاحظہ فرمایئے۔

"جب ہندوستان میں بدھوں کی حکومت اور سلطنت کمزور ہو کر رہ گئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تو برہمنوں نے بدھوں کی حکومت کے ضعف اور اختلال سے فائدہ اٹھانے اور منوجی کے عہد کے برہمنی اقتدار کو پھر واپس لانے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی کامیابی کا انحصار چونکہ بہت کچھ جنگی طاقت پر بھی منحصر تھا منوجی کی تقسیم کے مطابق چھتری (کشتری) لوگ طاقت کے وارث اور جنگی کارناموں کے لئے مخصوص تھے اور برہمن' چھتری' دلیش اور شودر کی تقسیم بالکل آبادی اور مذہب کی تقسیم کے مطابق تھی۔ چھتریوں کی نسل کو چونکہ پرس رام تخم سوخت کر چکا تھا۔ لہذا برہمنوں نے اب بدھوں کے مذہب اور حکومت کو مٹانے کے لئے ایک نئی جنگی قوم تیار کر کے اس سے وہ کام لیا جو چھتریوں سے لیا جاتا ہے۔ یہ نئی قوم مغلوں اور تاتاریوں کے جنگجو قبائل اور غیر آریوں یعنی شودروں کے ذی حوصلہ اور بہادر لوگوں کو اپنا ہمدرد اور ہوا خواہ بنا کر تیار کی گئی اور ان کو

راجپوتوں کا خطاب دیا گیا۔ یہ مغول تاتار اور غیر آریہ یقیناً وہ لوگ تھے جو ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا پیشہ رکھتے تھے ان کو برہمنوں نے اپنی سازش میں شریک کر کے باقاعدہ طور پر اپنی قوم اور مذہب کا ایک رکن بنالیا۔"

یہ ہے راجپوت' جاٹ' کمبوہ' گوجر اور آہیر وغیرہ قوموں کا تاریخی پس منظر جنہیں عربوں نے سالہاسال تک سندھ کے ہر میدان میں شکستیں دے کر اسلامی حکومت قائم کی۔

ارائیوں کی چند خصوصیات

ہر قوم میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں اور یہ خصوصیات صدیاں گزرنے پر بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتی ہیں۔ ہم ذیل میں چند ایسے خصائص درج کرتے ہیں جو ارائیوں میں بدرجہ اتم موجود ہیں:۔

(۱) محنتی' نیک چلن اور دیندار

اس قوم کے لوگوں کی یہ خاص صفتیں ہیں وہ حلال روزی پیدا کرتے ہیں چوری' ڈاکہ زنی' ٹھگی وغیرہ ان کا پیشہ نہیں ہے۔ کاشتکاری میں ایسی محنت کرتے ہیں کہ ایک کنال زمین سے پورا قبیلہ پالتے ہیں تجارت اور ملازمت میں نہائت کامیاب ہوتے ہیں۔

گزیٹر لاہور ۸۴۔۱۸۸۳ء میں لکھا ہے کہ ارائیں مزارعین کی بڑی تلاش اور خواہش کی جاتی ہے یہ لوگ بڑے امن پسند' صلح جو اور مسکین مزاج ہوتے ہیں۔

مردم شماری رپورٹ پنجاب ۱۸۸۱ء میں پیرا نمبر ۴۸۶ میں لکھا ہے۔ یہ لوگ قابل تعریف کاشتکار ہنر مند اور محنتی ہوتے ہیں۔

ان کی دینداری کا ثبوت ان کا مختلف مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لینا ہے چنانچہ۔ احرار' جماعت اسلامی اور تحریک مجاہدین میں بیشتر یہی لوگ تھے۔

سندھ کے قدیم ارائیں اور پنجابی آباد کار ارائیں اپنی دینداری شرافت اور محنت کی وجہ سے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے کھیت تو دوسری قوموں کے لئے نمائشی پلاٹ کا کام دیتے ہیں۔

(۲) مقدمہ بازی سے احتراز

اگرچہ یہ لعنت اس قوم میں بھی کسی حد تک موجود ہے مگر دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم' اپنی ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں تو ارائیں مقدمہ باز کہلانے کے مستحق ہی

نہیں ہیں۔ان کے ہاں زیادہ تر فیصلے پنچائتی ہوتے ہیں اور عموماً خاندان کا بڑا بوڑھا ہی جج ہوتا ہے۔

(۲) نسب کی حفاظت

یہ لوگ اپنی بیٹیاں غیر کفو کو ہرگز نہیں دیتے۔اور عربوں کا یہ خاصا نہیں دنیا بھر میں ممتاز رکھتا تھا۔ارائیں اپنی لڑکیوں کا پیسہ نہیں لیتے اگر کوئی اکا دکا ایسا ظالم ہو بھی تو اس کی وجہ سے قوم کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ برخلاف اس کے دوسری قومیں اعلانیہ یا خفیہ لڑکیوں کی سودا بازی کرتی ہیں اور اکثر معقول رقمیں نہ ملنے کی وجہ سے رشتے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتے۔حالانکہ اسلام میں یہ سودے بازی قطعاً حرام ہے۔

گزیٹر لاہور ۸۴-۱۸۸۳ء صفحہ نمبر ۶۸ پر لکھا ہے رسم ورواج میں بڑا فرق یہ ہے کہ ارائیں اپنی لڑکیوں کے عوض روپیہ نہیں لیتے اور کمبوہ لیتے ہیں۔

ارائیں دوسری قوموں سے رشتہ ناطہ اس لئے نہیں کرتے کہ یہ غیر کفو ہیں۔اس لئے عربوں کی مانند ان میں نسب کی حفاظت اب تک موجود ہے۔یہی ان کے نجیب الطرفین ہونے کی نشانی ہے۔

(۴) خوش خلقی اور کفائت شعاری

دوسری قوموں کے لوگ اگرچہ جائیداد میں ان سے بڑھکر بھی ہوتے ہیں مگر فضول خرچی کی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہتے ہیں ارائیں متواضع مہمان نواز اور مسافر پرور ہوتے ہیں تکبر اور غرور ان میں نام کو نہیں ہوتا۔حالانکہ دوسری قومیں رعونت میں ان سے کہیں بڑھکر ہوتی ہیں۔مثلاً مثل مشہور ہے کہ اگر وہ بھوکے بھی ہوں گے تو بدمزاجی اور تکبر کو ہرگز نہیں چھوڑینگے۔حالانکہ اسلام میں تکبر اور بدمزاجی دونوں ناپسندیدہ گناہ ہیں اور دولت پر ناز کرنیوالے کو یاد رکھنا چاہیے۔

دھن دولت داماں نہ کریئے مایہ کاگ بنیرے دا
پل وچہ آوے چھن وچہ جاوے سیر کرے چوفیرے دا

ہمارا دل چاہتا ہے کہ پنجابی کے بے شمار مقولے 'کبت اور دوہے لکھے جائیں جس سے دوسروں کے کردار پر روشنی پڑے مگر ان کی دل آزاری کی وجہ سے اس ارادے کو ترک کرنا پڑا۔صرف یہ دوہا:

[1] دھن گائیں   رعیت ارائیں

۱) اے دھن (ہندی) بمعنی مال ودولت

یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہوگا کہ جس طرح گائے بہترین سرمایہ زمینداری ہے اسی طرح قوم ارائیں بہترین امن پسند آبادی ہے۔

(۵) کسب حلال

ہماری قوم کے لوگوں میں بھکاری بالکل نہیں ہوتے یہ مر جائیں گے مگر بھیک نہیں مانگیں گے حالانکہ دوسری اقوام میں یہ بیماری کسی نہ کسی روپ میں موجود ہے۔ مراسی' راول' بھرائی' جوگی اور ٹھگ وغیرہ تو ہر جگہ اس گداگری اور حرام خوری کی وجہ سے بدنام ہیں۔

آج کل تو بعض نقلی سید زادوں نے بھی جمالی اور جلالی فقیروں کے روپ میں ٹھگی کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ اگر ہم ماضی قریب کی تاریخ ہند کا مطالعہ کریں تو ۱۸۵۴ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ کے زمانہ میں ٹھگوں کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے پورے ہندوستان میں لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی اور بڑی مشکلات کے بعد ان کا انسداد ہوا تھا۔ ہم ہنری برٹین کی رپورٹ "ٹھگی ڈکیتی پنجاب ۱۸۵۴ء" میں سے ان ظالموں کی فہرست پیش کرتے ہیں جنہوں نے ٹھگی اور رہزنی کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ ان امداد و شمار کو بغور دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ ہماری" قوم کے فراد کسب حلال کے سوا حرام کی کمائی کی طرف کبھی دھیان تک نہیں کرتے۔

☆ مسلمانوں میں سے:۔

کشمیری (۳) جولاہا (۱۱) ماچھی (۱) پٹھان (۲۹) تیلی (۱) موچی (۱) لوہار (۱) راجپوت (۵) جٹ (۱) میراسی (۱) فقیر (۱) کنجر (۱)

کل تعداد ______ (۵۲)

☆ ہندوؤں میں سے:۔

برہمن (۷) کھتری (۳) کلال (۳) جٹ (۷۳) بھاٹ (۱) حجام (۱) سیوڑہ (۳) بتوال (۱) زرگر (۲) بادریہ (۱) کمہار (۱) ہارنی (۱)

کل تعداد ______ (۱۰۱)

☆رذیل اقوام میں سے:۔

مذہبی سکھ (۲۶۹) چوہڑے (۶۹) سانسی (۳۱) چمار (۴) کل تعداد ۳۹۸ ______

میزان کل ____ (۵۵۱) بحوالہ سلیم التواریخ)

یہ گرفتار ہو کر سزایاب ہونے والے لوگوں کے اعداد و شمار ہیں۔ ان کو پڑھکر ہمیں مسرت ہوتی ہے۔ کہ ہماری قوم کا ایک بھی آدمی اس ملعون پیشہ سے وابستہ نہیں تھا۔ آجکل بھی چوری اور رہزنی کے جتنے واقعات ہوتے ہیں ان میں کہیں شاذ و نادر ہی ارائیں قوم کا کوئی فرد ہوگا۔ ورنہ سب دوسری اقوام کے فرد ہوتے ہیں۔

رھزنی چوری' ٹھگی 'گداگری' دھوکہ بازی وغیرہ کوئی قابل فخر کام نہیں ہیں اور نہ ہی بہادری کا مظہر ہیں بلکہ انتہائی خباثت 'رذالت کمینہ پن کا ثبوت ہے 'اللہ تعالی کے نزدیک ایسے لوگ سخت مبغوض ہوتے ہیں حکومت بھی ان کی سرکوئی کرنے میں ہر وقت مشغول رہتی ہے۔ پھر اگر دوسری قومیں ان پیشوں کو اختیار کر کے فخر کریں تو ہمیں ان کے ذوق پر بیحد افسوس ہو گا۔ کیونکہ ہم تو رزق حلال کو ہی اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں۔ خواہ کتنے ہی غریب کیوں نہ ہوں خدا کا شکر ہے کہ ہماری قوم میں بیڑباز 'مرغ باز' آوارہ غنڈے ' شہدے 'شرابی اور بدکار لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

اگر اولوالعزمی اور بہادری کا مطلب چوری ڈاکہ زنی اور ٹھگی ہے تو ارائیں واقعی اولوالعزم نہیں ہیں۔ اور اگر شرافت نجابت ' بلند حوصلگی اور اجتماعی ارتقاء بھی اولوالعزمی کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں تو پھر دور کی بات چھوڑیئے پاکستان بننے کے بعد بھی ارائیوں نے جس اولوالعزمی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے اگر پاکستان جیسے زرعی ملک میں کوئی انہیں سبزی اگانے والے یا زراعت کرنے والے کہہ کر اپنی سمجھ میں ان کی توہین کرنا چاہتا ہے تو بے شک کرتا رہے 'کیونکہ یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو آنکھ کا اندھا اور دنیا بھر کی غذائی حالت سے ناواقف ہو۔

(۶) عربی النسل ہونا

ارائیں وہ عربی مہاجرین ہیں جو عرب سے سندھ میں لوٹ مار کر کی غرض سے نہیں آئے تھے بلکہ اسلام کی سربلندی اور قوم کے ناموس کی خاطر انہوں نے تلوار اٹھائی تھی ۔وہ سرزمین سندھ میں اسلام کے اولین فاتح اور مبلغ تھے اور وہ شام کی اس سرزمین سے اٹھ

کر آئے تھے جس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ

ونجینہ ولوطاالی الارض التی برکنافیہ للعلمین۔

(اور ہم اسے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور حضرت لوط علیہ السلام کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں)۔

اس کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ نمبر ۱۶۹ پر لکھتے ہیں:

"(یعنی شام اور فلسطین کی سرزمین) اس کی برکتیں مادی بھی ہیں اور روحانی بھی۔ مادی حیثیت سے وہ دنیا کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ہے اور روحانی حیثیت سے وہ دو ہزار برس تک انبیاء علیہم السلام کا مہبط رہی ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے خطہ میں اتنی کثرت سے انبیاء کرام مبعوث نہیں ہوئے۔"

مہاجرین مبلغین اور مجاہدین کی قدر تاریخ اسلام سے پوچھئے۔ ان کا ذکر قرآن پاک میں ڈھونڈیئے۔ ارائیں ان فضیلتوں پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے بشرطیکہ خود بھی اپنے آباؤاجداد کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ انہیں شامی کہلانے میں فرحت محسوس کرنی چاہیئے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبانؓ روائت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

" میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں کہ جن کو اللہ نے دوزخ کی آگ سے بچالیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ ایک وہ لشکر جو عیسی ابن مریم کے ساتھ ہوگا۔"

ہندوستان پر حملہ کرنے والے لشکر کے سپاہی ہمارے ہی آباؤاجداد تو تھے کیا یہ فضیلت کچھ کم ہے۔

دوسرا باب

تدریجی نقل مکانی

گذشتہ ابواب میں آپ نے ارائیوں کا عربی النسل ہونا پڑھ لیا ہے اور امید ہے کہ اس وقت تک جن غلط فہمیوں میں آپ مبتلا تھے وہ بھی دور ہو چکی ہوں گی۔ اور آپ ارائیں کہلانے پر فخر محسوس کرنے لگے ہوں گے کیونکہ جب حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اپنے نسب کا پتہ چل جاتا ہے تو تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے اسلام کی خدمت کی ہے۔ اسی طرح ہم اور ہماری نسلیں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ کیونکہ الدنیا مزرعتہ الاخرۃ (یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے) لہذا اس کرہ ارض پر کھیتی باڑی کرنے کو ہی مقصد حیات نہ سمجھ لیں بلکہ عاقبت کے لئے زاد راہ حاصل کرنے کو اپنا منتہائے زندگی بنائیں جو اس کے محبوبؐ کے بتائے ہوئے طریقہ پر زندگی گزارنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یاد رکھیئے اسلام ایک ضابطہ حیات ہے جس سے زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ارائیوں کے سندھ میں درود کے بعد ان پر کیا گزری؟ اس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم آپ کو پھر سے بارہ سو سال پیچھے کی ایک جھلک دکھانا چاہتے ہیں تاکہ اپنے آباؤ اجداد کو زندگی کی تگ ودو میں حصہ لیتے اور انقلابات کی وجہ سے نقل مکانی کرتے ہوئے دیکھ سکیں۔

ذیل میں ہم مختلف گزیٹروں اور روایات سے نقل مکانی کا حال درج کرتے ہیں۔ اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ شاہان غزنوی، غوری، تغلق، مغلیہ اور انگریز کے زمانہ میں ان کی سیاسی اور معاشی زندگی کا کچھ تذکرہ کریں گے۔

(۱) تاریخ پنجاب مصنفہ مفتی غلام سرور لاہور میں لکھا ہے کہ پہلے ارائیں اچھ کے علاقہ میں رہتے تھے۔ آخر پنجاب کی طرف چلے آئے اور اس قدر پھیلے کی کوئی شہر و قصبہ ان سے خالی نہ رہا۔ ان میں کاشت کار بہت ہیں۔

(۲) گزیٹر حصار ۱۸۹۲ء میں لکھا ہے سرسہ کے ارائیوں کا بیان ہے کہ وہ ۱۸۵۷ء تک وادی گھگر پر (بھٹیز سے ٹوہانہ تک جو تحصیل فتح آباد میں ہے) قابض رہے پھر بھٹی راجپوتوں کی لوٹ مار اور قحط سالی کے پے در پے حملوں نے قبضہ اراضی کو متزلزل کر دیا

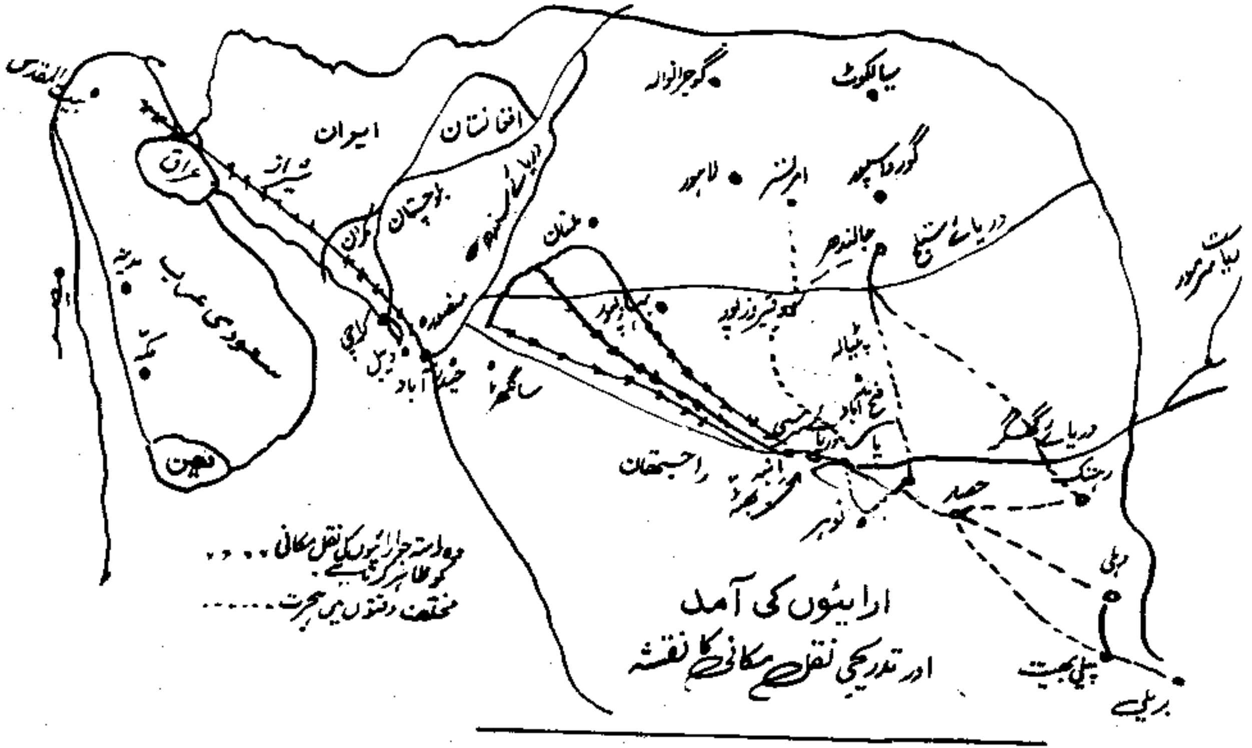
ارائیوں کی آمد
اور تدریجی نقل مکانی کا نقشہ
مختلف وقتوں میں ہجرت
ایران
افغانستان
عراق
سعودی عرب
مکہ
مدینہ
بیت المقدس
شیراز
بلوچستان
مکران
کراچی
دیبل
منصورہ
حیدرآباد
سانگھڑ
ملتان
سیالکوٹ
گوجرانوالہ
گورداسپور
امرتسر
لاہور
جالندھر
دریائے ستلج
دریائے سندھ
بہاولپور
فیروزپور
پٹیالہ
راجستھان
اجمیر
نوہر
دریائے گھگر
حصار
رہتک
دہلی
پیلی بھیت
بریلی

اور کثیر تعداد میں جالندھر 'ہوشیار پور' بریلی' بھیت اور رام پور چلے گئے۔

(۳) گزیٹر' منٹگمری میں ۸۴۔۱۹۸۳ء میں درج ہے: کہ ارائیں مغرب سے آئے ہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ سہارن پور کے ارائیں افغانستان سے ۱۶۵۰ء کے قریب آئے۔

(۴) گزیٹر لودھیانہ ۸۹۔۱۸۸۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع کے ارائیں ستلج سے از طرف ملتان آئے۔ اغلب ہے کہ یہ لوگ ستلج سے آئے ہوں۔ کیونکہ اس دریا کے کنارے کنارے لاہور اور فیروز پور کی نشیبی زمینوں اور لدھیانہ کے نصف ضلع تک ان کا پتہ چلتا ہے۔

(۵) گزیٹر جالندھر ۸۴۔۱۸۸۳ء میں لکھا ہے:

"ارائیں سرسہ سے آکر آباد ہوئے۔"

(۶) خلاصہ رپورٹ مردم شماری ۸۴۔۱۸۸۳ء میں ہے کہ:

(الف) معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں اصلی پنجابی قوم ہے جو ملتان کے قرب وجوار سے آئی ہے

(ب) برسر صاحب لکھتے ہیں: مجھے دریافت ہوا ہے کہ فیروز پور اور لاہور کے ارائیں بھی اپنی اصل کو اچہ یا ملتان بتاتے ہیں۔

(ج) ولسن صاحب کا کہنا ہے کہ فیروز پور' لدھیانہ 'انبالہ اور حصار کے ارائیں اپنی اصل کا اچہ یا اس کے گردونواح سے پتہ لگاتے ہیں۔

(د) بارکلی صاحب کہتے ہیں کہ ان کے اصل وطن کی وسعت ہانسی حصار سرسہ سے ملتان تک بیان کی جاتی ہے اور جالندھری رائیں حصار کی طرف سے آئے ہوئے ہیں۔

(۷) ڈینیل امبسٹن مہتمم مردم شماری ۱۸۸۱ء میں لکھتے ہیں کہ ارائیں اصل میں جنوبی سندھ سے آئے اور پنجاب کے پانچوں دریاؤں پر پھیل گئے۔ شروعات میں ان کے ایک حصہ نے دریائے گھگر (سرسوتی) کے اوپر کی طرف حرکت کی جو اس زمانہ میں دائمی دریا تھا۔ اوائل اٹھارہویں صدی میں ایک زلزلہ کے نتیجہ میں جب یہ دریا چند معاونین سے محروم ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ دریا خشک ہو گیا تو انہوں نے اصلاع جمنا اور پنجاب کے علاہ اور ستلج میں پیش قدمی کی۔

(بحوالہ سلیم التواریخ)

دریائے سرسوتی

جب تک اس دریا پر تفصیلی روشنی نہ ڈالی جائے گی نفس مضمون کو سمجھنے میں آسانی نہ ہوگی۔ لھذا اس دریا کا کچھ حال پیش خدمت ہے۔ اس دریا کو گھاگر' ہاکڑا' وہند اور سرسوتی مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ وادی سندھ کے اس گمشدہ دریا کے بارے میں مورخین کی رائے یہ ہے کہ یہ اٹھارہویں صدی تک سابق ریاست بہاول پور میں بہتا رہا اور آج جہاں وسیع ریگستان ہے۔ وہ علاقہ اس دریا کی گزرگاہ کے قریب ہونے کی وجہ سے نہائت سرسبز اور شاداب خطہ تھا۔ آج جہاں ریت کے تودے اور مٹی کے ڈھیر دکھائی دیتے ہیں وہ کسی زمانہ میں لہلہاتے کھیت تھے۔

الیفنسٹ ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ وسیع صحرا جو راجپوتانہ اور سندھ کے بڑے علاقے پر محیط ہے' پرانے زمانے میں نہایت محدود تھا اس وقت دریائے ہاکڑہ یا دھند (دریائے گھاگرا) کے نام پر ریاست بہاول پور میں سے گزرتا تھا اور اپنی مختلف سمتوں کو پھوٹتی ہوئی نہروں سے اس وسیع علاقہ کو سیراب کرتا تھا۔

اسلامی عہد میں یہ دریائے سندھ اور ہند کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا تھا۔ یہ دریا اٹھارہویں صدی میں بالکل غائب ہو گیا۔ لیکن اس کی قدیم گزرگاہ اور اس کے آس پاس تباہ شدہ شہروں کے کھنڈر آج بھی اس علاقہ میں سرسبزی اور ان لوگوں کی خوشحالی کا ثبوت ہیں۔ ٹاڈ نے بھی اس نظریہ کی تائید کی ہے وہ لکھتا ہے:۔

تاریخی روائت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ علاقے جو ویران اور بنجر ہو چکے ہیں اور وسیع ریگستان بن گئے ہیں۔ دریائے ہاکڑا کے خشک ہو جانے کے باعث ان پر یہ آفت نازل ہوئی تھی۔

پانی کی نایابی کی وجہ سے یہ دریا خشک ہو گیا اچ کے اطراف میں بہت سی بستیاں آج بھی موجود ہیں جو اچ کی طرح اس قدیم دریا کے کنارے آباد ہیں۔ اور جن کی قدامت اوچ سے کسی طرح پر کم نہیں۔ قلعہ ڈیراور قلعہ مروٹ پتن منارا بھٹہ داہن اور اسی طرح کی کئی قدیم بستیاں آج بھی بہاول پور میں موجود ہیں۔ ذیل میں ہم "تاریخ ریگستان" کے چند حوالے پیش کرتے ہیں:۔

تاریخ ریگستان اور دریائے ہاکڑا

سندھ میں زلزلوں کی وجہ سے دریاؤں کے رخ بدل گئے سطح زمین کی حالت تبدیل ہو گئی خشکی سمندر میں اور سمندر خشکی میں تبدیل ہو گئے۔ چنانچہ ۹۶۲ء ہجری میں دریائے سندھ نے اپنا رخ بدلا اور الور کا ستیاناس ہو گیا۔ برہمن آباد بھی لزلے کی وجہ سے ہی تباہ ہوا تھا۔ ۱۸۱۹ء میں سندھ کا زلزلہ سب سے زیادہ شدید تھا۔ جس سے بحیرہ عرب کا ایک حصہ رن کچھ میں تبدیل ہو گیا۔ یعنی۔ خشکی ابھر آئی۔ (صفحہ نمبر ۱۵)

موجودہ رن کچھ بحیرہ عرب کا حصہ تھا جس کے ساحل پر باری ننگر کی بندرگاہ مشہور تھی جواب موجودہ ننگر پارکر سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر دیراندی کے پاس تھی اس وقت ایک دریا جسے ہاکڑا کہتے تھے۔ اور جو پنجاب سے آتا تھا اور عمر کوٹ کے پاس سے گزرتا تھا اور رن کچھ کے قریب بحیرہ عرب میں گرتا تھا۔ (صفحہ نمبر ۱۶۔۱۷)

ابوالفضل" نے آئین اکبری میں اور ٹاڈ صاحب نے "ٹمٹاؤ راجستھان" میں دریائے ہاکڑا کا ذکر کیا ہے ریاست بہاولپور جیلمیر اور تھر کے علاقے میں اس دریا کی گزرگاہ کے آثار اب تک کہیں کہیں موجود ہیں (صفحہ نمبر ۲۰)

مسٹر ہنیری کزنس لکھتا ہے کہ قدیم زمانے سے سندھ میں دو بڑے دریا بہتے تھے۔ ایک وہ ہے جسے آجکل بھی دریائے سندھ کہتے ہیں اور دوسرے کو مہران ۹۶۳ء میں ایک خوفناک زلزلہ آیا تھا جس نے سکھر اور بکھر والے ڈیلٹے اور چٹانیں توڑ ڈالیں اسی زلزلے کی وجہ سے دریائے مہران کا بہاؤ الور کی طرف ہو گیا جس نے پورے شہر کو غرق کر دیا۔ (صفحہ نمبر ۲۲)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جتنے پیچ و خم اور جیسا طویل راستہ اس دریا کے حصہ میں آیا ہے اور جس قدر دشوار گزار اس کی گزرگاہ ہے شاید ہی کسی دوسرے دریا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہو۔ پرانے تذکروں میں اسے نظر نہ آنے والا دریا ہی کہا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تھانسیر اور کورکشتر کے پاس سے ہوتا ہوا ضلع کرنال پھر ضلع سرسہ میں گھاگھر سے مل جاتا ہے۔ وہاں سے اس کو دریائے سرسوتی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ پھر راجپوتانہ سے گزرتا ہوا پنجند سے تھوڑا آگے جا کر دریائے سندھ سے مل جاتا ہے۔ اس کی گزرگاہ کے نشان آج بھی سیر گڑھ ریاست بہاولپور میں ملتے ہیں۔ یہ دریا ہندوؤں کی کتابوں میں بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے اور زیادہ آبادی اس کے کنارے تھی۔ ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں

اس علاقے کی زرخیزی کا بیان کرتا اور یہ کہتا ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا علاقہ آباد اور شاداب نہیں ہے۔

"تاریخ فیروز شاہی" میں بھی اس علاقہ کی سرسبزی اور شادابی کا تذکرہ ملتا ہے اس زمانہ میں علاقہ سرسہ یعنی بہوتہ اور قلعہ بھٹیز کے درمیان ارائیوں کے ۳۶۰ دیہات تھے جن میں بارہ ارائیاں بہت مشہور تھا۔ یہ لوگ رئیسانہ ٹھاٹ کے مالک تھے پھر قحط سالی اور دریا کے خشک ہو جانے کی وجہ سے یہ گاؤں تباہ و برباد ہو گئے اور کچھ لوگ جالندھر' ہوشیارپور' لدھیانہ' بریلی اور پیلی بھیت کی طرف چلے گئے اور کچھ ستلج کو عبور کر کے پنجاب میں داخل ہو گئے۔

صدیوں تک نقل مکانی'

اب ہم شاہان ہند کے مختلف ادوار میں ارائیوں کی نقل مکانی کا حال سلسلہ وار بیان کرتے ہیں:

(۱) محمد بن قاسمؒ

ارائیں ان کے ساتھ سندھ میں آئے سندھ کو فتح کیا اور یہیں اقامت پذیر ہو گئے دو سو سال تک بڑے بڑے انقلابات کا شکار ہوتے رہے کبھی بنجر زمینوں میں گل و گلزار کھلائے کبھی لہلہاتی ہوتی کھیتیوں کو چھوڑ کر تلواروں کے جوہر دکھائے۔ کبھی ملتان' اچہ اور منصورہ کی ریاستیں آباد کیں اور کبھی ریگستانوں' پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش رہے۔

(۲) محمود غزنوی'

قرامطہ کی سرکوبی اور کفر کے استیصال کے لئے ارائیں محمود غزنوی کے شانہ بشانہ لڑے۔ کیونکہ قرامطہ کے ہاتھوں انہوں نے بہت مصائب برداشت کئے تھے اور اب انتقام لینے کی خاطر سب سے پہلے انہوں نے ہی محمود غزنوی کا ساتھ دیا۔ انہوں نے ملتان کی فتح میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ سومنات کی تسخیر میں جاں نثاری کی مثالیں قائم کیں۔

(۳) شہاب الدین محمد غوری

۵۷۲ھ (۱۱۹۶ء) میں جب قرمطیوں کی باقی ماندہ طاقت کو ختم کرنے کے لئے محمد غوری نے ملتان پر حملہ کیا تو ارائیوں نے کافی تعداد میں اس کے لشکر میں شامل ہو کر بہادری کے جوہر دکھائے پھر اچہ کی فتح کے موقع پر انہوں نے بہت سے معرکہ سر کئے جن کے صلہ میں سلطان نے انہیں اچہ اور اس کے گردونواح میں جاگیریں دیں۔

اس کے بعد ارائیوں کی دو جماعتوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک ملتانی اور دوسری سرسہ والی (جسے خواجہ کھیڑہ میں رہنے کی وجہ سے کھیڑیا بھی کہتے ہیں) اس میں شیخ محمد اکبر بہت مقتدر شخص تھے۔ انہوں نے تسخیر اچہ میں سلطان کی بہت مدد کی تھی شیخ اکبر مذکور کی اولاد موضع رانیہ ضلع حصار میں آباد تھی۔ جو انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ضلع ملتان اور منٹگمری میں آباد ہوئی۔

(۴) شمس الدین التمش

اس کے زمانہ تک یہ لوگ بہت دور دور تک پھیل گئے تھے۔ یعنی دریائے سرسوتی، دریائے بیاس اور دریائے ستلج کے ساتھ ساتھ دونوں کناروں پر ان کی نقل مکانی جاری تھی۔ زراعت اور گلہ بانی اب بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا کیونکہ جنگلوں کی مصیبت کسی حد تک ختم ہو چکی تھی۔ ملتان اور دیپالپور سے لے کر سرسہ، ہانسی اور جالندھر تک ان کی بستیاں تھی۔ ان کی محنت نے بنجر زمینوں سے سونا اگلوایا تھا۔ اس لئے رئیسانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے۔ ان کی زیادہ بستیاں دریائے سرسوتی کے کنارے آباد تھیں۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ رانیہ (جس کا پہلا نام راجپورہ تھا۔ علی پور ٹیٹو کھیڑہ، ہارنی فتح پور، محمد پور، سالار پور، شاہ پور بیگو، اور معزز الدین وغیرہ۔ ان تمام مواضعات کی کل تعداد ۳۶۰ تھی۔

(۵) محمد تغلق

اس کے عہد میں ۷۴۳ھ سے ۷۴۹ھ تک زبردست قحط سالی کا دور رہا۔ اور بدنصیبی سے دریائے سرسوتی خشک ہو گیا۔ اس لئے سب سے زیادہ تکلیف ارائیوں کو ہوئی جن کا ذریعہ معاش اب صرف زراعت تھا۔ ان کی زمینیں بنجر ہو گئیں اور مجبوراً انہیں وسیع پیمانے

پر ہجرت کرنی پڑی۔ چنانچہ بہت سے خاندان دریائے ستلج کے آرپار آباد ہو گئے۔ جہاں ان کی بڑی بڑی بستیاں مثلاً تہاڑہ' تلون اور نکودر وغیرہ ۱۹۴۷ء تک آباد تھیں کچھ لوگ قحط سالی کے ایام میں پیلی بھیت اور بریلی چلے گئے تھے۔

(۶) فیروز تغلق

اس کی ماں ابوہر منڈی ضلع فیروز پور کی رہنے والی نو مسلم راجپوت عورت تھی۔ اس کا آغاز شباب اسی علاقہ میں گزرا تھا۔ جو اپنی شادابی کی وجہ سے ہریانہ کہلاتا تھا۔ بلکہ ان دنوں علاقہ حصار بھی ہریانہ کے نام سے مشہور تھا یہ بادشاہ شکار کی غرض سے منٹگمری اور دیپال پور کے جنگلوں میں آیا کرتا تھا۔ اس نے علاقہ حصار (سابق ہریانہ) کو زیادہ سے زیادہ رونق دینے کے لئے نہر جمن غربی نکلوائی تھی جو اب تک موجود ہے۔ اس نے اپنے بیٹے کے نام پر فتح آباد شہر اور اس کے آس پاس اراوں لالی ظفر آباد۔ اور رضا آباد بھی آباد کرائے۔ دریائے گھگھر کے کنارے رانیہ کے جنوب میں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی علاقہ میں جھیل آنے کاہی کے ارد گرد شکار کی کثرت تھی۔ فیروز شاہ تغلق اکثر شکار کھیلنے اس علاقہ میں جایا کرتا تھا۔ دوران شکار بادشاہ اپنی فوج اور درباریوں سمیت اس علاقہ میں قیام کرتا تھا۔ بعد ازاں جب دریائے گھگر میں سیلاب کی وجہ سے ارائیوں کے دیہات تباہ ہوئے تو اس قلعہ میں بھی ارائیوں نے سکونت اختیار کر لی اور اس کا نام بادشاہ کی نسبت سے فیروز آباد مشہور ہو گیا۔ ان سب میں زیادہ تر ارائیں ہی آباد تھے۔ اس نے دریائے گھگر سے نہریں نکلوائیں تاکہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب رہے۔ ان سب علاقوں میں اس وقت رانیہ' سرسہ' بھٹہ اور فیروز پور بڑے بڑے شہر تھے اور ان تینوں میں ارائیوں کی تعداد دوسروں سے بڑھکر تھی یہی لوگ زمینوں کے مالک تھے۔

اسی بادشاہ نے فیروز پور آباد کرایا تھا۔ چونکہ وہ بہت نیک تھا اور اس کے زمانہ میں مکمل امن رہا اس لئے اس نے زیادہ توجہ شہر آباد کرانے' کاشتکاری کو فروغ دینے اور نہریں نکلوانے کی طرف مرکوز رکھی۔ اس نے اپنا یہ مقصد پورا کرنے کے لئے ارائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس علاقہ میں جمع کیا' بلکہ ان کے جو خاندان دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے تھے۔ انہیں دوبارہ بلا کر وہاں آباد کرایا۔ اور سب سے زیادہ عنایات انہیں ارائیوں پر کیں جو سرسہ کے ارد گرد ابھی تک آباد تھے۔ کیونکہ وہ قحط سالی کے باوجود وہاں ہی رہے تھے۔

چنانچہ بھٹیز سے لیکر ٹوہانہ تک سو میل طول اور تقریباً دس میل عرض میں ارائیوں نے تین سو ساٹھ سے زیادہ گاؤں آباد کیے اور یہ علاقہ بارہ ارائیاں کے نام سے مشہور ہوا۔ ذیل میں ہم تاریخ فیروز شاہی" کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

اہل زراعت نے اپنے کام میں اس درجہ ترقی کی تھی کہ اگر یہ طبقہ ایک مشت تخم زمین میں بوتا تھا تو اس کے عوض ستر اور سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل کرتا تھا۔ (صفحہ نمبر ۱۳۱)۔

سلطان فیروز شاہ نے فتح آباد اور حصار شہر آباد کرائے اور ان دونوں مقامات میں بے شمار و بکثرت نہریں جاری کی گئیں اور تمام نہریں اسی یا نوے کوس تک جاری ہوئیں۔ نہروں کے درمیان تمام تر قصبات و قریات آباد تھے۔ چنانچہ جنید و قصبہ دھار تھ و شہر ہانسی تغلق پور عرف سیدم وغیرہ حصہ ملک ان نہروں سے سیراب ہوتے تھے۔ رعایا و خلقت کو بے شمار نفع حاصل ہوتا تھا۔

حصار فیروزہ کی شق میں ہانسی واکرودہ و فتح آباد اور سرستی سامورہ و خضر آباد و دیگر اقطاعات تک تمام و کمال شامل ہو گئے۔ اور عظیم الشان شہر بن گیا۔ جس میں آبادی و زراعت کی کثرت ہوئی۔

(ص۹۹۔۹۸)

حصار فیروزہ آباد کی تعمیر میں اڑھائی سال صرف کیے۔ اور بادشاہ کے ساتھ رعایا و خلقت نے بھی اس کام میں بے حد کوشش کی۔ فیروز شاہ نے بے حد خوشی و مسرت کے ساتھ حصار میں باغات و اشجار لگائے۔ چنانچہ ان باغات میں ہر قسم کے میوے پائے جاتے ہیں۔ سدا پھل و خیری و نارنگ اسکند پول اور ہر قسم کے پھول ونیشکر بے اقسام و جنس کے ان باغات میں پائے جاتے تھے۔

بادشاہ نے ایک نہر دریاے جمنا اور دوسری دریائے ستلج سے نکلوائی' ان دونوں نہروں کا دہانہ کرنال کے سنگھم سے۔ نکالا گیا اور اسی کوس کے فاصلے تک حصار فیروزہ میں لایا گیا اور بڑے بڑے سرداروں کو اس میں اعلیٰ مکان تعمیر کرنے کے لئے جگہیں دیں۔

ارائیوں کی پرانی بستیاں سالارپور' محمد پور' علی پور' شاہ پور' فتح پور' رسول پور' کاسن کھیڑہ' سکندرپور' خواجہ کھیڑا ' خیرپور' اور کنگن پور' راجپورہ (جو بعد میں ایک تاریخی واقعہ کے باعث رانیہ مشہور ہوا) کیسوپورہ' ہارنی' کریوالی' وغیرہ دریائے سرسوتی (یعنی

گھگر) کے کنارے آباد تھیں۔ دریا میں سیلاب آنے کی وجہ سے یہ بستیاں متاثر ہوتی رہیں۔ چنانچہ مرور زمانہ کے ساتھ دریائے سرسوتی کا نام گھگر مشہور ہو گیا اور متاثرہ ارائیوں نے نئی آبادیاں قائم کیں جن کے نام یہ ہیں۔ کریوالی 'ہارنی نکوڑہ' معزالدین 'فیروز آباد' رانیہ' منگالا 'نثار' خیر پور' کنگن پور' سکندر پور' بیدوالا' موری والا ان آبادیوں میں سب سے زیادہ تعداد میں ارائیں موضع رانیہ میں آباد تھے۔

فیروز تغلق نے ارائیوں کی شرافت حسن کارکردگی اور جفاکشی کو دیکھکر اکثر بڑے بڑے سرکاری عہدے ان کو دے رکھے تھے۔

(۷) ابراھیم لودھی

لودھیوں کے زمانہ میں ہماری قوم مقتدر تھی۔ اور اسے ہر لحاظ سے بہت اعزاز حاصل تھے۔ چنانچہ بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو پانی پت کے میدان میں بابر سے لڑنے کے لئے ابراھیم لودھی کی طرف سے ارائیوں کے جنگجو نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد شامل ہوئی۔ جن کے سالار احمد اور امام دین تھے۔ جو سرسہ کے مشہور رؤساء میں سے تھے۔ ابراہم لودھی شکست کھاکر قتل ہوا۔ ارائیوں کی کثیر تعداد ہلاک ہو گئی۔ مگر بابر نے ان بہادروں کی قدر دانی کی اور باقیماندہ خاندانوں کو جاگیریں دے کر اپنا گرویدہ بنالیا چنانچہ نواح حصار میں بابر کی دی ہوئی جاگیروں پر ارائیں قابض رہے۔

شیخ امیر الدین صاحب ارائیں رئیس دبکہ علاقہ پیلی بھیت کی ایک یادداشت سے نقل کر کے مولوی حافظ علاؤالدین صاحب فرخ جلال آباد لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم لودھی بادشاہ ہند پر بابر نے چڑھائی کی تو شہر سرسہ کے دو ارائیں رئیس احمد اور عثمان اپنے سات ہزار جاں نثاروں کے ساتھ ابراہیم لودھی کی طرف سے بابر کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ چار دن تک سخت لڑائی ہوئی۔ شاہ محمود احمد 'عثمان اور راجہ اودھے پور اپنے کافی ساتھیوں سمیت مارے گئے اس کے بعد بابر سرسہ پر چڑھ آیا۔ پیر محمد اور رکن الدین سرداران قوم گیارہ دنوں تک خوب لڑے مگر مقتول ہوئے بابر چونکہ بہادر اور فیاض تھا۔ اس لئے اسے بہادروں کی قدر تھی۔ اس نے ارائیوں کے باقی ماندہ سرداروں کو سرسہ میں اپنے جاہ و منصب اور اراضیات پر قابض رہنے دیا۔ بلکہ اپنی طرف سے بھی علاقہ حصار میں اور زیادہ جاگیریں دیں۔ چنانچہ سرسہ کے گرد و نواح دریائے گھگر اور نہر جمن غربی کے سرسبز و شاداب علاقوں میں ارائیوں

کی کارکردگی ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم پاک وہند تک منظر عام پر تھی اور پھر ہجرت کر کے پاکستان میں یہ لوگ اکثر ضلع ملتان میں آباد ہوئے۔

(۸) شیر شاہ سوری

اس بادشاہ نے زراعت کی ترقی کے لئے بہت کوشش کی اور ارائیوں کی جفاکشی اور امن پسندی سے متاثر ہو کر انہیں دہلی سے امرتسر کے علاقہ میں شاہراہ اعظم کے دور دیہ جاگیریں دیں تاکہ یہ علاقہ آباد ہو۔ اور یہاں امن قائم رہے۔ چنانچہ اس شاہراہ کے دونوں طرف بکثرت درخت، کھیت اور آبادیاں ارائیوں کی کارکردگی کا اعلان ۱۹۴۷ء تک کرتی رہیں پھر قیام پاکستان کے بعد ارائیں بھی پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔

قیام پاکستان سے قبل شاہراہ اعظم کے دونوں طرف ارائیوں کے گاؤں کثرت سے آباد تھے۔ حالانکہ سکھا شاہی میں انہیں اجاڑنے کی بھرپور کوششیں کی گئی تھیں۔

(۹) نورالدین جہانگیر

اس کے زمانہ میں ارائیوں نے بہت ترقی کی۔ امرتسر گورداسپور ہوشیار پور، سیالکوٹ اور گوجرانوالہ وغیرہ میں بکثرت آباد ہوئے۔ ایک شخص مظہر علی نے قبضہ اچہ سے آکر پہلے سرہند کے قریب موضع سلیم پور آباد کیا۔ پھر سلیم پور سے قصبہ سامانہ ریاست پٹیالہ میں آباد ہوئے۔ اس کی نسل میں سے حافظ پیر محمد چشتی نظامی بہت مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔

(۱۰) محی الدین اورنگ زیب

اب تک ارائیوں کی حیثیت ایک حاکم کی سی تھی۔ چنانچہ میاں خاندان باغبان پورہ کے مورث اعلیٰ محمد فاضل نے مہمات دکن میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مدد کر کے نواب کا خطاب حاصل کیا۔ خاندان کٹار بنداں کے مورث اعلیٰ شیخ محمد عارف کو شاندار خدمات کی وجہ سے اورنگ زیب کے ہاں سے یکصد بیگھ اراضی معافی عطا ہوئی۔ جس کی سند آج تک ان کے خاندان میں موجود ہے ضلع گوجرانوالہ کے ایک ارائیں سردار محمد صادق شہنشاہ اورنگ زیب کے درباری تھے۔ ان کے خاندان میں بھی سرکاری سندات جاگیروں کی

آج تک موجود ہیں کریم داد ولد اللہ بخش موضع کنگرہ ضلع جالندھر کی اعلیٰ خدمات کے عوض بادشاہ نے اراضی عطا کی اور اس کی سندات آج تک موجود ہیں۔ خاندان میاں فرید بخش مزنگ لاہور کو بھی اراضی ملی اور سند دی گئی۔ مغلوں کے زوال ' مرہٹوں کے حملوں ' نادر شاہ کی لوٹ کھسوٹ اور احمد شاہ ابدالی کی یلغار کی وجہ سے ہماری قوم پر پھر بڑی بد بختی آئی اور کئی خاندان تباہ ہو گئے۔ البتہ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں کئی خاندانوں کو جاگیریں عطا ہوئی تھیں۔ چنانچہ حاجی فقیر بخش پیلی بھیت والوں کو ان کے ہاں سے سند اراضی عطا ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں نے مکر و فریب اور ظلم و ستم سے ہندوستان پر قبضہ کر لیا تو سوائے تحریک مجاہدین کے باقی تمام تحریکیں مردہ ہو گئیں اور ہر قوم و ملت کے لوگوں نے انگریزوں کی حکومت کے دامن میں پناہ لی چنانچہ ہر قوم کے لوگوں کو انگریزوں کی خدمات کے صلہ میں..... انعام و کرام اور طرح طرح کے اعزاز دیئے جن کا ذکر مناسب ابواب میں کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ ایکٹ انتقال اراضی ۱۹۴۰ء کے مطابق ارائیوں کی زیادہ آبادی مندرجہ ذیل اضلاع میں تھی جہاں وہ اراضیات کے مالک بھی تھے۔

میرٹھ ' بریلی ' پیلی بھیت ' مظفر نگر ' دہلی ' کرنال ' گڑگاؤں ' حصار ' رہتک ' انبالہ ' فیروز پور ' لودھیانہ ' جالندھر ' ہوشیار پور ' کانگڑہ ' گرداس پور ' امرتسر ' لاہور ' شیخوپورہ ' منٹگمری ' ملتان ' جھنگ ' لائل پور (فیصل آباد) گوجرانوالہ ' سیالکوٹ ' جہلم ' اٹک ' شاہ پور ' میانوالی ' ڈیرہ غازی خان ' مظفر گڑھ ' علاقہ سندھ میں سندھی ارائیں (جو عہد قدیم سے وہاں آباد تھے) زیادہ تر جیکب آباد لاڑکانہ ' حیدر آباد ' نواب شاہ اور سکھر اضلاع میں تھے۔ پھر جب سندھ میں آباد کاری کی خاطر اراضی تقسیم ہوئی تو ۱۹۰۰ء سے پیشتر اضلاع تھرپارکر اور سانگھڑ میں ارائیوں نے بہت سے چک آباد کیئے جن کی تعداد بے شمار ہے۔ ان کا تذکرہ بھی آئیندہ ابواب میں کیا جائے گا۔ گلگت ایجنسی میں بھٹہ ارائیں بہت زیادہ ہیں جنہوں نے جہاد کشمیر میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

(۱) سکھوں کا عہد '

ہندو پاکستان کی تاریخ میں اگر کوئی ظلم و ستم اور تباہی و بربادی کا زمانہ گزرا ہے تو ماضی قریب میں اس کی بہت بڑی مثال سکھوں کا عہد ہے۔ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بھی

ارائیں ہی بنے کیونکہ یہ دیہات میں زیادہ آباد تھے۔ اور سکھوں کے وحشی جتھوں کا زور بالعموم دیہات کی طرف ہی رہا جہاں انہوں نے بے گناہ لوگوں پر وحشیانہ مظالم روا رکھے۔ ان کی زمینیں چھین لیں' جائیدادیں ضبط کر لیں۔ اور وہ اودھم مچایا کہ الآمان۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ارائیں ہی مقہور و مظلوم تھے۔ بلکہ ہر قوم پر بے پناہ مظالم ہوئے اور سکھا شاہی اردو ادب میں محاورہ بن کر تاریخ کی پیشانی پر سکھوں کے عہد کی ایک گھناؤنی اور بد نما نشانی بن گیا۔ بعض بعض مقامات پر جہاں اکثریت ارائیوں کی تھی۔ ان کے ظلم و ستم سے اس لئے محفوظ رہے کہ ارائیوں کی تلوار نے سکھ وحشیوں کے منہ موڑ دیئے۔ ایسے تذکروں کی چند مثالیں آپ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔

اس عہد میں مہر سلیمان عرف سلیم رئیس بارہ ارائیاں ضلع سرسہ نے راجہ امیر سنگھ والئی پٹیالہ سے لڑ کر خوب داد شجاعت دی۔ اور اپنے علاقہ کو بہت دیر تک سکھوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ مہر عیسیٰ 'مہر اکبر' مہر محمد' مہر عمر حیات نے ریاست پٹیالہ کی طرف سے مقرر کردہ سردار دیوا سنگھ کو اس کی خواب گاہ میں گھس کر قتل کر دیا اور سکھوں کو اس علاقہ میں حکومت قائم کرنے کی بجائے اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی۔

دیوا سنگھ کے قتل کا پس منظر یہ ہے کہ موضع رانیہ میں اگرچہ ارائیوں کی کثرت تھی' تاہم وہاں غیر ارائیں قوم کے افراد بھی آباد تھے۔ ان میں بعض حاسدوں نے سکھ حاکم سے شکایت کی کہ ارائیں سردار ظاہرا سکھوں کے جاگیردار اور درباری ہیں مگر در پردہ وہ سکھی مذہب کے مخالف ہیں اور امتناعی حکم کے باوجود خفیہ طور پر گائے ذبح کرتے ہیں۔ مہر عمر حیات کے مکان پر چھاپہ مارا گیا اور گائے کا گوشت برآمد ہوا۔ چنانچہ سکھ حاکم نے ارائیوں پر تشدد کیا اور ان کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اس پر مقتدر ارائیوں نے سکھ حاکم کے مکان پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں وہ قتل کر دیا گیا۔ مگر اس کے بیوی بچوں کو کوئی گزند نہ پہنچایا۔ بلکہ انہیں بحفاظت پٹیالہ پہنچا دیا۔ یہ قتل مہر عمر حیات کے والد کے ہاتھ سے ہوا تھا۔

میاں عاشق محمد اور مہر محکم الدین نواں کوٹ ضلع لاہور' خاندان کنار بنداں کے ایک بزرگ مہر شادی' میاں امام بخش' صاحب کاردار' مولوی قادر بخش صاحب باغبان پورہ' حافظ جمال' تحصیل شرقپور ضلع شیخوپورہ 'میاں محمد وارث ساکن کوٹلی قادر آباد ضلع امرتسر' مہر گھسیٹا ساکن راجہ سانسی ضلع امرتسر' مہر ہو نسا ولد نامدار ساکن برج جیوے خان ضلع منٹگمری' جمعدار بالا موضع انب ضلع ہوشیار پور' میاں غلام جیلانی وزیر اعظم ریاست کپورتھلہ' مہر فاضل ساکن جالندھر شہر' کریم داد ولد اللہ بخش موضع کنگرہ ضلع

جالندھر' مہر انبیاء ولد مہر اعظم ساکن تنگل' ابنیاء چوہدری قطب الدین ساکن پھلور ضلع جالندھر مہر روڈاولد مہر باغ علی عرف باگو ساکن موضع کھنڈہ ضلع گورداسپور ایسے نامور شخص ہوئے ہیں جو اپنی بہادری' دانائی اور قابلیت کی وجہ سے اس عہد میں بڑی شہرت کے مالک بنے اور بڑا نام پایا۔

(۱۲) انگریزوں کا عہد

میاں نبی بخش رئیس باغبان پورہ' سردار نور برہان ساکن گنجہ کلاں ضلع لاہور' شیخ الٰہی بخش زمیندار دھندار ضلع پیلی بھیت' سر محمد شفیع' جسٹس شاہ دین۔ میاں عبدالعزیز' بیگم شاہنواز' چوہدری محمد صدیق' چوہدری محمد علی' میاں افتخار الدین ڈاکٹر کیپٹن عبدالعزیز' وغیرہ مشہور ہستیاں ہیں۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ڈائریکٹری تیار نہیں ہو سکی' اب مخلص افراد قوم اس کام کو پورا کرنے کا عزم ظاہر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو کامیاب و کامران کرے۔ آمین!

برادری کی تاریخی کتابوں پر
ایک
تنقیدی نظر

ذیل میں ہم اب تک شائع ہونیوالی برادری کی تواریخ پر دلچسپ تنقیدیں درج کرتے ہیں تنقید نگار ہیں:۔☆ میاں خالد سعید ابن میاں محمد سعید صاحب ایڈیٹر اخوان الراعین کراچی'

۱۔ مصنف ہیں منشی محمد ابراہیم کرنالی
۲۔ صوفی محمد اکبر علی جالندھری
۳۔ منشی محمد ابراہیم انبالوی
۴۔ علی اصغر چوہدری گورداسپوری
۵۔ ماسٹر محمد حسین ارشد' وزیر آبادی'
۶۔ ڈاکٹر چوہدری عنایت اللہ سلیمی قادری
۷۔ چوہدری غلام رضا' جھنگ'
۸۔ میاں محمد سعید صاحب کراچی

☆مولوی محمد ابراہیم کرنالی صاحب

ان کے مفصل حالات تو معلوم نہیں ہو سکے البتہ اس قدر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب کا تعلق کرنال کے علم دوست ارائیں خانوادہ سے تھا۔ انہوں نے ارائیوں کے حسب و نسب پر قلم اٹھانے میں اولیت حاصل کی۔ مولوی صاحب نے تفریح الاخوان در ثبوت اہل عرب بودن قوم ارائیاں لکھی جو ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۳ء میں طبع ہوئی اس کتاب کا مختصر تذکرہ چوہدری غلام رضا صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے مولوی صاحب نے اپنی تحریر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ارائیں قوم کے اجداد عرب سے آئے تھے۔اور برصغیر میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔

☆صوفی محمد اکبر علی جالندھری صاحب

___: کا نظریہ تاریخ___

سلیم التواریخ میں ارائیوں کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت صوفی صاحب نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارا تاریخی "نام الراعی" ہے اسی کو جمع کی صورت میں "الراعین" کہتے ہیں عجمی اثرات سے یہ لفظ اراعین اور ارائیں بن گیا۔ اس لسانی تبدیلی کا تدریجی عمل کئی صدیوں کے تاریخی نشیب و فراز پر محیط ہے۔ خود ارائیں قوم کا نسبتی تعلق عرب کے قریشی قبائل سے مربوط ہے خطہ عرب میں تین قسم کی آبادیاں قدیم مورخین نے بیان کی ہیں۔ عرب البائدہ اور عرب العاربہ ان سامی قبائل کو کہتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نامور فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے عرب میں بود و باش رکھتے تھے۔ آج سے چار ہزار سال قبل سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی والدہ سیدہ ہاجرہ کے ہمراہ فلسطین سے ہجرت کر کے جوف کعبہ میں سکونت اختیار کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد و نسل حجاز میں آباد رہی۔ اس اسماعیلی نسل کو مورخین کی اصطلاح میں "عرب مستعربہ" کا نام دیا جاتا ہے بنو اسماعیل کی شاخ "بنو قیدار" میں عدنانی قبائل بہت مقتدر رہے ہیں۔ ان میں فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کو قریش کے نام سے شہرت دوام حاصل ہے۔

صوفی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ قریش کی نسل میں قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کے تین فرزند عبدالدار ' عبدامناب اور عبدالعزی زیادہ مشہور تھے۔ عبدالدار کی چھٹی نسل میں شیخ سلیم الراعی ہوئے ہیں۔ قوم اراعین ان کی نسل سے عبارت ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ارائیں شیخ حبیب الراعی کے اخلاف ہیں۔ چونکہ حضرت سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کے جدامجد عبدالمناف ' عبدالدار کے حقیقی بھائی تھے۔اور صوفی صاحب کے بیان سے الراعین کو قریشی ہاشمی مطلبی علوی صدیقی ' فاروقی ' عثمانی ' اموی اور عباسی خانوادوں کے ساتھ ہم نسبی کا مقام حاصل ہو جاتا تھا۔ اس لئے صوفی صاحب کے پیش کردہ نظریہ نے علمی حلقوں میں خاصا تحیر پیدا کر دیا بعض انتہا پسندوں نے اس ادعا کو سخت تنقید کا ہدف بنایا۔

صوفی صاحب نے اپنے بیان کی تائید میں بعض مجمل حوالے درج کیے ہیں۔ ان میں کشف المحجوب ' تقریب التہذیب ' تاریخ فرشتہ اور ملا علی قاری شارح مشکوۃ جیسے اہم نام شامل ہیں۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ:____

" اموی عہد خلافت میں یزید بن امیر معاویہؓ کی جنگی کارروائیوں کے باعث شیخ نظیر نے مدینہ منورہ سے ترک سکونت کر کے دریائے فرات کے کنارے بودو باش اختیار کر لی پھر سندھ پر فوج کشی کے دوران ان کا پڑپوتا شیخ حلیم بن حبیب بن شیخ سلیم الراعی بن شیخ نظیر ' اپنے بھائی بندوں سمیت غازی محمد بن قاسم کے جانباز مجاہدوں میں شامل ہو کر سندھ میں وارد ہوا۔ راجہ داہر کی افواج پر عظیم الشان فتح پانے کے بعد یہ مجاہدین سندھ میں ہی آباد ہو گئے۔

الراعی مجاہدین اس مناسبت سے عبدالداری قریشی قبیلہ کے اخلاف تھے برصغیر میں مستقل آبادی اور مقامی لوگوں سے میل جول نے ان کی معاشرت ' لباس اور زبان کی طرح ان کے قومی نام کو بھی متاثر کیا۔ الراعی سے اراعین اور پھر رفتہ رفتہ" یہ لوگ ارائیں کے نام سے پکارے جانے لگے۔"

حضرت صوفی صاحب نے سلیم التواریخ میں ارائیوں کے تاریخی پس منظر کا مفصل جائزہ پیش کرنے کے علاوہ ان کی معاشرت معیشت کردار عقائد ' رسم و رواج اور سیاسی حالات پر بھی روشنی ڈالی مختلف اضلاع میں ان کی عمومی حالت اور مشہور گوتوں و خاندانوں کا تذکرہ شامل کتاب کیا ہے اور بعض نہایت اہم دستاویزوں کی نقول اور مفید اعداد وشمار بھی مہیا کیے ہیں ۔ ارائیں معززین اور عہدہ داروں کی محکمہ وار فہارس کو علیحدہ کتابی

صورت میں شائع کیا۔ یہ مفید کتاب سلیم ڈائریکٹری کے نام سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی۔
نعمان ذورعین اور اس کے بھائیوں کی نسلیں ملت اسلامیہ میں شامل تھیں ۹۲ھ میں غازی محمد بن قاسم ثقفی نے جب سندھ پر فوج کشی کی تو آل ذورعین کے دستے مجاہدین اسلام کے لشکر میں موجود تھے یہ ارض سندھ میں فتح حاصل کرنے کے بعد اسی جگہ آباد ہو گئے۔ ان کو رعین کہا جاتا تھا۔ مقامی اثرات سے یہ لفظ آہستہ آہستہ رائین بن گیا۔ ہمارے اجداد کے سامی الاصل ہونے عرب کے باشندے اور اسلام میں سابقون الاولون ہونے۔ غازی محمد بن قاسم کے لشکر میں شامل ہو کر وارد سندھ ہونے اور اس جگہ مستقل آباد ہو جانے میں منشی صاحب نے سلیم التواریخ کی پیروی کی ہے۔ سامی قبائل میں صوفی صاحب نے نسل اسماعیل (عرب مستعربہ) میں عبدالدار قریشی قبیلہ کے ایک معزز شخص سلیم الراعی کو مورث اعلیٰ تسلیم کیا۔ اس کی وجہ لفظ الراعی کی ارائین" کے ساتھ ہم آہنگی اور بعض تاریخی شواہد و قرائن میں منشی محمد ابراہیم محشر انبالوی نے بھی اسی نوعیت کی صوتی مماثلت اور قرائن زمانہ پر اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی لیکن آل سلیم الراعی کے نظریہ کو ترک کرنے کوئی معقول دلیل نہیں دی۔

منشی صاحب کا بیان ہے کہ نعمان ذورعین سے دو ہزار سال قبل ریم ذورعین کی اولاد و نسل بھی "ذورعین" کے نام سے پکاری گئی اور یہ لوگ مختلف اوقات میں ہندوستان بھی آئے یہ نووارد اگر مستقل طور پہ ہند میں آباد ہوئے تو ان کے اخلاف کہاں ہیں۔ اور وہ کس نام سے پکارے جاتے ہیں؟ منشی صاحب نے اس کی وضاحت نہیں کی پہلی صدی ہجری میں آل ذورعین کی مختصر جماعت خطہ پاک میں آئی۔ ان کی نسلوں کا شمار آج کروڑوں تک پہنچ رہا ہے۔ اس صورت میں دو ہزار سال قبل از ہجرت یمن کے ذورعین کی نسلیں تو کروڑوں سے متجاوز ہونی چاہئیں لیکن یمن سے لیکر مشرق وسطیٰ کی شمالی حدود تک "آل ذورعین" کی کثیر آبادیاں بھی کہیں موجود نہیں ہیں۔ تاریخ کے یہ اہم پہلو مبہم اور تشنہ ہونے کی وجہ سے اس نظریئے کو زیادہ قبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔

☆منشی محمد ابراہیم انبالوی___:مصنف:___
"آل ذور عین"

.... :کا نظریہ تاریخ:....

منشی صاحب نے ارائیں مورخین کا کھوج لگانے کے لئے ماضی بعید کی طرف پیش قدمی کی اور عرب میں آباد نسل اسماعیل کو اپنی تحقیق کا محور بنانے کی بجائے بنو قحطان بن عامر تک اپنے مطالعے کو وسعت دی۔ ان کی تحقیق کے مطابق ہمارے اجداد کا تعلق یمن کے حمیری قحطانی بادشاہوں کے خاندان سے تھا۔ یہ خاندان قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفحشد دین سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں ہونے کی وجہ سے سامی الاصل تھا۔ سام کی پچیسویں نسل میں ریم ذور عین بن حرث بن زید الجمھور گزرا۔ اس نامور حاکم یمن کا سال ولادت ۱۳۵۴ء قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔

ریم ذور عین کی نسل میں کم و بیش دو ہزار برس کے بعد نعمان ذور عین بن سفیان ذو تیجان بن عبد کلال الاصغر ہوا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہم عصر تھا۔ اس خوش نصیب شخص کو عہد رسالت میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں غزوہ تبوک کے زمانہ میں اس نے عریضہ بھی لکھا جس میں اپنے ایمان اور وفاداری کا اقرار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں نامہ مبارک تحریر فرمایا اور اس کے قبول اسلام پر اظہار خوشنودی کے علاوہ ضروری احکام و ہدایات بھی لکھوا کر بھیجیں۔

☆چودھری علی اصغر صاحب ۔مصنف۔

___ کا نظریہ تاریخ:___ "تاریخ ارائیاں"

سلیم التواریخ اور آل ذور عین کے مصنفین نے ارائیوں کا نسبی سلسلہ کسی ایک مورث اعلیٰ تک پہنچایا تھا۔ یہ طریقہ سامی عرب روایات کے عین مطابق تھا کہ ایک تاریخ ساز شخص کی اولاد و نسل اسی کے نام سے شہرت پاکر قبیلہ کی شکل اختیار کرے اور پھر آبادی میں بہت زیادہ اضافہ ہو جانے پر ایک قوم کی حیثیت حاصل کرے چودھری صاحب نے اپنے پیشروؤں سے اس حد تک تو اتفاق کیا ہے کہ ہمارے اجداد سامی النسل عرب تھے مشرق وسطیٰ سے پہلی صدی ہجری کے آخر میں غازی محمد بن قاسم کے ساتھ مجاہدین کی حیثیت سے وارد سندھ ہوئے اور فتح یاب ہونے کے بعد اسی خطہ میں مستقل

طور پر آباد ہو گئے لیکن کسی متعین جدا علی کے ساتھ سلسلہ نسب ملانے کی روائت کو چودھری صاحب نے اختیار نہیں کیا۔ اس کی بجائے علاقائی نسبت کو ترجیح دیتے ہوئے برصغیر کے ارائیوں کا آبائی سرچشمہ اریحا نامی بستی کو قرار دیا ہے۔ بائبل میں فلسطین کی ایک قدیم بستی ریحو کا تذکرہ موجود ہے۔ یورپی زبانوں میں اس کو جریکو کہا جاتا ہے یہ قدیم قصبہ بحیرہ مردار کے شمالی جانب یروشلم سے کچھ فاصلے پر واقع ہے اور دریائے اردن کے مغربی کنار پر آباد ہے۔

چودہری صاحب نے مختلف حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ بنو امیہ کے عہد خلافت سے ہی یہ قصبہ حدود شام میں شامل تھا اور اس کا نام اریحاء تھا۔ اموی حکومت نے اسے چھاؤنی کی حیثیت دے دی گئی تھی اور اس میں حجاز کے کئی نامور شیوخ اپنے فوجی دستوں کے ساتھ مقیم تھے۔ ان میں زیادہ تر بنوامیہ، بنوکلب، بنواسد، بنوقیس، بنوسلیم، بنوتمیم، بنونزار اور بنوثقیف کے علاوہ بعض دیگر قریشی وانصاری قبائل کے جنگجو افراد موجود تھے۔

سندھ پر فوج کشی کے لئے مجاہدین اسلام کا جو لشکر ترتیب دیا گیا تھا۔ اس میں اریحا کے شمشیر زن بڑی تعداد میں شامل تھے۔ راجہ داہر کے خلاف جنگ میں غازی محمد بن قاسم کے زیرکمان عساکر اسلام کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ اسی دوران مرکز خلافت میں بعض اہم تبدیلیوں کے باعث غازی محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا۔ لیکن وہ عرب مجاہدین جو سندھ کی فتح کے بعد مزید پیش قدمی کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اس اہم تبدیلی کے بعد مفتوحہ علاقہ میں مقیم رہے۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے۔ انہوں نے شامی مجاہدین کو وطن مراجعت کا موقع نہ دیا اور یہ مستقل طور پر سندھ میں آباد ہوگئے۔ اریحا کے مجاہدین کو ان کے وطن کی مناسبت سے اریحائی کہا جاتا تھا۔ مقامی باشندوں کے ساتھ میل ملاپ اور اثر و تاثیر کے طویل عمل نے ان کو اریحائی سے ارائیں بنادیا۔

اریحائی مجاہدین کے اجداد:

چودہری صاحب کے تحقیقی مآخذ:

تاریخ ارئیاں میں ان اٹھاون کتابوں کی فہرست درج کی گئی ہے۔ جن

پر فاضل مصنف نے انحصار کیا ہے۔ بلاشبہ یہ بڑے اہم ماخذ ہیں اور ان کے حوالے سے تصنیف کی سند کو تقویت ملتی ہے لیکن وہ بنیادی مآخذ جس سے اریحائی نظریہ کو تاریخی تائید حاصل ہوتی ہے وہ مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کی مشہور تحقیقی کتاب آئینہ حقیقت نما ہے۔ اس کے صفحات ۱۶۸/۱۶۹ (دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۵۸ء کراچی) پر مولانا نے ارائیں قبیلہ کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اریحائی قرار دیا ہے۔ یہ چونکہ واحد حوالہ ہے جس کی سند پر اریحائی نظریہ کا مدار ہے۔ اس لئے قارئین کو اس نادر کتاب کا براہ راست بھی مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

تاریخ ارائیاں میں تاریخ اسلام کی قرن اول میں رونما ہونے والے بعض نہایت اہم واقعات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ ارض سندھ کے تاریخی وجغرافیائی حالات، مسلمانوں کی فوج کشی کے اسباب اور اس کے نتائج کو بڑی تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ برصغیر میں ارائیوں کی آمد سے لیکر موجودہ دور تک ان کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دینی حالات کا عہد بہ عہد جائزہ سیر حاصل ہے۔ جنگ آزادی میں ان کی خدمات، قومی بیداری جماعتی تنظیم اور علمی ترقیات کے علاوہ مشہور خاندانوں اور عظیم دانشوروں کے روح پرور تذکار سے مزین یہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔

ماسٹر محمد حسین ارشد' وزیر آبادی

ارائیں قوم کی تاریخ پر کام کرنیوالوں میں چوتھے نمبر پر ان کا نام آتا ہے۔ ماسٹر صاحب نے تذکرہ آل سلیم المعروف بہ حقیقت راعیان کے عنوان سے اپنی تحقیق و مطالعہ کا حاصل کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۶۶ء سے پہلے کسی قریب زمانہ میں طبع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے لکھی جانیوالی کتابوں میں ارائیں قوم کے مورثین کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے گئے تھے۔ عام قاری کا ذہن متضاد تفصیلات اور تنقیدات سے پریشان ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب نے اس صورت حال سے متاثر ہو کر اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور مذکورہ تین نظریات میں تطبیق دینے کی کوشش کی۔

ہمیں افسوس ہے کہ بہت کوشش کے باوجود ہم یہ کتاب حاصل نہ کر سکے۔ تبصروں سے نفس مضمون کا اندازہ کر کے چند سطور پیش کر دی گئی ہیں۔ ماسٹر صاحب نے

قلت مطالعہ یا محدود وسائل کی وجہ سے اس کتاب میں بعض غلط باتیں لکھدیں۔ جن پر ناقدین نے سخت گرفت کی ہے۔

☆ڈاکٹر چوھدری عنایت اللہ سلیمی قادری☆

ڈاکٹر صاحب چونکہ حضرت صوفی صاحب کے پرجوش موئید اور نقیب تھے۔ اس لئے انھوں نے آل سلیم الراعی کے نظریئے کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے بڑے خلوص کے ساتھ کام کیا۔ آل ذور عین اور اریحائی نظریات سامنے آچکے تھے اور صوفی صاحب کی تحقیق کو ہدف تنقید بھی بنایا جارہا تھا۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب کو ان تھک محنت کرنی پڑی۔ مشرق وسطی کی سیاحت اور ان مقامات کو خود جاکر دیکھا جن کا حوالہ ارائیوں کی قدیم تاریخ کے ضمن میں لیا جاتا ہے۔ اس بیش قیمت معلومات کو ایک رسالہ کی صورت میں ۱۹۶۶ء میں طبع کرایا۔ اس رسالے کا نام قوم راعیان ایک تنقیدی اور اصلاحی مقالہ ہے۔ اس میں اپنے مشاہدات کے علاوہ متقابل نظریات پر تنقید بھی کی گئی ہے۔

جناب علی اصغر چودھری صاحب نے سلیم التواریخ پر علمی انداز میں تنقید کر کے آل سلیم التواریخ کی تاریخ اسناد پر کلام کیا تھا اور اسکے مقابلہ میں آئینہ حقیقت نما کی سند کو ترجیح دی تھی۔ اسکے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے دو امور کی طرف توجہ دلائی۔

(ا) سلیم التواریخ ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی اور اسے انجمن اراعیان ہند نے اپنے مرکزی اجلاس میں سند قبولیت عطا کی۔ جبکہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی (۱۸۷۵ء ۱۹۳۸ء) نے آئینہ "حقیقت نما" ۱۹۲۶ء میں شائع کی۔

(ب) مولانا نجیب آبادی عہد حاضر کے مورخ ہیں۔ انہیں قدیم تاریخ کے تحقیق طلب امور میں مستند حوالے دینے چاہئیں۔ جیسا کہ انہوں نے دیگر امور میں بھی کیا ہے۔ لیکن اریحائی نظریئے کو محض قیاس سے لکھ دیا ہے۔ اور اسکی تائید میں کوئی قدیم شہادت پیش نہ کر سکے۔

ڈاکٹر صاحب نے منشی محمد ابراہیم محشر انبالوی اور ماسٹر محمد حسین اور ارشد وزیر آبادی کی تصنیفات پر بھی اعتراضات وارد کئے ہیں۔ اس ضمن میں اپنے جذبات کو اشعار میں منضبط کر کے انجمن آرائیاں پاکستان کے اجلاس عام منعقدہ لاہور ۱۹۶۷ء میں سنایا۔ یہ دلچسپ نظم نوائے دوڑ (خطاب بہ قوم رائی) کے نام سے ایک کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔

☆چوھدری غلام رضا ۔مصنف۔"تاریخ ارائیں" ۔کا نظریہ تاریخ :۔

چوہدری صاحب کی رائے میں ارائیں تاریخ پر کام کرنے والے ہر مورخ نے اصلیت کو معلوم کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ان کی محنت اور فراہم کردہ معلومات قابل قدر ہیں اور قوم کو ان سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ان مورخین کے نظریات میں نسب کے متعلق جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اسے رفع کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ چوہدری غلام رضا نے عربی النسل، آل سلیم الراعی، آل ذورعین اور اریحائی تھیوریوں کو یکجا کر کے انہیں ایک ہی سرچشمہ سے منسلک کیا ہے۔

چوہدری صاحب نے رائج نظریات میں بعض مستند حوالوں سے مزید احتمالات کا اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ الخطیب کے حوالے سے ربیع بن ابی عبدالرحمٰن الراعی مدنی کے قبیلہ کو 'الراعیؒ سے موسوم ہونے کی وجہ سے شامل قوم کیا ہے۔اسی طرح تاریخ سندھ کی سند پر جنید بن عبدالرحمٰن الراعی حاکم سندھ کے قبیلہ 'الراعیؒ کو بھی اسی زمرہ میں گردانا ہے۔ سندھ کے سومروں کو بھٹو قبیلہ کے مورث اور عربی الاصل ثابت کر کے ارائیں فاتحین کی ایک شاخ ظاہر کیا ہے۔ کتاب 'ارائیں'، اپنی معتدل روش، نئی معلومات اور اختصار کلام کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ فاضل مصنف اپنی تحقیق کو جاری رکھیں گے۔

☆میاں محمد سعید صاحب ایڈیٹر اخوان الراعینؒ

میاں صاحب تاریخی معاملات میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے تمام متعلقہ پہلوؤں کا عمیق مطالعہ کرتے ہیں۔ تائیدی اور تنقیدی شہادتوں کے ساتھ عصری قرائن، واقعاتی احتمالات اور عقلی تنقیحات کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ارائیوں کی نسبتی تاریخ پر قلم اٹھانے کے لئے انساب اور تاریخ کی متعدد کتابوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ جو نیا ماخذ نظر آتا ہے اس کو پوری توجہ کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اور متقابل اسناد کے ساتھ تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارائیں مورخین کی پیش کردہ ان اقدار سے پوری طرح متفق ہیں کہ ہمارا اصل سرچشمہ ہو عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح کی ذات میں مرکوز ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ہمارے اجداد مشرقی وسطیٰ کے ان قبائل سے تھے جنھوں نے مجموعی طور پر اسلام قبول کر لیا تھا اور غازی بن محمد بن قاسم ثقفی کے ہمراہ وارد سندھ ہوئے تھے۔ لیکن اخلاقی امور میں میاں صاحب تطبیق کی راہ معلوم کرنے کی امید رکھتے ہیں۔ اگر فریقین اپنے پیش کردہ نظریات کو وقار کا مسئلہ نہ بنالیں تو اصل حقائق تک رسائی بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

دعوت فکر و عمل
تاریخ کی روشنی میں
پاکستان کی تعمیر و ترقی میں ارائیوں کا حصہ

ایک مختصر جائزہ :

یہ مضمون جس قدر اہم ہے آج نئی نسل شائد اس کا اندازہ نہ کر سکے لیکن حقیقت آخر حقیقت ہے۔ اس کا اظہار ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہ مضمون بہت تفصیل کا متقاضی ہے لیکن ہماری اس مختصر سی کتاب کے صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور سچ تو یہ ہے کہ اس تفصیل کا احاطہ کرنا بھی امر محال ہے۔ تاہم برادری کو ان کارناموں سے روشناس کرنا نہایت ضروری ہے جن کی بدولت پاکستان کی تاریخ میں انہیں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہمیں یہ اعتراف ہے، کہ ہماری برادری کے بیشمار سپوتوں کا نام اس جائزے میں شامل ہونے سے رہ جائے گا۔ کیونکہ گزشتہ نصف صدی کی تاریخ کے اوراق میں انہیں ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ ایک فرد واحد اس بارگراں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ تاہم ہماری کوششیں جاری رہیں گی۔ اور انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں یہ کمی کسی حد تک پوری کر دی جائے گی۔

ذیل میں ہم اس جائزہ کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں :۔

(۱) برصغیر کی جنگ آزادی کا آغاز تو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ تحریک مجاہدین کی داغ بیل اس سے کہیں پہلے ڈالی جا چکی تھی۔ دہلی کے آس پاس ارائیوں کی بیشمار بستیاں موجود تھیں۔ پیلی بھیت اور بریلی وغیرہ میں ارائیں بڑی شان و شوکت کے مالک تھے۔ اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کو ان بستیوں سے اس قدر خطرہ تھا کہ دہلی پر مکمل قبضہ کرنے سے پہلے انہوں نے سکھ افواج اور ریاستی جتھوں کا سارا زور ان ہی بستیوں کو تباہ کرنے پر صرف کر دیا تھا۔ ان کا مفصل تذکرہ شاہد احمد دہلوی کے ان مضامین سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے دہلی کی بربادی کے متعلق وقتاً فوقتاً ادب لطیف میں لکھتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اس تحریک میں ہماری برادری کے ایک معزز فرد مولانا محمد جعفر تھا تیسری کا ذکر اس

شان سے ملتا ہے کہ پوری تحریک کا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ آپ نے تاریخ عجیب عرف کالاپانی اور سیرت سید احمد شہید لکھ کر تحریک کی تاریخ بیان کر دی ہے۔ انہیں وطن کی آزادی کی خاطر پہلے پھانسی کی سزا کا حکم ہوا اور بعد میں کالے پانی کی سزا دی گئی جہاں اٹھارہ سال گزار کر غالباً ۱۹۰۸ء میں آپ واپس اپنے وطن تھانیسر تشریف لائے۔ تحریک مجاہدین نے انگریزی حکومت کے ایوانوں پر زلزلہ طاری کر دیا تھا۔ اور کفار و مشرکین بد حواس ہو گئے تھے۔ افسوس ہے کہ پشاور کے چند خود غرض سرداروں نے غداری کی اس تحریک میں ایک مجاہد محمد حسین کا نام بھی ملتا ہے جس کی عزیمت کی شان ہی نرالی تھی۔ ان دونوں مجاہدوں کا ذکر ہماری تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ اس تحریک کے باقیات صالحات میں مرحوم میاں عبدالباری تھے۔ جنھوں نے افغانستان کی طرف ہجرت کی، لیکن چند ناگزیر حالات کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ سردار محمد شفیع (جن کا ذکر ہماری تاریخ میں موجود ہے)۔ اس تحریک کے قاصد تھے۔ مولوی فضل الٰہی وغیرہ سے خطوط لے کر چمر کنڈ اور یاغستان جایا کرتے تھے۔ 'نصرت' لاہور میں اقبال شیدائی کے مضامین اور 'آئینہ' لاہور میں خود سردار صاحب کے مضامین ان زہرہ گداز واقعات سے بھر پور ہیں۔ ایک نہایت ہی معزز رکن کیپٹن ظفر حسن ایبک ہیں۔ جن کی آپ بیتی منصور بکڈپو لاہور سے تین جلدوں میں شائع کی ہے۔ یہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اسے پڑھیئے اور اپنی برادری کے اس جوانمرد رکن کے کارناموں سے سبق بھی حاصل کیجئے اور لطف بھی اٹھایئے۔ ہم اپنی اس کتاب میں اس کا خلاصہ درج کر رہے ہیں۔ وہ آجکل ترکی کے شہری ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا محمد سلیم صاحب ساکن سلیم آباد نزد خیر پور سندھ کے آباؤ اجداد نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ جن کا تذکرہ ان کے صاحبزادے، مولانا خلیل اللہ نے اپنی کتاب 'جند حریت' میں کیا ہے۔ ہم آئندہ ابواب میں ان کا خلاصہ بیان کرینگے۔ یہ لوگ علماء لودھیانہ میں سے ہیں۔

(۲) آزادی ہند کی جدوجہد میں مجلس احرار نے اپنی پالیسی اور منشور کے مطابق بھر پور حصہ لیا۔ اس مجلس کے صدر مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی ارائیں تھے اور جیوش احرار ہند کے سالار سردار محمد شفیع تھے۔ دونوں ہماری برادری کے معزز فرد ہیں۔

(۳) تحریک خلافت اور آزاد کشمیر کی تحریک میں پچھتر فیصدی افراد ہماری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

(۴) مسلم لیگ میں جس نے پاکستان کی جنگ لڑی ہے۔ پنجاب سے خصوصاً ہماری برادری کے افراد تھے۔ میاں افتخار الدین کے سامنے خضر حیات وزیر اعظم پنجاب کی بازی مات ہو گئی۔ مسلم لیگ ایکشن کمیٹی کی اپیل پر ڈائریکٹ ایکشن کی قیادت کرنے والے سر فروش ارائیں ہی تھے۔ میاں بشیر احمد کی خدمات کو کون بھلا سکتا ہے۔

مسلم لیگ کے جس اجلاس (منعقدہ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء) میں مسلم لیگ کا کانسٹی ٹیوشن بنا۔ اس کی صدارت میاں شاہ دین ہمایوں نے کی۔ گویا مسلم لیگ کے سب سے پہلے صدر میاں صاحب ہی تھے۔

(۵) ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس کی جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی تھی۔ استقبالیہ کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے میاں بشیر احمد کو منتخب کیا گیا تھا اور قائداعظمؒ ان کی تنظیمی صلاحیتوں سے اس قدر خوش ہوئے تھے کہ ۱۹۴۱ء میں انھوں نے میاں صاحب کو پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت قبول کرنے پر مجبور کیا اور ۱۹۴۲ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنادیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں شہید ملت خان لیاقت علی خان نے آپ کو ترکی میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجا۔ جہاں آپ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک رہے۔ پاکستان اور ترکی کا ۱۹۵۱ء کا معاہدہ دوستی آپ ہی کی حسن تدبیر کا نتیجہ ہے۔ آپ کے صاحبزادے میاں منظر بشیر سابق جسٹس پارٹی کے قائد تھے۔

(۶) مغربی پاکستان میں حزب اختلاف کے مسلم لیگی پارلیمانی گروپ کے قائد ایوان میاں عبد الباری تھے۔ جن کی بے لاگ تنقید اور اصول پرستی کی وجہ سے حکومت وقت ہمیشہ خائف رہتی تھی۔ ڈکٹیٹروں کے عہد حکومت میں یہ قیادت اکثر بہت مہنگی پڑتی ہے اور میاں صاحب بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔

(۷) برصغیر کے آخری انگریز وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کے پرائیویٹ سیکرٹری نے جو ڈائری لکھی ہے۔ اور جس کا اردو ترجمہ نفیس اکیڈیمی کراچی نے عہد لارڈ مونٹ بیٹنؒ کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف کانگریس بلکہ خود انگریز وائسرائے بھی چوہدری محمد علی صاحب کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ اور آپ کی بالغ نظری، دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے خائف تھے۔ ہندوستان کی تقسیم کے متعلق جو کمیٹی اس غرض سے بنائی گئی تھی۔ کہ تفصیلات طے کرے اور سروسز افواج اور اموال کی تقسیم کی جزئیات کا ڈھانچہ تیار کرے۔ مسلم لیگ کی طرف سے چوہدری محمد علی صاحب ہی اس کے

ممبر تھے۔ گویا تخلیق پاکستان کے نہایت اہم معماروں میں آپ کا اسم گرامی ہماری برادری کے لئے ہمیشہ سرمایہ افتخار رہے گا۔ آپ نے قیام پاکستان کے متعلق اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں ان تمام گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ جو پاکستان کی تخلیق کے اہم ستون تھے۔ اور جن کی مناسب تشہیر اور پبلسٹی نہ ہونے کی وجہ سے نئی نسل قیام پاکستان کی جدوجہد کے پس منظر اور نظریہ پاکستان سے یکسر ناواقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ اور نت نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے چوہدری صاحب کی فراست دیانت، عرق ریزی، اور خلوص کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اپنی مشہور تصنیف آزادی ہند (انڈیا ونیز فریڈم) میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں انڈیا میں عبوری حکومت کے قیام کے وقت سردار پٹیل نے مسلم لیگ کو زک پہنچانے کی نیت سے وزارت مالیات کے قلمدان کی مسلم لیگ کو پیشکش کی۔ مطلب یہ تھا کہ ان کے پاس کوئی ایسا ماہر مالیات نہیں ہے اور جب یہ ناکام رہیں گے۔ تو انگریزوں کو یہ تاثر دیا جائے گا کہ مسلم لیگ حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہذا پاکستان کا قیام کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ اس پیش کش پر خان لیاقت علی خان کو تشویش ہوئی مگر چوھدری محمد علی نے آگے بڑھکر اس نعمت غیر مترقبہ کو حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور قائداعظم نے چوہدری صاحب کے مشورہ پر اسے قبول کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلا بجٹ جو چوہدری صاحب کی محنت شاقہ اور دوراندیشی کا ثمرہ تھا۔ کانگریس کے سینے میں تیر کی طرح اتر گیا۔ اور خود سردار پٹیل اپنے دفتر کے دوچپڑاسی تک نہ رکھ سکے۔،،

مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ چوہدری صاحب کی فراست نے کانگریس کا نہ صرف سارا منصوبہ ناکام بنا دیا بلکہ خود کانگریس کو گوناگوں مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے حکومت پاکستان کے چیف سیکریٹری کی حیثیت سے جو خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کے تذکروں سے سرکاری ریکارڈ بھرپور ہیں۔ وزارت مالیات کا قلمدان سنبھال کر آپ نے پاکستان کی تباہ حال معیشت اور اقتصادیات کو جس طرح استحکام بخشا وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور آج تک دوسروں کی لئے چیلنج ہے۔ پاکستان کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے ۱۹۵۶ء کا دستور تیار کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور ملک کے لئے استحکام اور ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے نفاذ کا موقع ہی نہ آیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد آج

تک نئے دستور بنتے اور ردی کی ٹوکری کی نذر ہوتے رہے مگر بات پھر بھی نہیں بنتی ۔ آپ نے ون یونٹ کا جو خاکہ تیار کیا تھا اگر دیانتداری سے اس پر عمل کیا جاتا تو ملک کو سانحہ پیش نہ آتا۔

آپ نے اسلامی نظام اسلام پارٹی کی داغ بیل ڈال کر پاکیزہ سیاست کو دعوت دی نظام کو اپنا منشور بنایا اور اصلاحی اقدام کے لئے جدوجہد کی ۔ وقتاً فوقتاً پاکستان میں بیرونی قرضوں کے بوجھ کو روکنے اور کم کرنے کے لیئے بیش قیمت مضامین مختلف اخباروں میں شائع کرائے مگر ایوبی آمریت کے آخری دنوں میں آپ بیمار ہو گئے اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ پاکستان کے وزیر اعظم کی حیثیت سے آپ نے مسلم لیگ پارٹی کے باہمی انتشار اور سکندر مرزا کی آمریت کی وجہ سے استعفی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اصولوں کو ذبح کرنے کی بجائے کرسی کو چھوڑ دینا ہی اخلاقی برتری ہے۔ گندی سیاست سے آپ کو ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ غرض پاکستان کی تخلیق، تعمیر اور اصلاح کے لئے آپ کی قربانیاں تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف میں لکھی جائیں گی۔

(۸) پاکستان کی تاریخ میں سب سے کم عمر وزیر جناب ذوالفقار علی بھٹو تھے جو پہلے وزیر معدنیات، تجارت اور قدرتی وسائل رہے پھر وزیر خارجہ ہو گئے اور پاکستان کو اکناف عالم میں ممتاز مقام دلوا کر اپنوں اور غیروں سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ۱۹۶۵ء کے معاہدہ تاشقند سے بددل ہو کر آپ نے استعفی دیدیا اور ملکی سیاست میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ملک بھر میں ہنگامی دورے کئے۔ رائے عامہ کو بیدار کیا اور آخر کار ایوب خان کی آمریت کو پاش پاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۸۰ء کے انتخابات میں پارٹی بھاری اکثریت سے ابھری اور آخر ۱۸ دسمبر ۱۹۸۱ء کو پاکستان کی ڈور آپ کے ہاتھ میں آئی۔

آپ نے ایران ترکی اور چین سے خصوصی تعلقات قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے وزارت عظمی کا عہدہ سنبھال کر بہت سے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ بہت سی اصلاحات کیں۔ ان سب کا حال ان کے متعلق الگ بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) برصغیر پاک و ہند میں بحریہ کا پہلا ملکی امیر البحر ہونے کا فخر ہماری برادری کے ایک معزز رکن چوہدری محمد صدیق کو حاصل ہے۔ آپ پاکستان نیوی کے پہلے ایڈمرل ہیں۔ آپ

خوشنما اور ماحول پر سکون ہے۔

کھیل کے میدان میں کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان جناب عبدالحفیظ کاردار کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ دنیا بھر میں کرکٹ کے مشہور کھلاڑی کی حیثیت سے معروف ہیں۔ جناب محمد اسلم اور میاں سعید احمد وغیرہ کرکٹ کے نمایاں ستارے ہیں۔ ہاکی اور فٹ بال کے میدان میں ہمارے کئی کھلاڑی نام پیدا کر چکے ہیں۔ ادبی محاذ پر جناب نسیم حجازی، جناب قدرت اللہ شہاب، جناب میاں شفیع، جناب مسکین حجازی جناب حنیف رامے، جناب صفدر سلیمی، جناب میاں محمد اکبر، جناب میاں شاہ محمد عزیز، جناب مولانا محمد اسحاق نقشبندی، جناب عبدالرشید تبسم، جناب مولانا علم الدین سالک، جناب حافظ مظہر الدین، جناب محمد طفیل (مرحوم) نقوش والے) جناب پرویز شامی صاحب، جناب عبدالعزیز خالد صاحب وغیرہ کی ادبی کاوشوں کا تذکرہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

دینی میدان میں خیر المدارس ملتان والے مولانا خیر محمد مرحوم، مولانا بشیر احمد صاحب پسروری ختم نبوت والے، مولانا محمد علی جالندہری مرحوم، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا خلیل اللہ صاحب سلیم آباد والے، مفتی محمد نعیم صاحب، پیر غلام رسول قادری، صوفی علی احمد صاحب نقشبندی ایسی ہستیاں ہیں جن کے فیض سے ہزاروں تاریک روحیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے منور ہو چکی ہیں۔ جماعت اسلامی نے سیاست اور دین دونوں کی خدمت کی ہے کیونکہ دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ میاں طفیل محمد، چوہدری غلام محمد مرحوم، مولانا جان محمد بھٹو، چوہدری محمد اسلم سلیمی، میاں محمد شوکت، میاں محمد علی وغیرہ، کی خدمات ملک کی اصلاح کے لئے نہائت، قابل قدر ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ نئی تہذیب کے بے شمار نونہالوں کو ان لوگوں کی مساعی سے دین کی روشنی نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ پاکستان کے مشہور ماہر قانون جناب اے کے بروہی صاحب کو اسلام کے بھرپور مطالعے کی دعوت مرحوم چوہدری غلام محمد نے دی تھی۔ پھر کئی سال تک مناسب لٹریچر بھی انہیں بہم پہنچاتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جناب بروہی صاحب جنھوں نے ۱۹۵۴ء میں وزیر قانون سندھ کی حیثیت سے قرآن کو قانون کی کتاب تسلیم کرنے پر اعتراض کیا تھا۔ اب دنیا بھر میں اسلامی قانون کی بالادستی کے زبردست مبلغ بن گئے ہیں۔ جب چوہدری صاحب کا انتقال ہوا تو بروہی کی صلاحیتوں کا انگریزوں اور امریکیوں نے بار بار اعتراف کیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں آپ کے کارناموں پر پورا یورپ عش عش کر اٹھا تھا۔ آپ نے پاک بحریہ کے کمانڈر کی

حیثیت سے پاک نیوی کو جس درجہ مضبوط اور مشاق بنایا تھا۔ یہ اسی کا کرشمہ تھا کہ ۱۹۶۵ء میں دوارکا کا بحری بیڑہ تباہ کر دیا گیا تھا۔ آپ کو بحریہ والوں سے بے حد محبت تھی۔ اور پوری نیوی آپ پر جان دیتی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں جب ایوب خان کمانڈر انچیف تھے تو انہوں نے سکندر مرزا کے خلاف پلان بنانے میں بری اور فضائی فوجوں کا تعاون حاصل کرنے کے بعد چوہدری صاحب سے بحری فوج کا تعاون حاصل کرنے کی درخواست کی تھی تاکہ اس سازش میں تینوں افواج شامل ہوں اور سکندر مرزا کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ نیز خود بھی ایوب خان کو کوئی خطرہ نہ رہے۔ مگر چوہدری صاحب نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا تھا کہ ہم پیشہ ور فوجی ہیں۔ ہمارا کام وطن عزیز کا دفاع ہے۔ ہمیں سیاست میں الجھنا زیب نہیں دیتا۔ ایوب خان اس وقت تو خاموش ہو گئے لیکن صدارت پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے چوہدری صاحب کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ مگر جب یہ دیکھا کہ عوام اور افواج خاص کر نیوی میں چوہدری صاحب بہت ہر دلعزیز ہیں اور اگر انہیں ہٹایا گیا تو بغاوت کا خطرہ ہے۔ تو انہوں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ پاکستان اتنی بڑی بحریہ کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا لہذا اسے کم کر دیا جائے مگر آپ نے سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھنا، دونوں کا دفاع کرنا اور دونوں سے مستقل رابطہ قائم کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ بحریہ کو اور بھی بڑھایا جائے۔ میں اس میں ہرگز تخفیف نہ ہونے دوں گا اگر آپ نے اس کے لئے مجھ پر دباؤ ڈالا تو میں اپنی ملازمت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ ایوب خان اپنی ضد پر قائم رہے اور چوہدری صاحب نے استعفی دیکر اپنی اصول پرستی، حب الوطنی اور خلوص کا ثبوت مہیا کر دیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر امریکی اخبار نے لکھا تھا کہ چند سال پیشتر جب امریکی حکومت نے سکندر مرزا سے چوہدری صاحب کی خدمات چند سال کے لئے مستعار لینے کی درخواست کی تھی تو ایوب خان نے کہا تھا کہ ان کے بغیر پاکستان کو نیوی مردہ لاش کی مانند ہے۔ لہذا حکومت پاکستان چوہدری صاحب کی خدمات امریکہ کو پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن اب صدر بنتے ہی ایوب خان نے اپنے مفاد کے پیش نظر انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ چوہدری محمد صدیق عظیم انسان ہیں جنھوں نے اصول کیلئے قربانی دی ہے۔

(۱۰) جسٹس میاں سر عبدالرشید سابق چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف پاکستان (جو کچھ عرصہ تک قائم مقام گورنر جنرل پاکستان بھی رہے تھے) کے تاریخی فیصلوں جیسی نظیریں کم ہی ملتی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ پاکستان میں حکومت کے دباؤ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے لاگ فیصلے صادر کرنے کی روائت قائم کرنے کا سہرہ میاں صاحب کے سر پڑ ہے۔

جناب میاں نوراللہ سابق وزیر تعلیم پنجاب جناب مہر محمد صدیق سابق وزیر حکومت پنجاب، جناب عبدالسلام سابق نائب وزیر مغربی پاکستان اور ایسے ہی دوسرے سپوتوں نے اپنے اپنے دائرہ کار میں پاکستان کی تعمیر وترقی ہیں بھر پور حصہ لیا ہے۔ آمریت کے زمانہ میں حزب اختلاف کا نمایاں کردار ادا کرنا بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے لیکن ہماری برادری کے معزز رکن جناب حمزہ ممبر صوبائی اسمبلی (مغربی پاکستان) نے اپنی دھڑلے دار تقریروں سے ایوان، حکومت پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

ہمارے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبروں اور سرکاری افسروں نے اکثروبیشتر بہترین کارگزاری، حق وصداقت کی پاسبانی اور اظہار حریت میں بیشمار روائیتوں کو جنم دیا۔

(۱۱) تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت کے میدان میں ہماری برادری کے سپوتوں نے پاکستان کی خوشحالی میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ چنانچہ چوہدری محمد لطیف نے بیکو کی داغ بیل ڈالی اور پھر پاکستان میں اسے اس درجہ تک پہنچادیا کہ ہندوستان کے ٹاٹا اور برلا منہ دیکھتے رہ گئے۔ یہ ایشیا میں اپنی نوعیت کا اہم صنعتی ادارہ ہے جس کی تعریف خود چین کے وزیراعظم مسٹر چواین لائی نے بادامی باغ کا کارخانہ دیکھ کر نہائت شاندار الفاظ میں کی تھی۔ سندھ میں تجارت زیادہ تر ان ارائیوں کے ہاتھ میں ہے جو یوپی سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ چنانچہ سکھر، حیدر آباد اور کراچی میں ان کا بڑا کاروبار ہے۔ الحاج محمد اسحاق حنیف مرحوم کا نسبت روڈ لاہور پر ہوزری اینڈ ٹیکسٹائل ملز، واں رادھارام میں ملک منظور حسین کا زراعتی فارم، میاں عزیزالدین، کاسر تاج انڈسٹریز ایسے ادارے ہیں جو ملک کی دولت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ راولپنڈی کے خورشید جیولرز پاکستان میں مثالی تاجر ہیں۔

پیداوار کے میدان میں ڈگری ضلع تھرپارکر کے سیٹھ محمد حسین اور چنیوٹ میں چوہدری کالے خان اور حاجی کریم بخش ایوب گورنمنٹ سے بار بار انعام اور تمغے حاصل کر چکے ہیں۔ سندھ اور پنجاب میں جہاں جہاں ارائیوں کے گاؤں ہیں وہاں کھیت سرسبز اور مکان صاحب ان کی قبر پر دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ آج میرا باپ مر گیا۔ جس نے مجھے ہدائت کی راہ دکھائی تھی۔ آجکل جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان جس جانفشانی اور خلوص سے پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے، ان کا تذکرہ آئندہ صفحات میں موجود ہے۔ جنرل صاحب ہوائی حادثہ میں شہید ہو چکے ہیں۔

ارائیں برادری کا ذہنی تجزیہ

از سردار محمد شفیع صاحب۔ عثمان والا صدر آل انڈیا کانفرنس

دنیا میں کسی قوم کا عمومی مزاج سمجھنے کے لئے اس کی صد سالہ تاریخ کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جو اس کی ذہنی تربیت کا موجب بنی ہو، کیونکہ کسی قوم کے ساتھ پیش آمدہ حوادث وواقعات اس کی بودوباش، سرگرمیاں، اس قوم کی ترقی وتنزل کے تاریخی حالات سے ہی عمومی ذہن پیدا ہوتا ہے۔ جس پر غور کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ حوارث نے جو کمزوریاں پیدا کی ہیں ان کا سدباب کیا جاسکے۔

محمد بن قاسمؒ کی بہادر عربی فوج نے جب سارا سندھ فتح کر کے ملتان بھی فتح کر لیا تو دمشق کی مرکزی سیاست بدل گئی خلیفہ ولید کی وفات پر سلیمان خلیفہ بنا۔ یہ حجاج بن یوسف اور موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس کا سخت مخالف تھا۔ حجاج بن یوسف وفات پا چکا تھا۔ اس لئے خلیفہ سلیمانؒ کا عتاب حجاج بن یوسف کے بھتیجے محمد بن قاسمؒ پر نازل ہوا۔ وہ خلیفہ کی طلبی پر ملتان میں گرفتار ہوا اور عراق کی جیل میں شہید کر دیا گیا۔ محمد بن قاسمؒ کی فوج جو شام سے خلیفہ ولیدؒ نے بھیجی تھی۔ سے خلیفہ سلیمان کو خطرہ تھا کہ یہ واپس آکر محمد بن قاسمؒ کے ظالمانہ قتل پر کوئی ہنگامہ برپانہ کر دے۔ شام سے آئی ہوئی عرب فوج کی اس سخت حوصلہ شکنی اور واپس نہ آنے کے حکم سے مجبور ہو کر یہ سندھ میں اپنی گزراوقات کے لئے کھیتی باڑی کرنے پر مجبور ہوئی۔ انہوں نے عرب سے اپنے اہل وعیال کو بھی بلالیا۔ اور بعض اسلام قبول کرنے والی ہندو عورتوں سے شادی کر لی۔

نبی امیہ کے بعد جب عباسی برسراقتدار آئے تو انہوں نے محمد بن قاسم کی اس فوج کے آدمیوں کو جو سندھ میں کھیتی باڑی میں مشغول تھے۔ نبی امیہ کے حامی اور ہمدرد سمجھ کر سخت ابتلاؤں اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔ اس دور کی ہر تاریخ اس بات پر متفق ہے کہ محمد بن قاسم کی ہمراہی میں شام سے آئی ہوئی فوج سندھ اور ہند سے واپس عرب یا شام نہیں جاسکی۔ وہی لوگ قوم ارائین کے آباؤاجداد تھے۔ محمد بن قاسمؒ کے تین سو سال بعد سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی اور شمالی ہند فتح کیا تو یہ (اریحائی) ارائیں گروہ در گروہ وسطی پنجاب اور مشرق پنجاب آنے لگے۔ چونکہ یہ سندھ میں تین سو سال تک کھیتی باڑی کرنے کی بدولت زراعت میں ماہر ہو چکے تھے۔ ان کو مسلم حکمرانوں نے زرخیز زمینوں پر اور شہروں کے اردگرد زرعی زمین دی جو وراثت میں تبدیل ہو کر اکثر کے پاس اتنی قلیل رہ گئی جو گزر اوقات کے لئے کافی نہیں

تھی۔ اس لئے وہ بٹائی پر زمین لے کر مزارعہ بننے پر مجبور ہوئے۔ مزید دو صدیوں کے گزرنے پر بڑی اکثریت نسلاً بعد نسل وراثت کی تقسیم در تقسیم کے عمل سے مزارعہ بننے پر مجبور ہوتی رہی۔ مزارعت ایک قسم کی غلامی ہوتی ہے۔ اس لئے صدیوں تک ارائیں برادری پر غلامانہ ذہنیت کا مسلط ہونا ایک لازمی بات تھی۔ اس لئے یہ مثل مشہور ہے کہ مالوں میں مال گائیں، مزارعوں میں مزراعہ ارائیں یعنی جس طرح مویشیوں میں اصل الطبع گائے ہے۔ اس طرح مزارعہ ارائیں بھی غلاموں کی طرح محنتی، فرمانبردار اور شریف الطبع ہیں۔

کسی قوم کی مجموعی آبادی میں سے اکثریت کی حالت پر ہی اس قوم کے مزاج اور ذہن کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چند خاندانوں کی سفید پوشی، اعلیٰ ملازمت، چند زمینداروں کی بڑی زمینداریوں اور چند صنعتکاروں یا تاجروں کی خوشحالی مستثنات قرار پاتی ہے۔ آج بھی ۶۵ فیصد ارائیں مزارعے ہیں۔ صدیوں سے مسلط شدہ غلامی کی بدولت غلامانہ انداز فکر کا پیدا ہونا لازمی بات تھی جس کا نمونہ ۱۹۱۵ء میں پہلی آل انڈیا ارائیں کانفرنس لاہور کا (جبکہ انگریزی حکومت پہلی جنگ عظیم میں بری طرح گرفتار ہو چکی تھی) پہلا ریزولیوشن انگریزی حکومت کی وفاداری کا پاس کر کے دوسرے ریزولیوشن میں حکومت انگریزی سے التجا کی گئی تھی۔ کہ ہماری برادری کو انگریزی فوج میں بھرتی کی اجازت دی جائے تاکہ ہم حکومت کی وفاداری اور جاں نثاری کا عملی ثبوت دے سکیں۔

اس ریزولیوشن کے متفقہ طور پر پاس ہونے پر اسی کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں پنجاب کے ظالم گورنر ایڈوائیر نے لاہور کے انگریز کمشنر کو اس کانفرنس میں شکریہ ادا کرنے کے لئے بھیجا، جس نے اپنی تقریر میں شکریہ ادا کیا اور اس کانفرنس کے لیڈر کو جو ارائیں برادری کا بھی مسلمہ رہنما تھا۔ وائسرائے کی ایگزیکٹو کمیٹی میں بحیثیت وزیر لیا گیا۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد جب مسلمانان ہند کو یہ معلوم ہوا کہ ہر آزاد اسلامی ملک غلام بن چکا ہے اور کوئی اسلامی خطہ بھی آزاد نہیں رہا تو یہاں مخالف ایجی ٹیشن بڑے جوش و خروش سے شروع ہوئی اور ہر درد مند مسلم گھرانے میں کہرام مچ گیا اور یہ عیاں ہو گیا کہ باقی غدار مسلمان برادریوں کے ساتھ ہمارے ارائیں بھائی بھی شامل ہو گئے ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس فعل کے واضح نتائج کے بعد بھی برادری کے متمول اور تعلیمیافتہ لوگ برادری کے ان رہنماؤں کو فخر قوم کے خطاب سے نوازتے ہیں جنہوں نے ۱۹۱۵ء میں یہ ریزولیوشن پاس کر دیا تھا حتیٰ کہ بڑے معزز لوگ ابھی تک پہلی آل انڈیا ارائیں کانفرنس کے دونوں ریزولیوشن کو اور حکومت کو فوجی بھرتی کی پیشکش اور منظوری کو بڑے فخر

سے بیان کرتے ہیں
انا اللہ وانا الیہ راجعون،

آئی تھی جو عرب سے توحید کی جماعت
پہنچادیا کہاں اب اس کارواں کو ہم نے

یہ بارہ سو سال زمین کے ساتھ چمٹے رہنے اور بڑی اکثریت کا ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک مزارعہ بن کر دوہری غلامی میں مبتلا رہنے کا نتیجہ ہے۔ غلامانہ ذہنیت، برادری کی اس مشغولیت پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیں۔ جو تیسرے ایڈیشن میں بھی درج کی گئی تھی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :

"جب مال ودولت میں بخل کرنے اور عین کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تعام لو گے (یعنی کھیتی باڑی میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ گے) اور جہاد چھوڑ دو گے تو تم پر خدا ذلت ڈال دے گا۔ یہ ذلت دور نہ ہو گی۔ جب تک تم اپنے دین (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف لوٹ کر نہ آؤ گے۔" (سنن ابی داؤد)

اس عظیم برادری کی ذہنی تصویر کا دوسرا قابل فخر رخ بیان کیئے بغیر برادری کی مکمل ذہنی تصویر نامکمل رہے گی۔ اس لئے برادری کے ان بہادروں کے جذبہ جہاد کو میں اختصار کے ساتھ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو مسلط شدہ غلامانہ ذہن کی بدولت نا قابل تذکرہ سمجھ کر نظر انداز ہوتا رہا ہے۔

ارائیں برادری میں جو بھی غلامی کی دبیز چادر سے باہر نکلے وہ بڑے بہادر اور مستقل مزاج ثابت ہوئے۔ سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کی جماعت مجاہدین کے ابتدائی دور میں ارائیوں کی خاصی بڑی تعداد بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ شریک ہوئی۔ مجاہدین کے آزاد قبائل کے ہیڈکوائرچر قند اور تیرہ میں ہمیشہ موجود رہ کر مسلسل بڑی جرات اور استقلال سے شریک جہاد رہی۔

ہندوستان میں اسیران صوبہ جات کی فہرست میں بھی ان کی تعداد نظر آتی ہے۔ جیسا کہ کتاب "کالا پانی" میں آپ پڑھ سکتے ہیں کہ محمد جعفر تھانیسری (ارائیں) امیر جماعت مجاہدین صوبہ نے جن کو سرغنۂ غداران قرار دیکر انگریزی حکومت نے کالا پانی (عمر قید) کی سزا دی۔ انہوں نے جملہ مصائب کو بڑے استقلال سے برداشت کیا اور اپنی وسیع جائیداد کی ضبطی پر بے نظیر صبر کا مظاہرہ کیا (اس کا مختصر تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دہلی کے قریب قصبہ تھاڑ کے ارائیوں نے بڑھ

چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت سے شہید ہوئے، صرف وہ بچے جو جنگ آزادی کی ناکامی پر روپوش ہوگئے۔ بہت سے درپردہ فیروزپور شہر کے قریب بستی بنا کر آباد ہوگئے۔ ۱۹۲۰ء کے وقت خلافت ایجی ٹیشن میں اسی خاندان کے چوہدری عبدالحق صاحب۔ بار ایٹ لاء صدر میونسپل کمیٹی فیروزپور اور ان کے چھوٹے بھائی چوہدری عبدالستار صاحب بی ای ٹی نے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ تحریک خلافت کمیٹیاں دم توڑ گئیں تو مجلس احرار اسلام بنی، مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھنے والے آٹھ آدمیوں میں چوہدری عبدالستار صاحب بھی تھے۔ تحریک حریت کشمیر ۱۹۳۱ء میں جب سول نافرمانی کچھ کمزور ہونے لگی تو چوہدری عبدالستار صاحب نے اپنی اہلیہ جنت بی بی اور اپنی دو رشتہ دار خواتین کو چند تقریریں حفظ کرا کر جموں اور دہلی بھیجا۔ جنھوں نے برقعوں کے اندر بڑے اجتماعات میں تقریریں کیں، جس سے یہ تحریک پھر زندہ ہوگئی ان کو ایک ایک سال کی سزا ہوئی۔

۳۲-۱۹۳۱ء میں اس سول نافرمانی میں ۴۵ ہزار آدمیوں کی قید کیا گیا۔ جن میں چالیس فیصد ارائیں تھے۔ مجلس احرار اسلام کے صدر مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی ارائیں تھے۔ آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی میں ۳/۱ حصہ ارائیں ممبر تھے۔ میاں محمد شفیع صاحب (مرحوم) ارائیں سابق ڈپٹی کمشنر لاہور نے ۱۸۵۷ء کے نام سے اس جنگ آزادی پر ایک کتاب شائع کی جس کے کئی ایڈیشن نکلے۔ اس میں انہوں نے اپنے خاندان کا ذکر کیا کہ اس جنگ آزادی میں ان کے خاندان کے چھبیس آدمی شہید ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی اس جنگ آزادی میں دہلی کی سبزی منڈی کے مشہور بہادر ارائیوں کے بہت سے آدمی شہید ہوئے۔ ان سب کی وسیع جائیداد اور دہلی کے قریب کئی گاؤں انگریز نے ضبط کئیے۔

۱۹۴۷ء میں سیوک سنگ، ہندو سبھا اور اکالیوں نے سبزی منڈی دہلی کے ارائیوں پر حملے کئے جن کو انہوں نے بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے شکست فاش دیکر بھگادیا۔

ارائیں ہر تحریک آزادی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہ ایک لمبی تاریخی داستان ہے جو دو ہزار صفحات کی کتاب میں بھی نہیں سما سکتی۔ یہ تو میں نے اشارۂ تصویر کا دوسرا رخ بیان کیا ہے۔ میں خود ۱۹۱۸ء میں مولانا فصل الٰہی صاحبؒ امیر جماعت مجاہدین ہند کے ساتھ وابستہ ہوا۔ جب پہلی جنگ عظیم میں ان کے کئی قاصد پکڑے گئے اور کچھ عرصہ صوبہ سرحد میں مارے گئے تو مجھے قاصد کے فرائض سونپے گئے۔

میں تحریک خلافت میں سرگرم رہا اور اسکے بعد مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھنے والوں میں بھی شامل تھا آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی کے ممبر کے علاوہ میں سالار اعظم ہند بھی

تھا۔ اس لئے مجھے وثوق کے ساتھ یہ علم ہے کہ ان تحریکوں میں ارائیوں کا کیا حصہ تھا۔ جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ میں مولانا فضل الٰہی کا پہلے قاصد تھا۔ اس کے بعد میں ان کا مشیر رہا۔ جب وہ ہجرت کر کے چمر قند (آزاد قبائل) میں گئے تو ضروری مشورہ کے لئے مجھے وہاں بلا بھیجتے۔ میں ان کی وفات تک ان کا مشیر تھا۔ اس لئے مجھے پورا پورا علم ہے کہ مجاہدین میں ارائیوں کی کتنی تعداد تھی اور کس جوش و جذبہ کے ساتھ وہ جہاد کرتے رہے تھے۔

ہماری برادری کی جدوجہد کا آغاز ۱۸۹۸ء میں برادری کے اس عظیم اجتماع سے ہوا جو ضلع لاہور اور ضلع فیروزپور کے درمیانی مقام گنڈا سنگھ والا میں میرے داداسردار حاجی نور محمد صاحب آنریری مجسٹریٹ گجہ کلاں کی صدارت میں ہوا تھا۔ جالندھر میں کئی اجتماعات ہوئے اس کے بعد بھی اجتماعات ہوتے رہے ہیں اور قومی بیداری پیدا ہوتی رہی ہے لیکن اب اس بیداری کا رخ متعین کرنے کے لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی بے شمار حدیثوں میں اس دور کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ آپ میری کتاب دور مستقبل نیو ایڈیشن میں پڑھ سکتے ہیں۔ ان حدیثوں میں واضح طور پر مطلع فرمایا گیا ہے۔ کہ بالآخر عربوں کا دوردورہ ہوگا۔ اور۔

دنیا کی رہنمائی عرب اقوام کے حوالے ہوگی۔ جس کی بنا پر ڈاکٹر علامہ اقبال نے بانگ درا میں یہ شعر کہے ہیں :۔

سنادیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے | آخر جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا
وہ استوار ہوگا نکل کے صحرا سے | جس نے روما کی سلطنت کو الٹا دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا۔

اس انقلاب عالم کو اب کوئی نہیں روک سکتا۔ اب دنیا کی عالمگیر پت جھڑ کا موسم آپہنچا ہے جس کے لئے قدرت مدت سے سامان مہیا کر رہی ہے۔ تقریباً ہزار سال کے بعد اب قدرت نے عرب اقوام کو یاد فرمایا ہے۔

حدیثوں کے ارشادات کے مطابق اب جلد ہی عربی اقوام بے شمار مصائب کے سربلند ہوں گی۔ لہذا اب ارائیں جو فاتحوں کی اولاد ہیں سربلند ہوں گے۔ صدیوں کی بودوباش نے جو احساس کمتری پیدا کر دیا ہے وہ جہاد کا سبق دہرانے سے تار تار ہو جائیگا۔ اور عربوں کی بہادری پھر عود کر آئے گی۔

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود!
پھر جبین خاک حرم سے آشنا ہو جائیگی۔

۱۹۱۵ء کا انجمن ارائیان ہند کا اجلاس

اور

لمحہ فکریہ

ملک بھر کے مختلف حصوں سے ارائیں برادری کے بہت سے غیور فرزندوں نے راقم سے مندرجہ بالا عنوان پر تبصرہ کرنے کے لئے کہا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک انگریز کی غلامی میں اس قدر آگے بڑھ جانا کہ چند نمائیندگان کا پوری برادری کو انگریزی سلطنت کا استحکام کی خاطر عربوں اور ترکوں پر گولیاں چلانے کے لئے انگریز کی جھولی میں ڈالنے کی اپیل کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ؟

اگرچہ یہ چبھتا ہوا سوال اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل تھا اور راقم نے فرداً فرداً سب کے جواب میں لکھدیا تھا کہ اس بہانے سے ہماری برادری کو فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن چند دوستوں نے جب یہ لکھا کہ سندھی ارائیوں نے من حیث القوم انگریزی فوج میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ تو راقم نے آخری آل انڈیا ارائیں کانفرنس کے صدر سردار محمد شفیع صاحب سے رجوع کیا۔ کہ وہ اس موضوع پر پوری روشنی ڈالیں ' کیونکہ ایسے سوالات کا جواب دینا ان کی ذمہ داری ہے مصنف کا کام تاریخی حقائق جمع کرنا اور انہیں ترتیب دینا ہے۔ البتہ اگر سردار صاحب موجود نہ ہوتے یا اس ذمہ داری کو نبھانے سے انکار کر دیتے تو بعض تلخ حقائق کا اظہار کرنا بے شک مصنف کی ذمہ داری ہے۔ سردار صاحب نے ارائیوں کی ہزار سالہ تاریخ کی چھان پھٹک کر کے بڑے تیز و تند لہجے میں اس کا جواب دیا ہے اور برادری کو ذہنی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بعض بڑی اہم باتیں کہہ دی ہیں۔ "جنہیں ہم ارائیں برادری کا ذہنی تجزیہ کے عنوان سے درج کر چکے ہیں۔ یہ سردار محمد شفیع صاحب کی اپنی رائے ہے۔

حقیقت کیا ہے ؟

ارائیوں کو غیر لڑاکا قرار دیکر انگریز نے دراصل ایک تیر سے دو شکار مارنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ یعنی ایک طرف تو انہیں احساس کمتری میں مبتلا کر کے غلامی اور بے بسی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے جال پھیلایا اور دوسری طرف ۱۸۳۴ء سے لیکر ۱۹۱۴ء تک کے ان واقعات پر دبیز پردے ڈالنے کی بڑی کامیاب کوشش کی جن سے ارائیوں کی جانفروشی اور جوہر آزادی و خودداری کی رنگین داستان مرتب ہوئی تھیں۔ ہم اپنے قارئین کو چند حقائق سے روشناس کراتے ہیں تاکہ وہ ہماری برادری کی اس سادہ لوحی اور اپنی تاریخ سے لا علمی کا ایک دھندلا سا عکس دیکھ لیں جس کا مظاہرہ ۱۹۱۵ء کی ارائیں کانفرنس میں کیا گیا تھا۔

(۱) شمس الدین التمش کے دور میں تاتاریوں کے حملے کو روکنے کے لئے ضلع ساہیوال کے علاقہ دیپال پور میں ایک زبردست چھاؤنی قائم کی گئی تھی تاکہ لاہور چھاؤنی کو مدد پہنچائے اور شکست کی صورت میں لاہور کے بعد دوسرے بڑے محاذ کا کام دے۔"
اس چھاؤنی میں ارائیں بکثرت موجود تھے جنہیں بہادری کے صلہ میں جاگیریں دی گئیں۔

ہم اس سلسلہ میں مولینا خلیل اللہ ربانی صاحب کی مایہ ناز تصنیف "جند حریت" کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین ان واقعات کی ایک دھندلی سی تصویر دیکھ سکیں۔

خلاصہ الکتاب

ہم" جند حریت" کے خلاصہ کے طور پر اس کتاب کے اقتباسات صفحہ نمبر ۱۱۰ سے ۱۱۲ تک پیش کرتے ہیں :۔

(۱) مولانا عبدالقادر صاحب کو بریلی کے ایک جج نے اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے معقول تنخواہ پر ملازم رکھنے کی پیشکش کی تو جواب دیا کہ تمہارے لئے رشوت کا پیسہ آتا ہے۔ اگر ہم نے آپ کی نوکری اختیار کر لی تو حرام کی تاثیر ہمارے رگ وریشہ میں ہو جائے گی۔ پھر ہم اپنی باقی ماندہ زندگی کس طرح گزاریں گے۔

(۲) میر محبوب علی نے ایک مقدمہ میں فتویٰ طلب کیا اور دو سو روپے بنام زکوۃ

ارسال کیئے تو آپ نے فرمایا۔

"یہ روپیہ لینا مجھ پر حرام ہے کیونکہ یہ رشوت ہے۔ زکوۃ نہیں۔"

(۳) ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے بار بار پیش کش کہ آپ شرعی مقدمات کے فیصلے سرکاری ملازمت اختیار کر کے کیا کریں تو میں آپ کے لئے منظوری منگوا سکتا ہوں۔ آپ نے ہر دفعہ جواب دیا کہ مسائل دین کے بیان کرنے میں مجھے تنخواہ لینے کی ضرورت نہیں۔

(۴) امیر دوست محمد خان والئی کابل نے اپنے ساتھ افغانستان لے جانے کی درخواست کی تاکہ مدت العمر وہیں قیام کریں تو جواب میں فرمایا:۔

" آپ کے ساتھ جانے میں بے شک دنیا کا فائدہ ہے لیکن دین کا سراسر نقصان ہے کیونکہ آپ خلاف شروع حکم کر چکے۔ اگر میں نے روکا تو آپ مجھ پر آزردہ ہوں گے۔ اگر نہ روکا اور آپ کا لحاظ کیا تو میں گنہگار ہوں گا۔"

(۵) ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں دہلی پہنچنے کا اعلان کیا تھا مگر لوگ اپنے اپنے علاقوں میں لڑتے رہے چند افراد کی معیت میں کچھ دہلی پہنچے۔ لیکن آپ نے اپنی عظیم افواج اور تمام اہل و عیال کے ساتھ علی الاعلان سفر شروع کیا تو راستہ کی مزاحمتوں کو کاٹتے ہوئے دشمنوں سے لڑتے مرتے اور مارتے مردانہ وار دہلی پہنچے جہاد پر فتوی مرتب کر کے اہل علم کے دستخطوں سے شائع کرایا۔ مجاہدین میں تنظیم پیدا کی۔

(۶) انگریز کو تازہ کمک پہنچنے پر مجاہدین کی فتح شکست میں تبدیل ہوتی نظر آئی تو افغانستان کی طرف دوست محمد خان سے مدد طلب کرنے کے لئے وفد بھیجا اور اس کے جواب کے انتظار میں پٹیالہ کے جنگلات میں قیام کیا اور وہیں ۱۸۶۰ء میں وفات پائی۔

(۷) آپ کے فرزندوں نے تاحیات انگریز کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کی ملازمتوں اور القابات اور خطابات کو حرام کہتے رہے۔

(۸) انہوں نے عقیدہ توحید ختم نبوت اور عقیدہ فرضیت جہاد کا دفاع اور تحفظ کیا شرک اور بدعت کے فلسفہ کی تردید کی، منکرین ختم نوبت پر کفر کا فتوی جاری کیا۔

(۹) مدرستہ النبات کو ترقی دی اور اسے قابل رشک مدرسہ بنادیا۔

(۱۰) مولانا نور محمد حقانی عیسائیوں کے "اخبار" "افشاں" کا جواب "نور علی" سے دیتے رہے مشنری اسکولوں کے مقابلہ میں مدرسہ حقانیہ اورام المدارس قائم کیئے۔

جنرل محمد ضیاء الحق

اگر چہ اس کتاب کے جدید ایڈیشن میں ہم نے شخصیات کا باب ختم کر دیا تاہم پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اقوام متحدہ کے اجلاس منعقدہ یکم اکتوبر 1980ء بمطابق 20 ذیقعد 1400ھ کو عالم اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے اشاعت اسلام کے لئے جو خطاب فرمایا اس کی مکمل تقریر درج کر رہے ہیں کیونکہ یہ انتہائی اہم دستاویز ہے۔

تاریخ میں پہلی مرتبہ اقوام متحدہ کے ظلمت کدہ میں اسلام کا لائٹ بم Light Bomb مارنے کا فخر آپ ہی کو نصیب ہوا ہے۔ جس کی روشنی اور آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچی اور یورپ میں احیائے اسلام کی تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تقریر کی اہمیت کے پیش نظر اس کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ قاری شاکر قاسمی صاحب نے پہلے ان آیات قرآنی کی تلاوت کی ہے اور اس کے بعد جنرل صاحب نے خطاب فرمایا۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ الحج آیت ۴۰۔۴۱

جناب صدر!

دنیائے اسلام کی شان دار اور اہم واقعات سے لبریز تاریخ کی پندرھویں صدری کا آغاز ہونے ہی والا ہے۔ چالیس روز کے بعد نئی اسلامی صدی شروع ہو جائے گی ساری دنیا کے مسلمان ایک بے مثال واقعہ کی چودہ سو سالہ یادگار منانے والے ہیں جسے اسلام کے خلیفہ دوئم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی ہجری سنہ کا نقطہ آغاز قرار دیا تھا۔ ہجری سنہ نہ تو پیغمبر اسلام ﷺ کی پیدائش کی یادگار ہے نہ اس دن کی یادگار ہے جب قرآن حکیم نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ یہ ایک واقعہ کی یادگار ہے جو اسلام کے ارتقاء میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس روز نبی کریم حضرت محمد ﷺ اپنے مٹھی بھر جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ اپنے مولد مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے جو مکہ سے چار سو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہجرت مدینہ کو اسلامی سنہ کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا' کیونکہ اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔

مکہ میں اسلام ایک اخلاقی قوت بن کر ابھرا۔ لیکن مدینہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کی رہنمائی میں پہلی اسلامی ریاست کا گہوارہ بنا۔ یہ ریاست قرآن مجید میں بتائے ہوئے ان اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر قائم ہوئی جو پوری دنیا میں قابل عمل ہیں۔ پہلا اسلامی معاشرہ مدینہ کے شہریوں یعنی انصار اور مکہ کے مہاجرین کے میل ملاپ سے قائم ہوا تھا۔ اس طرح ایک بڑا اہم اتحاد قائم ہوا تھا۔ ان دونوں کا اتحاد اسلامی امہ یا عظیم اسلامی برادری کی ابتدا تھا۔ اس اتحاد میں جو تصور کار فرما تھا وہ پوری انسانیت کے مشعل راہ بن گیا۔

نبی کریم ﷺ کے لئے مکہ کو جو ان کے اسلاف کا وطن تھا اور اپنے قرابت داروں کو جن کے ساتھ انہیں بڑی محبت تھی خیر باد کہنا بڑا تکلیف دہ تھا۔ آپ کی دیانت داری (ہر شخص آپ کو امین کے لقب سے پکارتا تھا) نرم مزاجی اور اعلیٰ اخلاق نے ہر شخص کو آپ کا گرویدہ بنا لیا۔ اگر آپ اس پیغام کی تبلیغ سے باز رہتے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا تو آپ ایک سربر آوردہ ہاشمی خاندان کے باعزت فرد کی حیثیت سے مکہ میں قیام کر سکتے تھے' لیکن جب آپ نے اس پیغام کی تبلیغ جاری رکھی تو اہل مکہ کا غصہ ایک غضب ناک طوفان بن گیا۔

اس طرح مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ ایک طرف تعصب' تنگ نظری' ظلم و تعدی اور اخلاقی پستی کے گھٹے ہوئے ماحول کو ترک کر دیا گیا اور دوسری طرف نوزائیدہ اسلامی معاشرے نے مفاہمت' رواداری' اخوت اور حریت کے اصولوں کو اپنانے کا عہد کیا۔ اس کے بعد چشم فلک نے مدینہ میں یکے بعد دیگرے رونما ہونے والے ایسے

بہت سے واقعات دیکھے جنہیں انسانیت کی تاریخ میں بڑی یادگار حیثیت حاصل ہے۔

جناب صدر!

میرے اور میرے ملک کے لئے یہ بات بڑی عزت کا باعث ہے کہ انسانیت کی تاریخ کے اس عہد آفریں واقعہ کی یاد منائے جانے کے موقع پر مجھے نوے کروڑ مسلمان بھائیوں کی طرف سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پینتیسویں ۳۵ اجلاس سے خطاب کرنے کا موقع عنایت کیا گیا ہے۔ میں اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی گیارھویں کانفرنس کے ارشاد کی تعمیل میں جس کی میزبانی کا شرف گزشتہ مئی میں پاکستان کو حاصل ہوا تھا انتہائی انکساری کے ساتھ جنرل اسمبلی سے خطاب کر رہا ہوں۔

جناب صدر! آپ نے میرا خیر مقدم کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے میں اس پر آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں اس موقع پر جنرل اسمبلی کے پینتیسویں اجلاس کا صدر منتخب ہونے پر اپنی طرف سے اور پاکستان کی حکومت اور عوام کی طرف سے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

جناب سیکرٹری جنرل! آپ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں اور بڑا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ہم آپ کی خوبیوں اور تجربہ کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ دو مرتبہ اس عہدے پر فائز ہوئے۔ اس عرصے میں یہ عالمی ادارہ بعض بڑے مشکل مسائل سے دوچار ہوا' جن سے آپ کو نپٹنا پڑا۔ آپ نے اپنی ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے پوری کیں اور ہماری دعا ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح کامیاب رہیں۔

ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے مجھے ان اسلامی احکام کا شدت سے احساس ہے کہ رنگ' نسل اور عقیدہ کے فرق سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کو ایک عالمی برادری کے افراد سمجھا جائے۔ اسلام کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ امن کا مذہب ہے اور رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ اسلام کا اپنے پیروکاروں سے یہ تقاضا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسا معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کریں جس کی بنیاد عدل و مساوات ہو۔

ایسے ممتاز اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جو پوری دنیا کی نمائندگی کرتا ہے' میرے لئے یہ انتہائی مناسب ہو گا کہ میں رواداری اور صلہ رحمی کی ان اسلامی صفات کا تذکرہ کروں جن کی بدولت مختلف تہذیبوں کی خوبیاں یک جا ہو جائیں اور مختلف مذاہب اور عقائد رکھنے والی قوموں میں متوازن امتزاج پیدا ہو۔ اسلام تنگ نظری پر مبنی قوم پرستی' علاقائیت اور نسلی امتیاز کا مخالف ہے۔ اسلام نے اپنے عروج کے ایک ہزار سال سے زیادہ طویل دور میں

مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان صلح و آشتی کا جو نمونہ پیش کیا وہ موجودہ دور میں دنیا کے بعض حصوں میں نسلی برتری کے بے جا دعوے، تعصب اور ظلم سے بالکل مختلف تھا۔

اسلامی عروج کے دور کے بیشتر حصے میں امن و سکون کا جو دور دورہ تھا اس کی بنیاد اسلامی اوصاف تھے۔ ان میں عالمی اخوت، رواداری اور زندگی کی حرمت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:۔

"جس نے کسی کو قتل کیا بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جو کسی کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگانی دی۔" (القرآن ۵ : ۳۲)

اسلام میں جارحانہ جنگ کی خاص طور پر ممانعت ہے اور صرف اپنے دفاع کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

"اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (القرآن ۲ : ۱۹۰)

اسلام میں جہاد کا وہی تصور ہے جو ان قرآنی آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جہاد میں جہد کا عنصر شامل ہے۔ مسلسل جدوجہد، پوری زندگی قرآن مجید کے احکام اور سیرت نبویؐ کے مطابق بسر کرنے کی مستقل جدوجہد۔

عالمی اخوت، امن اور مساوات کا اسلامی پیغام ابدی ہے اور ہمیشہ کی طرح آج کی دنیا کے حالات پر بھی صادق آتا ہے۔ جب سے یہ دنیا قائم ہوئی ہے انسان مشکلات اور مصائب سے دو چار رہا ہے۔ ماضی میں مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان جو تصادم ہوئے ان کے نتیجے میں نسل انسانی نیست و نابود نہیں ہوئی۔ کیونکہ خوش قسمتی سے بڑے پیمانے پر تباہی کے ذرائع محدود تھے۔ آج ہم ایسے دور میں داخل ہو چکے ہیں جس میں انسانیت کے ہاتھ ایسے مہلک ہتھیار آگئے ہیں جن سے پوری انسانیت کو کئی بار صفحہ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ اب دنیا تصادم اور جنگ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ انسانیت کو امن کی ضرورت ہے۔

ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ کے علاوہ تصادم کی ایک اور بھی شکل ہے جس سے انسانی بقا خطرے میں ہے۔ یہ انسان کی خود غرضی اور قطرت کا تصادم ہے۔ وہ اپنی روز افزوں مادی آسائشوں کی خاطر قدرتی ماحول کو اندھا دھند تباہ کئے جا رہا ہے۔ آج یہ کرہ ارضی خاص طور پر صنعتی اعتبار سے انتہائی ترقی یافتہ قوموں کے ہاتھوں ماحول کی تباہی کے اس مرحلے پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں انسان نے جو آگ خود روشن کی تھی اس میں اس نے اپنے ہاتھ تو نہیں جلا لئے؟ دنیاوی ترجیحات میں وہ توازن کے احساس سے محروم تو نہیں ہو

گیا؟ کیا وہ یہ بات نہیں سمجھتا کہ یہ دنیا اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اس کا خالق ہے۔ ایک امانت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے :۔

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور
رات اور دن کے بدلنے میں اور کشتیوں میں جو دریا
میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہیں اور پانی میں
جو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا ہے اور اس سے
زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر
ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے
میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان
مسخر ہیں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔" (القرآن ۲ : ۱۶۴)

آج کی دنیا اس سمجھ بوجھ سے کام لے کر وہ توازن پھر حاصل کر سکتی ہے جس سے وہ بظاہر محروم ہو چکی ہے۔

اسلام کے پیروکاروں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا دین اس پیغام الٰہی کی تکمیل ہے جو مختلف پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کو بھیجا جاتا رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے آنے والے نبیوں پر بھی ایمان لائیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے :۔

"بے شک جو لوگ ایمان والے ہیں یا یہود یا
نصاریٰ یا صابی ان میں جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر
ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ایسے ہی لوگوں
کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔" (القرآن ۲ : ۶۲)

خود پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا ہے :۔

"میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر۔"

یہ بات قابل غور ہے کہ رسول پاکؐ نے اللہ کی تمام اتاری ہوئی کتابوں کا ذکر فرمایا ہے محض ایک کتاب کا نہیں۔ اسی طرح آپؐ نے اللہ کا پیغام لانے والے تمام پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے۔ صرف ایک پیغمبر کا نہیں جو وہ خود تھے۔ ہم مسلمانوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جو آخری نبی ہیں اور تمام

آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں۔

آج مسلمان مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر مغرب میں سینگیال تک بڑے وسیع جغرافیائی خطے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مسلمان مختلف آب و ہوا میں رہتے ہیں۔ ان کی رسوم اور سیاسی نظام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ مختلف زبانیں اور بولیاں بولتے ہیں۔ پھر بھی ان میں اسلامی یگانگت کا قومی احساس پایا جاتا ہے۔ تنوع میں یہ اتحاد ہی مسلم امہ یا مسلم اقوام کی دولت مشترکہ کا طرہ امتیاز ہے۔ اسلامی کانفرنس جس کے موجودہ چیئرمین ہونے کا مجھے اعزاز حاصل ہے مسلم امہ کی اس امنگ کا ٹھوس اظہار ہے کہ وہ امن و ترقی کے ایک عنصر کی حیثیت سے اپنا تاریخی کردار بحال کرے اور پوری دنیا میں پھیلی ہوئی مسلم اقوام میں پھر اتحاد پیدا کرے۔

اس وقت جبکہ پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہونے والا ہے۔ ہم فخر کے ساتھ اس حقیقت پر نظر ڈال سکتے ہیں کہ اسلامی ملکوں نے سیاسی آزادی پھر حاصل کر لی ہے اور اب وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کے لئے مل جل کر کام کر رہے ہیں۔ ان کے اتحاد کی خواہش کا اظہار بیالیس ۴۲ ممبروں کی اسلامی کانفرنس سے ہوتا ہے جس نے بین الاقوامی تنظیموں میں نمایاں حیثیت حاصل کی ہے اور جس کے فیصلے بین الاقوامی برادری میں روز افزوں اہمیت حاصل کرتے جارہے ہیں۔

اسلام پھیلنے سے عرب کے قرون اولی کے مسلمانوں کا فارس، یونان، مصر اور ہندوستان کی بڑی بڑی تہذیبوں سے سامنا ہوا جس کے نتیجے میں انسان کی اختراعی قابلیت کے وہ جوہر نمایاں ہوئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ تخلیقی سرگرمیوں کا یہ عظیم عہد جو دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا کئی سو سال تک جاری رہا۔ اسلام کے مرکز میں جو براہ راست خلفاء کے زیر نگیں رہا اور ہسپانیہ، ہندوستان، وسطی ایشیا، ایشیائے کوچک، افریقہ اور جنوب مشرقی ایشیا جیسے دور دراز علاقوں میں شاندار اسلامی ثقافتوں نے جنم لیا۔ ان ثقافتوں میں روح انسانی جسے اسلام نے جلا بخشی تھی، علوم و فنون کے میدانوں میں نمایاں ترقی کی شکل میں ظاہر ہوئی یہ وہ عہد تھا جس میں جدید علوم اور سائنس کی بنیاد پڑی۔

مجھے یہ حقیقت یاد دلاتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ انسانی ترقی پر قرون اولی کے ان مسلمان دانش مندوں، فلسفیوں، سائنس دانوں اور طبیبوں کا بڑا احسان ہے۔ جنہوں نے اپنے اپنے میدان میں بڑا قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے قدیم یونانی رومی تہذیب کے قیمتی سرمائے کو نیست و نابود ہونے سے بچالیا اور بعد میں یہ سرمایہ مغرب کے حوالے کر دیا۔ ابن رشد، ابن سینا، ابن الہیثم، ابن خلدون، البیرونی اور عمر خیام جیسی

جاوداں ہستیوں کو کون فراموش کر سکتا ہے؟

ان مسلم ناموروں میں سے جنہوں نے علم کا دائرہ وسیع کیا اور انسانی تجربات کو مالا مال کیا' یہ چند نام ہیں۔ انہوں نے بڑی روشن خیالی کے ساتھ علم حاصل کیا اور علم پھیلایا جس کی بدولت یہ ترقی ممکن ہو سکی۔ انہوں نے ایسے ہر ذریعہ سے جس تک ان کی پہنچ ہو سکتی تھی علم حاصل کیا۔ ان ذرائع میں یونانی' رومی' چینی' اہل فارس' ہندو' بودھی اور دوسرے شامل تھے۔ ان کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کا یہی حکم تھا مجھے بہت سی احادیث نبویؐ میں سے صرف چار احادیث نقل کرنے کی اجازت دیجئے۔

"علم حاصل کرو مہد سے لحد تک۔"

"جس نے اجتہاد کیا اور صحیح کیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جس نے غلطی کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔"

"حصول علم میں ایک گھڑی رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔"

"علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔"

ان احادیث میں نہ صرف تعلیم حاصل کرنے بلکہ دوسروں تک علم پہنچانے پر بھی زور دیا گیا ہے تاکہ پوری انسانیت ترقی کرے۔ اس میں موجودہ دنیا کے لئے سبق ہے جہاں نہایت مفید علم تک رسائی کسی کسی کو حاصل ہے اور چند خوش قسمت بہت سے بد نصیبوں کو جنہیں اس کی بڑی ضرورت ہے اس علم سے محروم رکھتے ہیں۔

دنیائے اسلام نہ صرف پہلے ذہنی سرگرمیوں کا سبب بنی جن کی بدولت یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے لئے میدان ہموار ہوا بلکہ یہی دنیائے اسلام منگولوں کی یلغار کے خلاف جو آفت سماوی سے کم نہیں تھی' مغربی تہذیب کے دفاع کے لئے ایک پشت پناہ ثابت ہوئی۔ دنیائے اسلام نے منگولوں کی بڑی یلغار کا سامنا کیا۔ اگر مسلمان نہ ہوتے تو یورپ ساتویں صدی ہجری یعنی تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوب ہو جاتا۔ یہ تقدیر کی ستم ظریفی ہے کہ ان ہی لوگوں نے جنہیں مسلمانوں نے بچالیا تھا پلٹ کر مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں لوٹ مار مچائی اور ان علاقوں کو اپنی نو آبادی بنالیا۔

اسلامی تاریخ کا یہ اندوہناک دور قصہ پارینہ بن چکا ہے لیکن ابھی اس کے مضر عواقب ختم نہیں ہوئے۔ مسلم ممالک نے سیاسی آزادی تو حاصل کر لی لیکن ابھی ان پر اقتصادی استحصال کی گرفت جو نو آبادیاتی نظام کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ڈھیلی نہیں ہوئی۔ یہ ملک ابھی تک صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں کے دست نگر ہیں جس کی وجہ سے ان کی حالت پہلے سے بدتر ہے۔ ان کا محل وقوع جنگی حکمت عملی کے نقطہ نظر سے بڑا اہم ہے' اس لئے وہ

طاقتیں جو دوسروں پر اپنا تسلط جمانا چاہتی ہیں ان پر نا قابل برداشت حد تک دباؤ ڈال رہی ہیں اور ان کے اہم قدرتی وسائل کو للچاتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔

آج دنیا کے بیشتر علاقوں میں عدم تحفظ کا جو احساس پایا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی رجحان ہے کہ محدود وسائل پر قابو پانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے طاقت استعمال کی جائے اور دباؤ ڈالا جائے۔ اس کی وجہ سے جو بے چینی پیدا ہو گئی ہے وہ استحصال کرنے والوں اور استحصال کا شکار ہونے والوں دونوں کے چہروں سے عیاں ہے۔ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟

قرآن مجید میں اس رجحان کے خلاف ان الفاظ میں خبر دار کیا گیا ہے :۔

"اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا۔ اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے ہم جلد سختی پہنچائیں گے۔ (القرآن ۹۲۔۸۔۱۰۰)

جناب صدر!

حرص اور لالچ نے جو کشا کش پیدا کر دی ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس معزز اسمبلی کو بتاؤں کہ دنیا میں کشیدگی کے بعض اہم علاقوں کے بارے میں ہمارے احساسات کیا ہیں۔

دو اسلامی ملکوں ایران اور عراق کا افسوس ناک تنازعہ پوری دنیا کے لئے گہری تشویش کا باعث ہے۔ اس سے خاص طور پر دنیائے اسلام کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ دو برادر اسلامی ملکوں کے درمیان مسلح تصادم ان غیر مستقل حالات کا نتیجہ ہے جو ایک اہم علاقے میں بڑی طاقتوں کی آویزش کے دباؤ اور جوابی دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ ان دو ہمسایہ ملکوں میں جلد امن قائم ہو جائے بین الاقوامی برادری خاص طور پر دنیائے اسلام اور غیر وابستہ دنیا کا یہ فرض ہے کہ وہ ایران اور عراق کے اختلافات دور کرانے میں مثبت کردار ادا کریں۔ ان دونوں ملکوں میں امن کی بحالی کی ضروری شرط یہ ہے کہ بیرونی طاقتیں بالکل غیر جانبدار رہیں اور ان ملکوں کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں۔

میں سیدھا ایران اور عراق کے دارالحکومتوں سے نیویارک آرہا ہوں جہاں صدر بنی صدر اور صدر صدام حسین نے اسلامی جذبہ اخوت کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ میرا مشن اسلامی کانفرنس کی جانب سے تفویض کردہ تھا اور اس کا مقصد بنیادی طور پر خیر سگالی تھا۔ میں اپنے دونوں بھائیوں سے باہمی اعتماد و یقین کی فضا میں متعدد ملاقاتوں کے دوران ان کا نقطہ نظر جاننے کے قابل ہوا۔ میں نے ہر بھائی کو تصادم کے خاتمہ کے لئے ایک دوسرے کے نقطہ نظر اور پوزیشن سے آگاہ کر دیا ہے مجھے امید ہے اور میری دعا ہے کہ ایران و عراق

کے درمیان افسوسناک تصادم ختم کرانے کی کوششیں جاری رہیں گی۔

مشرق وسطیٰ میں عدم استحکام پیدا کرنے والا سب سے بڑا عنصر اسرائیل ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ فلسطینی حق پر ہیں۔ وہ چودہ سو سال کے پیشتر عرصے میں جس وطن میں آباد تھے وہاں سے انہیں بڑی بے رحمی کے ساتھ نکال دیا گیا ہے۔ وہ صہیونت کے ہاتھوں ناقابل بیان ظلم و تشدد اور دہشت گردی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

فلسطین کے مسئلے سے امن عالم کو جو خطرہ درپیش ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ صورت حال کسی وقت بھی قابو سے باہر ہو سکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دنیا میں ایسی تباہی مچے گی کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہو گی ظلم سے جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ یہ جذبات طاقت کے استعمال، تشدد یا سختی سے کچلے نہیں جاسکتے۔ اسرائیل ماضی کے حوالے دینے کو تیار رہتا ہے۔ اسے تاریخ کا بار بار دہرایا ہوا یہ سبق نہیں بھولنا چاہئے کہ اس نے دوسروں کی زمین ہتھیانے اور دوسروں کو مغلوب رکھنے کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گی۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ اسرائیل کے ان زبانی دعووں کے باوجود کہ وہ مشرق وسطیٰ کی صورت حال کے پیش نظر فلسطین کے مسئلے کا پرامن حل چاہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسرائیل عالمی برادری کے فیصلے کو نظر انداز کر رہا ہے۔ عالمی برادری جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل میں متعدد مواقع پر اپنے فیصلے کا اظہار کر چکی ہے۔ اسرائیل عربوں او فلسطینیوں کے علاقوں پر طاقت کے بل پر بدستور قابض ہے ۔ اس نے القدس الشریف کی حیثیت تبدیل کرنے کے لئے قانون بنا کر پوری دنیا کے قریب قریب متفقہ فیصلے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ سلامتی کونسل نے اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ان تمام ملکوں سے جن کے سفارتی دفاتر بیت المقدس میں تھے اپیل کی کہ یہ دفاتر وہاں سے منتقل کر دیئے جائیں۔ اس اپیل پر متفقہ طور پر اور بلا تاخیر عملدرآمد کیا گیا۔

میں اس موقع پر ان تیرہ کے تیرہ ملکوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ وہ ملک یہ ہیں بولیویا، چلی، کولمبیا، کوسٹاریکا، ڈومینکن ریپبلک، ایکویڈور، السالویڈور، گوئٹے مالا، ہیٹی، نیدرلینڈ، پانامہ، یوروگوئے اور وینزویلا۔ ان ملکوں نے اسرائیل کی طرف سے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی اور رائے عامہ کو نظر انداز کرنے پر ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے بیت المقدس سے اپنے سفارتی دفتر منتقل کر لئے ہیں۔ ہم انہیں ان کے بااصول فیصلے پر سلام کرتے ہیں۔ کیا فلسطین کے مسئلے کے بارے میں وہ شرائط پوری کرانے کے لئے جنہیں عام طور پر عالمی رائے اور خاص طور پر اسلامی کانفرنس اس لئے ضروری سمجھتی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن قائم ہو۔ عالمی برادری کی طرف سے مزید اقدام کا وقت ابھی نہیں آیا؟ اس

غلط فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے کہ فلسطینیوں کو جو زخم لگائے گئے ہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ مندمل ہو جائیں گے۔ اقدام کا یہی وقت ہے ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔

امریکہ کا دعویٰ ہے کہ مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے جو نہ صرف عربوں کا وطن ہے بلکہ یورپ کے لئے جنگی حکمت عملی کی سرحد بھی ہے۔ اس کے اہم معاشی اور جنگی حکمت عملی کے مفادات وابستہ ہیں پھر بھی امریکہ ایسی پالیسی اختیار کیئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے اس نے دنیائے عرب کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ وہ اسرائیل کی کھلم کھلا حمایت کرتا ہے اور اس حمایت کے بل پر اسرائیل عالمی رائے کو ٹھکرا کر جارحانہ پالیسی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیونکہ اس بڑی طاقت کے بل پر اسرائیل کو بین الاقوامی برادری کے فیصلے کی خلاف ورزی کرنے اور اہل فلسطین کے جائز حقوق غصب کرنے کی جرات ہوئی ہے۔

فلسطین کے عوام اپنی جائز اور واحد نمائندہ جماعت تنظیم آزادی فلسطین کی قیادت میں اپنی مقدس سرزمین کو صیہونیوں کی حکمرانی اور قبضے سے آزاد کرانے کے لئے جو منصفانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ عالم اسلام اس کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔ عالم اسلام یہ سمجھتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے معاملے میں فلسطین کے مسئلے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یکے بعد دیگرے منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنسوں نے مطالبہ کیا ہے کہ :۔

الف :۔ تمام اسرائیلی فوجیں سارے مقبوضہ عرب علاقوں سے جن میں القدس الشریف بھی شامل ہے۔ نکل جائیں

ب :۔ اہل فلسطین کو اپنے قومی حقوق استعمال کرنے کا موقع دیا جائے ان میں تنظیم آزادی فلسطین کی قیادت میں اپنے وطن میں اپنی خود مختار مملکت قائم کرنے کا حق بھی شامل ہے اور۔

ج :۔ مقبوضہ عرب علاقوں میں تمام نام نہاد "بستیاں" مسمار کر دی جائیں۔

جب تک یہ جائز مطالبات مکمل طور پر پورے نہیں ہوتے مشرق وسطیٰ میں حقیقی اور دیرپا امن قائم نہیں ہوگا اور دنیا کے سر پر بڑے پیمانے پر جنگ و جدل کا خطرہ منڈلاتا رہے گا ایسی صورت میں اسرائیل کو تحفظ دینے والوں کے مفادات کو سب سے زیادہ نقصان پہنچے گا۔

جناب صدر!

دنیائے اسلام افغانستان کے سانحے کے بارے میں بھی فکر مند ہے۔ ایسے حکمران ٹولے کو جو افغان باشندوں پر ان کی مرضی کے خلاف مسلط کیا گیا ہے۔ برسر اقتدار رکھنے کی

کوشش میں اس چھوٹے سے آزاد غیر وابستہ مسلم ملک کو بڑے پیمانے پر فوجی مداخلت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ افغانستان کے لوگوں نے اپنی صدیوں پرانی قومی روایت اور آزادی کے ناقابل تسخیر جذبے سے کام لیتے ہوئے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے اور بے خوف و خطر ملک کے طول و عرض میں تحریک مزاحمت شروع کر دی ہے۔ ان کی تحریک بھی الجزائر کے عوام ' اور زمبابوے کے عوام کی تحریک بلکہ غیر ملکی تسلط کے خلاف کہیں بھی اور کسی وقت بھی چلائی جانے والی ہر تحریک کی طرح مقدس ہے اور اس لائق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور اس کی حمایت کی جائے۔

اس جارحانہ کارروائی کے خلاف بین الاقوامی برادری کی خاص طور پر دنیائے اسلام کے شدید غصے کا اظہار واضح طور پر اس مطالبے کی شکل میں کیا گیا ہے کہ تمام سوویت فوجیں فوری طور پر اور کسی شرط کے بغیر افغانستان سے نکل جائیں۔ گزشتہ مئی میں اسلام آباد میں اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی جو کانفرنس ہوئی ' اس نے افغانستان کے بحران کو پرامن مذاکرات کے ذریعہ حل کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ کانفرنس میں ایک قرارداد کے ذریعہ پاکستان اور ایران کے وزارئے خارجہ اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے سیکرٹری جنرل پر مشتمل ایک مجلس قائمہ کی تشکیل کی گئی تاکہ مندرجہ ذیل اصولوں کی بنیاد پر تصفیے کے لئے تمام فریقوں سے صلاح مشورہ کیا جائے۔

الف۔ افغانستان سے سوویت یونین کی تمام فوجوں کا فوری ' غیر مشروط اور مکمل انخلاء۔

ب۔ افغانستان کے لوگوں کے اس حق کا احترام کہ وہ اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں اور اپنی خواہش کے مطابق بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی کا طرز حکومت اختیار کریں۔

د۔ ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ افغان پناہ گزین عزت اور خیریت کے ساتھ اپنے وطن واپس جا سکیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اسلامی کانفرنس نے جو مفید پہل کی تھی وہ فی الحال کابل کے حکمران ٹولے کے منفی رویے کی وجہ سے تعطل کا شکار ہے۔

اس اثناء میں دس لاکھ سے زیادہ افغان پناہ گزین چودہ سو میل لمبی سرحد پار کر کے پاکستان آ گئے اور بہت سوں نے ایران میں پناہ لے لی۔ مردوں عورتوں اور بچوں پر مشتمل خاندان کے خاندان اور گاؤں کے گاؤں لڑائی کی شدت کی وجہ سے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو کر برابر پاکستان آ رہے ہیں۔ میرا ملک انسان دوستی کے جذبے اور اسلامی اخوت کی روایت سے کام لیتے ہوئے انہیں پناہ دے رہا ہے۔ پاکستان کے ذرائع محدود ہیں اور یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے اس سلسلے میں ہمیں برادر اسلامی ملکوں اور دوسری دوست قوموں ' اقوام متحدہ کے

کمشنر برائے مہاجرین اور مختلف بین الاقوامی ایجنسیوں اور انسان دوست اداروں کی طرف سے جن میں ہلال احمر' ریڈ کریسنٹ اور ریڈ کراس سوسائٹیاں شامل ہیں۔ ہمیں جو مدد ملی ہے۔ اس پر ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔

جناب صدر!

لوگ جب تک بالکل مجبور نہ ہو جائیں وہ اپنے گھر بار کی آسائشیں ترک کرنے اور جلاوطن ہو کر صعوبتیں برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جو افغان پناہ گزین ہمارے ملک میں آئے ہیں وہ اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے کیونکہ ان کی زندگی دوبھر کر دی گئی۔ سوچی سمجھی پروپگینڈا مہم جس کے تحت پاکستان پر افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا الزام عائد کیا جارہا ہے۔ دنیا کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ پروپگینڈا سے اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا کہ افغانستان میں مزاحمت کی تحریک 'ایک غیور قوم کے جذبہ حب الوطنی کا اظہار ہے' جس نے کبھی بیرونی تسلط برداشت نہیں کیا۔ میں ایک بار پھر اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دینے کے اصول پر سختی سے کاربند ہے اور اس الزام کی پرزور تردید کرتا ہوں کہ افغانستان میں سرکشی کی جو تحریک چل رہی ہے اس میں کسی طرح پاکستان کا ہاتھ ہے۔

جناب صدر!

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ سرکشی کی یہ تحریک خاص طور پر افغانستان کے اندرونی علاقوں میں چلائی جارہی ہے جہاں بہادر مرد اور عورتیں بہادر لڑکے اور لڑکیاں اور بہادر کسان اور مزدور اپنے آپ کو غیر ملکی فوجوں کے جبری قبضے سے آزاد کرانے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بڑی طاقتوں کا رویہ حیرت انگیز ہے۔ ایک بڑی طاقت نے دوسری بڑی طاقت پر الزام لگایا ہے کہ وہ اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یقیناً بحر ہند کے جزیروں میں ایک ملک کی فوجوں کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے حیلہ بنا کر دوسرا ملک جبری طور پر ایک آزاد مسلم اور غیر وابستہ ملک پر قبضہ کر لے۔

کمپوچیا میں بھی افغانستان جیسی صورت حال پائی جاتی ہے۔ وہاں بھی غیر ملکی قابض فوجوں نے ایک کٹھ پتلی حکومت کو اقتدار کی کرسی پر بٹھادیا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ کمپوچیا کے لوگ بہت بڑی تعداد میں ترک وطن کرنے اور بڑے مصائب برداشت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ افغانستان اور کمپوچیا دونوں جگہ بین الاقوامی قانون اور پرامن بقائے باہمی کے اصول کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

جناب صدر!

دنیائے اسلام یہ نہیں سمجھتی کہ جب تک دہشت کا غیر مستحکم توازن قائم ہے اور اسلحہ کی دوڑ جاری ہے اس وقت تک صحیح معنوں میں بین الاقوامی تحفظ قائم ہو سکتا ہے۔ دو بڑی طاقتوں کے درمیان کشیدگی کم کرنے کے لئے ماضی میں جو بھی اقدامات کئے گئے ہیں ' ہم نے ہمیشہ ان کا خیر مقدم کیا۔ ہم اب بھی مہلک ایٹمی ہتھیاروں کی تخفیف کے لئے ان کی کوششوں کی تہہ دل سے حمایت کرتے ہیں مسلم ممالک حقیقی مفاہمت کی حمایت کرتے ہیں لیکن ایسی مفاہمت کی حمایت نہیں کرتے جس کا مقصد یہ ہے کہ دو بڑی طاقتیں دنیا کو اپنے اپنے دائرہ اثر میں بانٹ لیں۔ کیونکہ اس سے اسلامی اور غیر وابستہ دنیا کو نقصان پہنچے گا۔ ہم ایسی مفاہمت کے حامل نہیں ہیں جس کے تحت کرہ ارض کے بعض علاقوں کو مختلف شکلوں میں توڑ پھوڑ اور جارحیت کا شکار بنے دیا جائے۔ ہم امن کے خواستگار ہیں۔ ہم عزت کے ساتھ امن چاہتے ہیں۔ ہم وقار کے ساتھ امن چاہتے ہیں۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ امن ناقابل تقسیم ہے اور یہ پوری دنیا پر محیط ہونا چاہئے۔ امن کو کسی علاقے پر طرز نفاذ تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔

دنیائے اسلام اصولی معاملے کے طور پر اقوام کی خود ارادیت اور آزادی کے حق کی حمایت میں ہمیشہ صف اول میں رہی ہے ہم سب کے لئے یہ بات بڑی اطمینان بخش ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد قریب قریب ایک سو اقوام نے آزادی حاصل کرلی ہے۔ افریقی اقوام کی دلیرانہ جدوجہد کی کامیابی آزادی کی تاریخ کا ایک شاندار باب ہے۔ ہم آزادی کی عظیم تحریکوں کے ناقابل تسخیر جذبے کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور خاص طور پر ان شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جن کی عظیم قربانیوں کی بدولت یہ کامیابی حاصل ہوئی۔

آج ہمارے درمیان اقوام متحدہ کے مکمل ممبر کی حیثیت سے زمبابوے کی موجودگی براعظم افریقہ کی شاندار کامیابیوں کی علامت ہے اور یہ نمیبیا اور جنوبی افریقہ کے لوگوں کے لئے جو نو آبادیاتی نظام اور نسلی اقلیت کی حکمرانی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں امید کی نئی کرن ہے۔ ہماری دعائیں اور تمام اخلاقی اور مادی حمایت ہمیشہ جنوبی افریقہ کے حریت پسندوں کے ساتھ ہوگی۔ ان کے مسائل ہمارے مسائل اور ان کی مشکلات ہماری مشکلات ہیں۔ وقت ان کے ساتھ ہے ' وہ ضرور کامیاب ہوں گے کیونکہ وہ حق پر ہیں۔

جناب صدر! جس طرح گزری ہوئی کل واپس نہیں آسکتی اسی طرح آزادی کی رو کو پلٹا نہیں جاسکتا۔ جدید تاریخ یہی ثابت کرتی ہے کہ لوگوں کو غلام اور ملکوں کو نو آبادی بنائے رکھنے کی تمام کوششوں کے لئے ناکامی مقدر ہو چکی ہے۔

جنوبی افریقہ نسلی امتیاز' مختلف نسل کے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے اور اکثریت پر اقلیت کی حکمرانی کی جن پالیسیوں پر کاربند ہے وہ اسلام اور بین الاقوامی اخلاقیات کی روح کے منافی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جو بھی نسلی امتیاز برتے گا یا رنگ کی بنیاد پر ایک انسان کو دوسرے سے برتر سمجھے گا' اسے اس کی سزا ضرور ملے گی۔

پریٹوریا کی حکومت کو اس بات پر مجبور کیا جانا چاہئے کہ وہ نمیبیا پر اپنا ناجائز قبضہ اور اس علاقے میں اور خود جنوبی افریقہ میں ظلم و تشدد کے قدامات اور پالیسیاں ترک کر دے۔ نمیبیا کے عوام کو اس بات کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ متحدہ کے زیر نگرانی غیر جانبدار انتخابات کے ذریعے اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کریں۔ بظاہر خواہ کتنی ہی مشکلات درپیش ہوں ہمیں یقین ہے کہ آخرکار نمیبیا کے عوام سواپو کی قیادت میں اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوں گے۔

امتیازی سلوک کی ایک اور شکل ہے جو آج دنیائے اسلام کے لئے گہری تشویش کا باعث ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کی مجموعی تعداد قریب تین کروڑ ہے۔ مذہبی تعصب کی وجہ سے اکثر ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے اور انہیں نا قابل بیان اذیتوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کچھ ملکوں میں انہیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غلاموں کی حیثیت دی جارہی ہے۔ دوسرے ملکوں میں انہیں ان کے گھر بار سے نکال کر ایسے علاقوں میں بھیجا جارہا ہے جہاں ان کا جینا دشوار ہو۔ ان پر خود قانون کے محافظ ظلم ڈھارہے ہیں اور انہیں ختم کرنے کے درپے ہیں یہ دنیا کے ضمیر کے لئے ایک چیلنج ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ضمیر اور مذہب کی آزادی ہر شخص کا حق ہے۔ کیا دنیا ان کروڑوں انسانوں کی طرف سے آنکھیں بند کر سکتی ہے جو محض اس وجہ سے شدید مصائب کا شکار ہیں کہ وہ کسی خاص مذہب کے پیروکار ہیں ؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ہمیں نہ صرف ان مسلمان اقلیتوں سے ہمدردی ہے جنہیں جانبداری اور ظلم کا نشانہ بنایا جارہا ہے' بلکہ ان تمام اقلیتوں سے خواہ وہ کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتی ہوں ولی ہمدردی ہے جو اسی طرح کے ظلم کا شکار ہیں۔

ان اقلیتوں کو زبوں حالی پر انسان دوستی کے جذبے کے تحت تشویش کے اظہار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی ملک کے اندرونی معاملوں میں مداخلت کی جارہی ہے۔ عالمی برادری کو اخلاقی طور پر ایسے حالات ضرور غصے کا اظہار کرنا چاہئے' کیونکہ بیشتر حالات میں ظالم پر دباؤ ڈالنے کا یہی واحد طریقہ رہ جاتا ہے۔

اگر ہمیں انسانی تکلیفوں کا احساس نہ رہے یا افلاس اور بھوک کا منظر ہمارے ضمیر کو

جھنجھوڑ نہ سکے تو بنی نوع انسان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا:۔

"وہ مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھانا کھالے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔"

(حدیث نبویؐ)

"جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔

(حدیث نبویؐ)

یہ بات افراد کی طرح اقوام پر بھی صادق آتی ہے۔

جناب صدر!

ہم مسلم اقوام اور تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے ہمارے بھائی نو آبادیاتی نظام کے تحت سختیوں کا شکار رہے ہیں۔ ہم نے اپنی آزادی کے حصول کے لئے شانہ بشانہ جدوجہد کی ہے۔ آزادی کے بعد ہم نے ایک ہی جیسی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ ہمیں ایک ہی جیسے مسائل ورثے میں ملے ہیں۔ ہمیں ایک ہی جیسے چیلنج کا سامنا ہے ہمیں یکساں طور پر اس مایوسی کا سامنا ہے کہ ہمارے عوام کی روزافزوں امنگیں اور توقعات پوری نہیں ہو سکیں۔

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان موجودہ اقتصادی تعلقات عدل وانصاف کے اصول یا یوں کہنا چاہئے کہ اس اصول کا فقدان کی بنیاد پر قائم ہیں۔ ترقی پذیر قومیں خام مال فراہم کرتی ہیں۔ لیکن ترقی یافتہ قومیں جو مصنوعات فراہم کرتی ہیں وہ اس کی بہت زیادہ قیمت مانگتی ہیں، جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہم تیسری دنیا کی قومیں بین الاقوامی منڈی کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس منڈی کو معدودے چند صنعتی ملک اپنے اشاروں پر چلاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ یہ محسوس کریں کہ اس طرح ہتھکنڈوں سے صرف مختصر مدت تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ہم ایک دوسرے پر انحصار کے دور میں داخل ہو چکے ہیں اور کوئی ایک ملک ایسی تدابیر اختیار کر کے جن سے دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کے جائز مفادات کو نقصان پہنچتا ہو اپنی خوش حالی کی ضمانت حاصل نہیں کر سکتا۔ ترقی پذیر ملکوں کے خلاف استحصالی اور جانبدارانہ حربے اقتصادی اور سیاسی عدم استحکام کا باعث ہیں۔ صورت حال دنیا کے امن اور تحفظ کے لئے خطرہ ہے۔ یقیناً وقت آگیا ہے کہ ایک نیا اقتصادی نظام قائم کیا جائے جو پائیدار ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ نظام انصاف پر مبنی ہو۔

ستتر ۷۷ ملکوں کا گروپ جو تیسری دنیا کی نمائندگی کرتا ہے ۱۹۶۴ء سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ ایک ایسا اقتصادی نظام قائم کیا جائے جس کے تحت پوری دنیا کی معیشت بہتر ہو، جس سے تمام ملکوں کو فائدہ پہنچے۔ شمالی ملکوں اور جنوبی ملکوں کے درمیان

مذاکرات کا سلسلہ قریب قریب دس سال سے جاری ہے اور کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوا اس اثنا میں نصف سے زیادہ دنیا میں افلاس اور محرومی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ جس سے دنیا میں استحکام کو پہلے سے زیادہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کو یہ امید نہیں ہے کہ ترقی یافتہ ملک ضروری وسائل اور ٹیکنالوجی تک رسائی میں خطرناک عدم توازن کی اصلاح کے لئے کوئی ذمہ دارانہ اور تعمیری اقدام کرینگے۔

اس اثناء میں دنیائے اسلام نے مربوط اقدامات کے ذریعے اپنے وسائل کو یک جا کرنے کی ابتداء کی ہے اور اس مقصد کے لئے مالی اور بینکاری کے ادارے قائم کئے ہیں۔ مناسب وقت پر ان اداروں کی مدد سے مسلمانوں میں اقتصادی میدان میں خود اعتمادی پیدا ہو جائے گی۔ صحیح اسلامی روایت کے مطابق تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک نے نہ صرف برادر مسلم ملکوں بلکہ تیسری دنیا کے ملکوں کی مشکلات دور کرنے کے لئے امداد و تعاون کے رویے سے کام لیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلم ممالک ستترے ۷ کے گروپ کے مقاصد حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے رہیں گے۔ ان کی آواز شمالی اور جنوبی ملکوں کے مذاکرات میں بھی واضح طور پر سنی جائے گی۔ مسلم ممالک دولت مند ملکوں پر زور دیں گے کہ وہ تیسری دنیا کے لئے اپنی سرکاری ترقیاتی امداد اپنی مجموعی قومی پیداوار کے ۷ فیصد کی حد تک بڑھا دیں جس پر اتفاق رائے ہو چکا ہے۔ کیا فراخ دلی کا یہ معیار رہ گیا ہے ؟

ایک طرف تو افلاس اور پسماندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے جس پر مستقبل میں دنیا کے استحکام کا انحصار ہے۔ اتنی کم امداد دی جا رہی ہے اور دوسری طرف مہلک ہتھیاروں کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ وسائل کام میں لائے جا رہے ہیں۔ ایک اور سانحہ یہ ہے کہ ان ملکوں کو بھی جو اپنے قیمتی وسائل اپنے عوام کی بہبود کو نظر انداز کر کے اسلحہ کے حصول پر خرچ کر رہے ہیں۔ بڑے پیمانے پر مہلک ہتھیار دیئے جا رہے ہیں۔ دنیا کے تحفظ کو غریب اقوام کی بنیادی ضروریات نظر انداز کرنے سے جتنا بڑا خطرہ درپیش ہے اتنا ہی بڑا خطرہ وسائل کو اسلحہ کو دوڑ پر اندھا دھند خرچ کرنے سے بھی لاحق ہے۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ اسلحہ کی تخفیف بین الاقوامی کشیدگی ہی دور کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسانی ترقی کے لئے وسائل کو بہتر طریقے سے کام میں لایا جا سکے۔ تخفیف اسلحہ عالمی برادری کی فوری توجہ کی مستحق ہے اور یہ ضروری ہے کہ عالمی اور علاقائی سطحوں پر اس مسئلے سے نمٹا جائے۔

جناب صدر!

امن اور انصاف کی بنیاد پر عالمی نظام قائم کرنے کے سلسلے میں اقوام متحدہ اب بھی ہماری امیدوں اور امنگوں کا مرکز ہے ان مقاصد کے تحت جو اقوام متحدہ کے منشور میں بتائے گئے ہیں۔ یہ عالمی ادارہ ایسا نظام قائم کرنے کا پابند ہے۔ اقوام متحدہ کو قائم ہوئے پینتیس ۳۵ سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں اس ادارہ کو بین الاقوامی امن اور ترقی کی قوت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ گاہے گاہے اقوام متحدہ اپنے وعدوں کو عملی شکل نہیں دے سکی لیکن اس سے ہماری حوصلہ شکنی نہیں ہوئی۔ ہمیں ان حالات کا احساس ہے جن کی وجہ سے یہ عالمی ادارہ اپنا یہ فیصلہ نافذ نہیں کر سکا کہ فلسطینیوں کو اپنے وطن میں اپنی خود مختار مملکت بنانے کا موقع دیا جائے۔ اور اپنا یہ وعدہ بھی پورا نہیں کر سکا کہ جموں و کشمیر کے باشندوں کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے تحت اپنا مستقبل آپ طے کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

چونکہ ریاست جموں و کشمیر کے تذکرے کا پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات سے واسطہ ہے اس لئے میں یہ کہنا چاہوں گا جیسا کہ ہماری مستقل پالیسی ہے۔ ہم ۱۹۷۲ء کے شملہ سمجھوتے کے تحت ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اور زیادہ معمول پر لانے کی کوشش کرتے رہے ہیں ۔ دونوں ملکوں کے درمیان مواصلات ' سفر اور تجارت بڑھانے کے سلسلے میں گزشتہ برسوں میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ اگر جموں و کشمیر کا تنازعہ پرامن طریقے سے طے ہو جائے تو اس سلسلے میں اور زیادہ پیش رفت ہو سکتی ہے بلکہ پیش رفت ضرور ہو گی۔ اس معاملے میں پاکستان کا موقف پوری دنیا میں تسلیم شدہ اصولوں پر مبنی ہے۔

دنیائے اسلام اقوام متحدہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس کے بنیادی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتی رہے گی۔ اسلام کا پیغام امن انسانی مساوات ' قانون کی حکمرانی اور انصاف کی بالادستی ہے۔ اقوام متحدہ کے بنیادی اصول بھی یہی ہیں۔ اس مذہب کے پیروکاروں کی حیثیت سے جو یہ پیغام دنیا میں لایا اور اس منشور پر دستخط کرنے والوں کی حیثیت سے جس میں یہ پیغام شامل ہے ' مسلمانوں پر اقوام متحدہ کے نصب العین سے وابستہ ہونے کی دہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا!

"جو شخص ہر روز ترقی کی طرف بڑھتا رہتا ہے وہ بھی کمال سے بہت دور ہے۔"

(حدیث نبویؐ)

اس لئے اگر اقوام متحدہ کے مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے۔ اگر بین الاقوامی

سطح پر جارحیت زور اور زبردستی کا دور دورہ ہے' اگر طاقت ور کے ہاتھوں کمزور کی سلامتی اور خود مختاری خطرے میں ہے۔ اگر آج بھی حق کا دوسرا نام طاقت ہے تب بھی ہم مایوس نہیں ہیں۔ ہم اب بھی پر امید ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنے نصب العین تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

یہی وہ یقین اور عزم ہے جس کے ساتھ دنیائے اسلام پندرہویں صدی ہجری میں داخل ہونے کو ہے اس کا شاندار ماضی اس کی تقویت کا باعث ہے اسے حال کے مسائل اور مواقع دونوں کا احساس ہے۔ اسے یہ بھی احساس ہے کہ اس کی روحانی و ثقافتی اور سیاسی زندگی کا نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ اس کی قوت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسے اپنے مستقبل پر اعتماد ہے۔ آج اس کی قوت کا سرچشمہ فکر و عمل میں اتحاد کی تڑپ ہے۔ مسلم ممالک جن کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے عام طور پر اس بات سے متفق ہیں کہ ان پر اثر انداز ہونے والے معاملات اور دوسرے عالمی مسائل کے بارے میں انہیں متحدہ اور اجتماعی موقف اختیار کرنا چاہئے۔ اس انداز فکر نے اس تصور کو جنم دیا ہے کہ مسلم ممالک اپنے قدرتی وسائل اپنی کثیر افرادی طاقت اور موجودہ مہارتوں کو یکجا کر کے اپنا تحفظ مستحکم کریں۔ اس قریبی تعاون سے خود اعتمادی پیدا ہو گی اور بیرونی عوامل پر جو غیر یقینی اور اکثر تکلیف دہ ہیں انحصار کم ہو جائے گا۔ اسلامی ملکوں کی سلامتی کے اس تصور کا یہ مقصد نہیں کہ طاقت کہ کسی گروپ میں شامل ہوا جائے یا بہت سے ملکوں کے ساتھ دفاعی معاہدے کئے جائیں۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ کے مفاد میں اجماع کے ذریعے جو مقاصد متعین کر دیئے گئے ہیں ان کے حصول کے لئے مسلم ممالک کی انفرادی اور اجتماعی صلاحیتوں میں اضافہ کیا جائے۔

جناب صدر!

آج کی دنیا میں اگر انسان یہ سوچنے لگے کہ اس کا مستقبل تاریک ہے اور پھر مایوسی کے ماحول میں وہ اپنی راہ سے بھٹک جائے تو یہ تعجب بات نہ ہو گی۔ لوگ مایوسی اور احساس محرومی کا شکار ہیں۔ انہیں ہر طرف خطرات اور مصائب دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف گروہوں کے درمیان معاشرتی ناانصافی اور قوموں کے درمیان اقتصادی عدم مساوات پایا جاتا ہے مجھے کہنے دیجئے کہ یہ سب کچھ حد سے بڑھی ہوئی ہے مادہ پرستی' اخلاقی قدروں کے انحطاط اور ایمان کی کمی کا نتیجہ ہے۔

ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم اپنا ایمان مستحکم کریں اور خالق اور اس کی مخلوق پر بھروسہ کرنا سیکھیں۔ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا شدید

احساس ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کے بارے میں بے جا فخر و مباہات کا اظہار نہ کریں لہذا میں بڑی عاجزی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک آج کی دنیا جن مسائل سے دوچار ہے اسلام ان کے حل میں مدد دے سکتا ہے۔ وہ عالمی اخوت اور پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر بین الاقوامی بھائی چارے کا مضبوط ڈھانچہ قائم کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح محض مذہب نہیں بلکہ ہمہ جہت عمارت ہے۔ یہ قانون کا ایک بے مثال اور جامع نظام ہے یہ ایک ممتاز ثقافت ہے۔ ایک دلکش تہذیب ہے۔ یہ انسان کی تسکین اور نجات کے لئے اعلیٰ ترین مابعد الطبیعاتی اصول ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال میں جو خدمات انجام دی ہیں ان سے سب واقف ہیں۔

مسلمان اقوام عالم کے درمیان صلح و آشتی کو فروغ دینے کے لئے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس کی نشاندہی کوہ عرفات پر نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع سے ہوتی ہے۔ جس میں انسانی حقوق اور فرائض کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یہ خطبہ آج بھی ایسا ہی برمحل ہے جیسا چودہ سو سال پہلے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

" اے لوگو! میری بات غور سے سنو! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے۔ تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو۔ اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔"

زمانہ جاہلیت میں خون کا بدلہ لینے کا جو رواج تھا وہ اب ختم کیا جاتا ہے۔

خاندانی دشمنیوں کا مسئلہ بھی ختم کیا جاتا ہے۔

تم ایک دوسرے کی جان ' مال اور عزت کو قیامت کے دن تک اپنے اوپر حرام سمجھو ' عورتوں کے ساتھ معاملات میں اللہ کو یاد رکھو۔ ان پر تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ تم پر بھی ان کے کچھ حقوق ہیں۔

ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار نہیں۔ باپ بھی اپنے بیٹے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ جس کے پاس کوئی امانت ہے وہ اس کے مالک کو واپس کر دے۔

سود ربا ختم کیا جاتا ہے ' لیکن تم سرمایہ رکھ سکتے ہو۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو۔ تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تم ایک برادری ہو۔ ایک شخص کا مال اس کے بھائی کے لئے جائز نہیں تاوقتیکہ یہ مال خوشی سے نہ دے دیا گیا ہو۔ خیال رکھو کہ کسی پر ظلم نہ کرو۔ یقیناً تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے ' اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی پرسش کرے گا۔

اگر پیغام یہ ہے تو کیا اسلام کا احیاء اور دنیا کے مسلمانوں کی بیداری ایسی صورت حال نہیں ہے جس کا خیر مقدم کیا جانا چاہیئے ؟ اسلام کا ایسی قوت کی حیثیت سے خیر مقدم

کرنا چاہیئے 'جو کشاکش سے تھکی ہوئی دنیا میں امن قائم کر سکتی ہے اور مایوس انسانیت کے دل میں امید کی شمع روشن کر سکتی ہے۔

یہ ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے آپ کو دوسروں پر مسلط کرتا ہے قرآن مجید ہمیں واضح طور پر یاد دلاتا ہے کہ۔

" دین میں زبردستی نہیں ہے۔" (القرآن ۲ : ۲۵۶)

اسلام کسی جبر کے بغیر اور غیر محسوس طریقے سے عالمی برادری کا ضمیر بیدار کر سکتا ہے۔ دین اسلام اس دنیا کی زندگی بہترین طریقے سے بسر کرنے میں اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کرتا ہے۔

مسلمانوں کی دعا یہ ہے :

"اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔"

یہ زندگی آخرت کی زندگی کی تیاری ہے۔ ہمیں یہ زندگی بھرپور طریقے سے دیانتداری کے ساتھ اور پورے عزم کے ساتھ بسر کرنی ہے یہ زندگی اللہ کے لئے اس کے پاک نام پر اس کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے بسر کی جائے۔

جناب صدر!

دنیائے اسلام کو یقین ہے کہ خالص مادہ پرستی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ شہنشاہیت نو آبادیاتی نظام اور ہر طرح کی بے انصافیاں اسی مادہ پرستی کی پیداوار تھیں۔ اب مادہ پرستی کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔ اس وقت مسلمان پندرھویں صدی ہجری میں داخل ہونے کو ہیں۔ اب وہ اپنے مذہب 'اپنی عظیم ثقافت اور بے مثال معاشرتی اور معاشی اداروں پر فخر کرنا بھی سیکھ گئے ہیں انہیں یقین ہے کہ اس صدی کا آغاز ایک نئے عہد کی ابتداء ثابت ہو گا جس میں وہ امن انصاف 'انسانی مساوات اور کائنات کے بارے میں اپنے شعور کی بدولت بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے قابل قدر کام انجام دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے دنیا کے مسلمانوں کی طرف سے دلی امید ظاہر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ۱۵۴ اقوام جو یہاں جمع ہیں صدق دل سے عہد کریں کہ۔

الف۔ پندرھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے ساتھ ایسے عہد کی ابتداء ہو گی جس میں بین الاقوامی تعلقات مختلف طاقتوں کی گروہ بندی کی بجائے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر قائم کیئے جائیں گے۔

ب۔ ہم عالمی اخوت کی بنیاد پر نیا انسانی معاشرہ قائم کریں گے۔

ج۔ نسل، رنگ، عقیدے اور جنس کی بنیاد پر تمام تعصبات ختم کر دیئے جائیں گے۔

د۔ دنیا میں ظلم اور ناانصافی کے بچے کھچے آثار مٹا دیئے جائیں گے۔

ھ۔ طاقتور قومیں کمزور قوموں کو نہیں ستائیں گی اور دولت مند غریبوں پر دھونس نہیں جمائیں گے۔

و۔ سائنسی علوم اور قدرتی وسائل کو اسلحہ کے حصول اور جنگ کی دوسری تیاریوں پر ضائع کرنے کی بجائے پوری نسل انسانی کی بھلائی کے لئے منصفانہ بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا۔

ز۔ اس کرہ ارض کے ماحول کو خراب نہیں جائے گا تاکہ آنے والی نسلیں ایسی دنیا کی وارث بنیں جو حسین بھی ہو اور جس پر اچھی زندگی بسر کی جا سکے۔ جیسا کہ خالق نے اسے ہمارے لئے بنایا تھا۔

ط۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قوموں کے درمیان امن کا دور دورہ ہو گا اور لوگ بھائی چارے کے ساتھ رہیں گے۔ تاکہ بنی نوع انسان ہماری قیمتی تہذیب کو محفوظ رکھ سکے جس میں ہر نسل کا حصہ ہیں اور سیاسی اقتصادی اور معاشرتی انصاف کی بنیاد پر ایسی عمدہ زندگی بسر کریں جس کی ہم سب کو تمنا ہے، لیکن جس تک ابھی ہماری رسائی نہیں ہے۔

جناب صدر، اس معزز اسمبلی سے خطاب کرنے کا موقع دینے پر میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ارائیں بلڈنگ موہنی روڈ لاہور

یہ ارائیں برادری کا مرکز ہے متحدہ ہندوستان کی ارائیں بلڈنگ لاہور کا سنگ بنیاد رکھنے والی شخصیت حافظ محمد حلیم صاحب کی تھی جو بہت بڑے تاجر تھے اور کانپور میں چرم کا کاروبار کرتے تھے اس زمانے کے لکھ پتی آدمی تھے۔ ان کی عالی شان کوٹھی اور باغ موضع بسی سر ہند میں تھا جو ریاست پٹیالہ میں واقع تھا۔ اسی جگہ 15 اپریل 1915ء میں انجمن راعیان ہند کا دوسرا جلسہ ہوا تھا اس ارائیں بلڈنگ کی عمارت سب سے پہلے جناب حافظ محمد حلیم صاحب نے اپنے ذاتی خرچے سے تعمیر کرائی تھی اس بلڈنگ میں برادری کے نوجوان جو لاہور کے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے تھے رہائش پذیر ہوتے تھے۔ جن میں جناب مرحوم جسٹس چودھری محمد صدیق اور حنیف رامے کے نام نمایاں ہیں اس بلڈنگ کی بنیاد رکھتے وقت سنگ مرمر کی ایک تختی لگائی گئی تھی جس پر یہ الفاظ کندہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
= راعی بلڈنگ بنیاد
نصب کردہ عالی جناب بہادر حافظ محمد حلیم صاحب
رئیس اعظم بسی سرہندو ملک التجار کانپور
بتاریخ 12 جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ
جمعتہ المبارک مطابق 5 مارچ 1920ء

برادری کے جریدے

موجودہ دور میں قومی آواز کی پبلسٹی کے لئے پریس کی تمام سہولتیں مہیا ہیں۔اور جو برادری اتفاق تنظیم 'اور سربلندی کی خواہاں ہو اس کے لئے جریدوں سے فائدہ اٹھائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ممکن نہیں۔ ہماری برادری نے بھی اس سلسلہ میں چند کوششیں کی ہیں جن کا مجمل ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

ارائیں معززین کے چند اہم کارنامے

(۱) انجمن اسلام (لنڈن)

۱۸۸۸ء میں لنڈن میں انجمن اسلام کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس میں سید علی امام، میاں شاہ دین ہمایوں (چیف کورٹ پنجاب کے جج (سید کرامت حسین) سر میاں محمد شفیع اور حسن امام شامل تھے۔ اسی انجمن کی کوششوں سے دوکنگ مسجد لائٹنر (Lightner) جیسے شر پسند اور بے ایمان غاصب کے قبضہ سے آزاد ہوئی۔

واقعہ یوں ہے کہ لائٹنر نے ہندوستان میں خود کو مسلمان ظاہر کر کے چندہ اکٹھا کیا اور معمولی مسجد ووکنگ لنڈن میں بنوائی اور باقی رقم سے اپنی شاندار کوٹھی بنوا کر مسجد کا مالک بن بیٹھا اور مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا جس پر کافی ہنگامہ ہوا مگر انگریزی حکومت نے لائٹنر کی کافی مدد کی۔ ۱۸۹۲ء میں مذکورہ انجمن کی زبردست جدو جہد کے سامنے انگریزی حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور لنڈن کی ووکنگ مسجد واگزار ہوئی۔

انہی ایام میں ایک ڈرامہ پارٹی نے "محمدؐ دی عربیین پرافٹ" نامی ڈرامہ سٹیج کر کے حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا پروگرام مکمل کر لیا تھا۔ جب اس کی خبر انجمن ہذا کو ہوئی تو انہوں نے برطانوی حکومت سے زبردست احتجاج کیا اور ایران اور ترکی کے سفارت خانوں کے معززین کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا جن کی مشترکہ کوششوں سے ڈرامہ سٹیج ہونے سے روک دیا گیا۔

ہمیں فخر ہے کہ ہماری برادری کے معززین نے اسلام کی یہ بے نظیر خدمت کی
(نقوش آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء)

(۲) آل انڈیا مسلم لیگ

(سائمن کمیشن کے بعد) اس زمانہ میں آل انڈیا مسلم لیگ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ بلکہ دو متوازی لیگیں بن چکی تھیں۔ ایک کے صدر قائداعظم محمد علی جناح تھے اور سیکرٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور دوسری کے صدر سر میاں محمد شفیع اور سیکرٹری علامہ اقبالؒ

دونوں لیگیں بنیادی مطالبات میں متفق تھیں لیکن اختلافات کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جناح لیگ نے مخلوط انتخابات قبول کر لیا تھااور شفیع لیگ جداگانہ انتخاب پر سختی سے قائم تھی۔
انقلاب اخبار نے دونوں لیگوں کو اکٹھا کرنے میں کافی حصہ لیا حتے کہ دونوں لیگوں کی کونسلوں کاایک مشترکہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ سر میاں محمد شفیع اتحاد مسلمین کی خاطر رضاکارانہ طور پر صدارت سے دستبردار ہو گئے اور قائداعظم جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے۔

(صحافت پاکستان وہند میں)

(۳) میاں عبدالعزیز کا کارنامہ

۱۹۲۵ء میں جب لاہور ہائی کورٹ میں نئے جج کے تقرر کا سوال پیدا ہوا تو سیاسی حلقوں نے ڈاکٹر محمد اقبال کا نام لیا مگر شادی لال چیف جسٹس نے گورنر سے کہہ کر یوپی کے ایک مسلمان آغا حیدر علی کا تقرر کرا دیا اورڈاکٹر صاحب کو قابل توجہ ہی نہ سمجھا گیا ۔اس پر مسلمانوں کو بے حد افسوس ہوا۔ چند دن بعد یعنی ۱۹۲۶ء میں صوبہ پنجاب کی لیجسلیٹو کونسل کا نیا انتخاب ہونے والا تھا۔ جس کے لئے میاں عبدالعزیز نے سر توڑ کوشش کی کہ ڈاکٹر محمد اقبال کا انتخاب ہو جائے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے شہری مسجد کے چوک میں ایک بہت بڑے جلسے کا بھی بندوبست کیا جس کے صدر وہ خود ہی تھے۔ خلافت کمیٹی نے بھی میاں صاحب کی تحریک سے پوارپورا تعاون کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد اقبال منتخب ہو گئے اور ان کے مخالف ملک دین محمد بیرسٹر بمشکل اپنی ضمانت بچا سکے۔

(میاں عبدالعزیز کا کارنامہ)

۴۔ غازی علم الدین شہید اور میاں سر محمد شفیع

غازی علم الدین شہید نے جب راجپال سے "رنگیلا رسول" کتاب شائع کرنے پر توہین رسالت کا انتقام لینے کے لئے اسے قتل کر دیا تو انہیں ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو میانوالی جیل میں پھانسی دے کر ان کی نعش وہیں دفن کر دی گئی جب مسلمان نے اس کا مطالبہ کیا تو انگریزوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے ایما پر نعش دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر بڑے بڑے جلسے ہوئے، جلوس نکلے مگر آخر چند معززین جن میں غلام مصطفےٰ حیرت، ملک لال دین قیصر اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر بھی شامل تھے، میاں سر محمد شفیع کی کوٹھی پر گئے اور عرض کی کہ قوم

پر مصائب کا دور دورہ ہے اور آپ کی مدد ضروری ہے۔ چنانچہ اسی شام کو ایک وفد بنایا گیا جس میں علامہ اقبال ، میاں عبدالعزیز بیرسٹر اور خلیفہ شجاع الدین وغیرہ بھی شامل تھے ، اس کا قائد سر محمد شفیع کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ اس وفد کی کوششوں سے غازی علم الدین شہید کی نعش واپس لائی گئی۔ جسے نہائت تزک واحتشام سے میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

(سیارہ ڈائجسٹ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

(۵) غوثیہ اسلامیہ کالج فرید آباد

ہماری برادری کے ایک نامور علم دوست فرو ڈاکٹر فرید بخش صاحب نے چک نمبر ۳۴۳۔ گ۔ ب براستہ پیر محل تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ فیصل آباد میں پہلے غوثیہ اسلامیہ ہائی سکول کھولا جو بعد میں ڈگری کالج بن گیا۔ جس میں سائنس اور آرٹ دونوں کی کلاسیں جاری ہیں۔ اور اب یہ کالج دیگر کالجوں کی طرح گورنمنٹ کالج بن گیا ہے۔ یہ صرف ڈاکٹر صاحب کی ہمت مردانہ کا نتیجہ ہے کہ ایک فرد واحد کی کوششوں سے دیہات میں ایک معمولی اسکول رفتہ رفتہ ہائی اسکول اور پھر کالج بن جائے۔

ایسے محسن قوم اور علم وادب کے پروانے پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

مرحوم صدر ایوب خان نے اس کالج کے افتتاح پر اسے یونیورسٹی بنانے کا وعدہ کیا تھا۔

آغاز :۔ ۱۹۱۴ء میں ملک شاہ محمد اور چوہدری غلام حیدر عمر نے حکیم معراج الدین صاحب امرتسری کو امداد دیکر لاہور سے پہلی بار ایک رسالہ آرائیں میگزین کا اجراء کرایا جس کے صفحات میں برادری کے حالات کے علاوہ ہونیوالی کانفرنسوں کا اعلان بھی ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ میگزین باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

دوسرا مرحلہ :۔ مگر جب ان بزرگوں نے یہ دیکھا کہ اس میگزین کے ذریعے حسب منشاء کام نہیں ہوتا تو انہوں نے مشورہ کرنے کے بعد انجمن ارائیاں ہند لاہور کی طرف سے ایک ہفت روزہ اخبار "الراعی" جاری کرایا یہ کام فروری ۱۹۱۶ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر قاضی فتح محمد صاحب انبالوی تھے جو انجمن ارائیان ہند کے سفیر بھی تھے انہوں نے نہایت جانفشانی سے اسے پروان چڑھایا۔

یہی رسالہ کبھی بند رہا اور کبھی کسی صورت میں شائع ہوتا رہا حتی کہ پاکستان وجود میں آیا مگر قیام پاکستان سے ۱۹۶۴ء تک اس کا اجراء نہ ہو سکا اور پھر جنوری ۱۹۶۴ء میں عبدالرشید صاحب تبسم کی زیر ادارت اسے نئے سرے سے جاری کیا گیا چنانچہ تبسم صاحب

"الراعی" کے پہلے شمارہ کے دیباچہ میں ہمارا نیار دور کے عنوان سے لکھتے ہیں :۔

"الراعی آج سے تقریباً بیالیس سال قبل انجمن ارائیان ہند کے ترجمان کے طور پر جاری ہوا۔ انجمن کے پیش نظر وسیع اصلاحی اور تعمیری پروگرام تھااور وہ چاہتی تھی کہ اس پروگرام کی تکمیل میں "الراعی "ممدو معاون بنے۔ بیاہ شادی اور ایسی دوسری تقاریب پر برادری کو اسراف سے روکنا رسوم کی اصلاح کرنا' برادری میں تعلیم کا زیادہ سے زیادہ شوق پیدا کرنا۔ ہونہار اور نادار ارائیں طلبہ میں وظائف اور ہر قسم کے تعصب سے بلند ہو کر برادری میں صحیح اسلامی سیرت اور کردار پیدا کرنا انجمن کے مقاصد تھے۔ اور "الراعی" انہیں مقاصد کا نقیب رہا۔ اس کے علاوہ "الراعی "انجمن کی سرگرمیوں سے برادری کو باخبر رکھتا تھااور برادری کی خبریں اپنے قارئین کرام تک پہنچاتا رہا۔ پہلے یہ ہفتہ وار تھااب یہ ماہوار رسالے کی صورت میں قارئین کے سامنے ہے۔

"الراعی" دوبارہ اجراء کے بعد بھی کس مپرسی کی حالت میں ہی رہا کبھی جاری کبھی بند آجکل میاں عبدالرشید صاحب ذیلدار ' قصور پورہ راوی روڈ لاہور جنہوں نے کبھی روزنامہ کوہستان کا اجراء کیا تھااس کی اصلاح کے لئے کوشش کر رہے ہیں اگر وہ کامیاب ہو گئے تو ان کی سرپرستی اور ان کے چھوٹے بھائی میاں محمد حنیف ایم اے (صحافت) اور پروفیسر محمد شفیق ایم اے صحافت کی زیرادارت انشاء اللہ نئے دور کا آغاز ہو جائے گا۔

"الراعی" کے ایڈیٹروں میں مندرجہ ذیل حضرات مختلف اوقات میں شامل رہے ہیں۔

(۱) منشی عبدالقدیر رشک۔
(۲) جناب عبدالرشید تبسم جواب پندرہ روزہ انقلاب نو کے ایڈیٹر ہیں۔
(۳) میاں محبوب جاوید (جو اب فیصل آباد میں ایڈووکیٹ ہیں)
(۴) جناب اصغر ملک صاحب۔
(۵) م۔ش۔ (غالباً آپ اعزازی مدیر رہے ہیں۔ کیونکہ الراعی کے کسی شمارے میں میں آپ کا لکھا ہوا اداریہ نظر سے نہیں گزرا)۔
(۶) مولانا علم الدین سالک مرحوم (آپ کے اکثر مضامین "الراعی" میں شائع ہوتے رہے ہیں)۔

آج کل جناب محمد امین آکسی صاحب الراعی کے ایڈیٹر ہیں۔

ماہنامہ "نسیم" جہلم

جناب صوفی محمد اسحاق نقشبندی صاحب اسے ہفتہ وار شائع کرتے ہیں لیکن اس کا ماہنامہ ارائیں برادر کے لئے وقف ہے۔ اس میں برادری کی انجمنوں اور ان کے اجلاس کی روداد ہوتی ہے۔ لہذا برادری کے ئے بہت مفید ہے۔

خبرنامہ تنظیم ارائیاں کراچی

یہ خبرنامہ کراچی کی تنظیم ارائیں کا ترجمان ہے بہت عمدہ کاغذ پر خوبصورت انداز میں شائع ہوتا ہے اخباری سائز اور آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اب اسے ماہنامہ بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور عنقریب ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوگا۔

اس سے انجمن ارائیاں کراچی کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا رہتا ہے اس تنظیم کی سرپرستی میں پندرھویں صدی ہجری کی یادگار میں "سونیر" شائع ہوا ہے۔ یہ مجلہ بہت قابل قدر ہے۔ اس کو جناب میاں محمد سعید صاحب نے ایڈٹ کیا ہے۔ یہ ارائیں برادری کے لئے خوشی کا باعث ہے۔

خبرنامہ کا ایڈریس مندرجہ ذیل ہے :۔
A/۱۱۴ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی
شاہراہ فیصل کراچی ۲۹

اس کے ایڈیٹر پہلے اظہر چوہدری تھے۔ آجکل محترم میاں محمد سعید صاحب ہی اسے ایڈٹ کرتے ہیں۔ کیونکہ تنظیم ارائیاں نے اپنے اجلاس مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۸۱ء میں یہ ذمہ داری صدر تنظیم ارائیاں میاں محمد سعید کے کندھوں پر ڈال دی ہے اب یہ رسالہ بھی اخوان الراعین میں ضم کر دیا گیا ہے۔

ماہنامہ اخوان الراعین کراچی

اس کے ایڈیٹر میاں محمد سعید صاحب ہیں۔ ان کا پتہ مندرجہ ذیل ہے :
۸۷۵/۲ عزیز آباد۔ کراچی

اس کو میاں صاحب بہت محنت اور عرق ریزی سے شائع کرتے ہیں۔ اس میں بہت قیمتی معلومات ہوتی ہیں۔ برادری کی تاریخ حالات حاضرہ کا تجزیہ اور جائزہ اور آئندہ

کے لائحہ عمل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔
مضامین بہت ٹھوس اور مدلل ہوتے ہیں چکنے کاغذ پر سائیکلوسٹائیلڈ کیا جاتا تھا۔ اب یہ رجسٹرڈ کرالیا گیا ہے اور باقاعدہ چھپتا ہے۔ اس کے مضامین بہت بلند پایہ اور تحقیقی ہوتے ہیں۔

یہ رسالہ عام طور پر بحران کا شکار رہا ہے کیونکہ سال بھر اس کے اکثر شمارے چھپنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ خریداروں کی کمی 'برادری کی بے حسی 'کاغذ کی گرانی غیر متعلقہ پالیسی اور ایڈیٹوریل اسٹاف کی عدم دلچسپی نے اس کی افادیت اور اہمیت کو بہت گھٹابلکہ مٹادیا ہے۔
افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک کروڑ برادری کا قومی آرگن ہو اور بغیر پیغام لائحہ عمل 'پالیسی اور نتیجہ خیز قیادت کے محض اپنے نام کی وجہ سے زندہ رہے۔ اگر اس پر تھوڑی سی توجہ دی جائے تو برادری کی تنظیم 'بہبود اور فلاح کے لئے اس سے قابل قدر کام لیا جاسکتا ہے۔

"راعی گزٹ"

جب لاہور سے الراعی کا اجراء ہو تو یوپی کی ارائیں برادری نے بھی "راعی گزٹ" شائع کرنا شروع کیا۔ اس کے اجراء کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس کے ایڈیٹر میاں اختر حسین اختر اسے نہایت قابلیت سے ایڈٹ کیا کرتے تھے۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے آل انڈیا ارائیں کانفرنس کے صدار سردار محمد شفیع نے صدر ہونے کی حیثیت سے اسے کانپور کی برادری سے لیکر دہلی کی برادری کے حوالے کر دیا۔ کانپور میں بھی راعی گزٹ ہفت روزہ تھا۔ اور دہلی میں بھی ہفت روزہ رہا۔ یہ ہفت روزہ ستمبر ۴۷ء تک دہلی سے شائع ہوتا رہا۔ پھر برادری کی ہمہ گیر ہجرت کی وجہ سے اس کا اجراء بند ہو گیا۔ یوپی اور دہلی کی یہ ساری برادری کراچی میں آباد ہے۔ اور پھر کوششیں ہو رہی ہیں کہ "الراعی گزٹ" کا اجراء عمل میں لایا جائے افسوس ہے کہ اختر صاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔
چوھدری عبدالکریم بی اے ساکن مراد پور ضلع سیالکوٹ نے بھی کچھ عرصہ ہوا ایک ہفتہ وار "قومی اخبار" کا اجراء کیا تھا جس کا مقصد برادری کی تنظیم اور بہبود تھا مگر تھوڑا عرصہ تک جاری رہ کر قوم کی بے حسی کا شکار ہو گیا ___ انڈیا میں ارائیوں کا رسالہ آئینہ" ارائین" کے نام سے مراد آباد سے شائع ہوتا ہے۔ جس کے ایڈیٹر جناب ندیم رزعی صاحب ہیں۔ جو سیکریٹری جمیعت الرائین بھارت بھی ہے۔

برادری کی تاریخ ۔ سابق۔

ہندوستان میں

☆ پہلی کوشش :۔ صوفی اکبر علی صاحب جالندھری نے ۱۹۱۹ء میں سلیم التواریخ شائع کی۔

☆ دوسری کوشش :۔ منشی محمد ابراہیم صاحب محشر انبالوی نے ۱۹۲۲ء میں "آل ذو رعین" لکھکر ارائیں برادری کے حسب و نسب پر روشنی ڈالی۔

☆ تیسری کوشش :۔ میاں معراج الدین صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ "الفقیہ" نے "تاریخ ارائیاں" لکھی تھی مگر وہ بھی سلیم التواریخ کی تلخیص تھی۔

☆ چوتھی کوشش :۔ قاضی فتح محمد صاحب انبالوی نے انگریزی میں ایک مقالہ لکھا جس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔

قاضی صاحب۔ اور صوفی صاحب نے ارائیں برادری کی ڈائریکٹری بھی لکھی تھی جو تقریباً ناپید ہے۔ ان کتابوں کی ایک ایک جلد غالباً انجمن ارائیاں پاکستان لاہور واقع ارائیں بلڈنگ موہنی روڈ لاہور کے دفتر میں موجود ہے مگر ان سب میں سلیم التواریخ سے زیادہ کوئی تاریخی مواد نہیں اور نہ کوئی مفید معلومات ہیں۔ لھذا ان پر بحث فضول ہے۔

میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر کے مکتوب گرامی مورخہ ۱۷ جون ۱۹۶۴ء سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ بالا کتابیں ۱۹۵۵ء کے سیلاب میں باقی دستاویزوں کے ساتھ ہی تباہ ہو گئیں۔ اور ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

یو پی کڑا ضلع الہ آباد کے ایک صاحب فدا عبیدی نے بھی اس موضوع پر کچھ لکھا تھا۔ مگر وہ انڈیا میں ہی رہ گیا۔ صرف ایک نسخہ جناب محمد سلیمان صاحب سیکرٹری انجمن اتحاد

ارائیاں کراچی کے پاس تھا۔ جو گم ہو چکا ہے۔

پاکستان میں

(۱) وطن عزیز میں پہلی دفعہ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب لدھیانوی نے ۱۹۴۵ء میں چند مختصر رسالے لکھکر برادری کی تاریخ کو پیش کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ مذکورہ بالا کتابوں خصوصا سلیم التواریخ اور آل ذور عین کا ملخص تھے اور ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

(۲) ۱۹۶۳ء میں راقم نے تاریخ قوم ارائیں کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جسے برادری نے بیحد پسند کیا اور جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں چھپا۔ اس میں دوسرے ایڈیشن کا بہت سا ضروری مواد بھی خدف کر دیا گیا۔ اب موجودہ کتاب اس کا ساتواں ایڈیشن ہے جسے صرف تحقیقی اور تاریخی مواد تک ہی محدود رکھا گیا ہے اس کے بعد انشاء اللہ اس کا دوسرا حصہ بھی شائع کیا جائے گا جس میں انجمنوں اور افراد کے تذکروں کا مجموعہ ہوگا کافی اضافوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔

۱۹۷۰ء میں راقم نے "تاریخ سندھ" کا گم شدہ باب یعنی قوم ارائیں کا تاریخی پس منظر لکھکر سندھ میں ارائیوں کے ورود اور ان کی آج تک کی تاریخی داستان بیان کی ہے۔ یہ کتاب اب ختم ہو چکی ہے تاریخ ارائیاں کا پانچواں ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کی ترتیب نئے اسلوب سے کی گئی ہے جس سے اس کی افادیت بڑھ گئی ہے اسے ہر لحاظ سے جامع (کمپری ہینسو) بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

برادری میں بیداری
انجمنیں اور جلسے

ہم نے کوشش کی ہے کہ انجمنوں کے سب سے پہلے اجلاس ہی اس تاریخ میں شامل کئے جائیں اس سے برادری کی اہم مسائل کا اندازہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ان اجلاسوں کے بعد تو پھر لگاتار اجلاس ہوتے ہی رہے ہیں۔ اب بھی کثرت سے ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے ان سب کا احاطہ کرنا نہ ہمارے لئے ممکن ہے نہ اس کا کچھ فائدہ ہی ہے اور نہ اس تاریخ میں ان کی گنجائش ہے چونکہ مذکورہ اجلاس کا تذکرہ برادری کی بیداری کا نقطہ آغاز ہے۔ اس لئے ان کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ہم تاریخ کے صفحات میں شامل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

برادری کا پہلا اجلاس'

صوفی محمد اکبر علی جالندہری مرحوم اپنی مشہور تصنیف سلیم التواریخ میں لکھتے ہیں کہ :

"قومی تاریخ مرتب کرنے اور قوم میں بیداری پھیلانے کے سلسلہ میں انہوں نے ۱۴ اپریل ۱۸۹۶ء کو جالندہر میں سب سے پہلے قومی اجتماع کا بندوبست کیا۔ چنانچہ منشی محمد بخش ناظر کے مکان پر جلسہ ہوا جس میں خان صاحب مہر نظام الدین اور صوبیدار میجر میاں غلام حسین کے علاوہ جالندہر کے دوسرے معززین بھی شامل تھے۔ بیرون جالندہر سے تشریف لانے والے حضرات میں مولوی محمد ابراہیم نمبردار کرنال اور سردار حاجی نور محمد رئیس گنجہ کلاں لاہور خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اس جلسہ میں قومی تاریخ کے لئے مواد فراہم کرنے کے متعلق ایک جامع لائحہ عمل تیار کیا گیا۔"

یہ برصغیر پاک و ہند میں گویا ارائیں برادری کا سب سے پہلا اجتماع تھا۔

دوسرا اجلاس

۱۸۹۸ء بمقام ریلوے اسٹیشن گنڈا سنگھ والا جو ضلع لاہور اور ضلع فیروز پور کی سرحد پر واقع ہے سردار حاجی نور محمد صاحب آنریری مجسٹریٹ اور رئیس گنجہ کلاں ضلع لاہور کی صدارت میں ارائیں برادری کا سب سے پہلا عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں میاں جمال الدین صاحب رئیس اعظم باغبان پورہ بھی شریک ہوئے۔

اس سے پہلے اجتماع میں زیادہ زور تنظیم اور ____ اصلاح رسوم پر دیا گیا۔

تیسرا اجلاس

۱۹۰۲ء میں پھر سردار حاجی نور محمد صاحب کی زیر صدارت دوبارہ اجتماع عظیم ہوا جس میں برادری کے بہت سے معززین شامل ہوئے اور حسب سابق تنظیم اور اصلاح رسوم پر ہی زیادہ زور دیا گیا۔

انجمن ارائیاں ہند اور اس کی اور پہلی کانفرنس

مذکورہ دونوں اجلاس اپنی جگہ بے حد مفید ثابت ہوئے مگر ابھی تک کسی باقاعدہ انجمن کی داغ بیل نہیں ڈالی گئی تھی۔ البتہ محبان قوم انفرادی طور پر اس کوشش میں تھے کہ انجمن ارائیاں کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ صوفی اکبر علی صاحب اپنی کتاب سلیم التواریخ میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۹۴ء سے ہی انہیں انجمن ارائیاں بنانے کا خیال تھا مگر حالات سازگار نہ ہوتے تھے۔ آخر ملک تاج الدین صاحب بی اے۔ اسسٹنٹ اکونٹنٹ جنرل پنجاب بھی ان کے ہم نوا بن گئے کچھ عرصہ کے بعد خاندان کٹار بند اں کے ایک معزز فرد چوہدری غلام حیدر عمر بھی ان کی کوششوں میں شامل ہو گئے اور میاں سر محمد شفیع کی کوٹھی واقع لاہور میں اس مقصد کے لئے کئی اجلاس ہوئے تاکہ انجمن ارائیاں کی باقاعدہ تشکیل کی جائے۔

انہی دنوں کسی بے وقوف فوجی آفیسر نے محض ارائیوں کو ذلیل کرنے کے لئے انہیں غیر لڑاکا قوم قرار دلوا کر فوج میں ان کی بھرتی رکوا دی اس واقعہ نے جلتی پر تیل ڈالا اور محبان قوم کی مساعی میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ چنانچہ ۲۸ فروری ۱۹۱۵ء کو ملک تاج الدین صاحب کی کوٹھی پر انجمن ارائیاں قائم کرنے کی تجویز منظور ہو گئی۔ اور اس کام کا بیڑا اٹھانے کے لئے میاں احسان الحق صاحب بیرسٹر ایٹ لاء جالندھری خلیفہ غلام حیدر صاحب وکیل

راجپوری ' قاضی علی محمد صاحب انبالوی ' میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر اور میاں پیر بخش صاحب کٹار ہندی میدان عمل میں آگئے اور ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو انجمن ارائیاں ہند لاہور کی داغ بیل ڈال دی گئی اور ارائیں کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس کی صدارت میاں سر محمد شفیع صاحب خان بہادر سی آئی اے نے کی۔ آنریری جنرل سیکرٹری ملک تاج الدین صاحب بی اے مقرر ہوئے میاں عبدالرشید صاحب جائنٹ سیکرٹری میاں جلال الدین فاروق ' فنانشل سیکرٹری چوہدری غلام حیدر اسسٹنٹ سیکرٹری بنائے گئے۔ قاضی فتح محمد صاحب انبالوی سفیر انجمن مقرر ہوئے اور مختلف شہروں میں انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں۔

اس اجلاس میں ارائیوں کے غیر لڑاکا ہونے کے الزام پر بھی غور کیا گیا اور لائحہ عمل مرتب کر کے میاں سر محمد شفیع کو ایک محضر نامے کے ساتھ وائسرائے ہند سے ملاقات کے لئے کہا گیا۔ چنانچہ قوم کی بے چینی اور میاں صاحب کی مساعی کی بدولت آخر کار ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے اس غلطی کا ازالہ کر کے میاں صاحب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا گیا جس میں فوجی آفیسر کی اس حماقت پر اظہار افسوس کرنے کے ساتھ ساتھ ارائیوں کو لڑاکا قوم قرار دے کر ان کو فوج میں بھرتی کا آرڈر دے دیا گیا۔

اسی دوران سردار بہادر میجر محمد اسماعیل ارائیں نے جو حکومت برطانیہ کے شہنشاہ جارج پنجم کے دورہ ہند کے وقت اس کے باڈی گارڈ دستہ کے اہم رکن تھے۔ وائسرائے ہند کو قوم ارائیں کی شاندار روایات اور ان کے درخشندہ ماضی سے آگاہ کر کے فوج میں "ارائیں رجمنٹ" قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ مگر جنگ عظیم کی دشواریوں اور پریشانیوں کی وجہ ان کا مطالبہ پورا نہ ہو سکا کیونکہ اس مطالبے کے وقت جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی اور انگریزی حکومت ملک کی سیاسی فضا سے اس قدر پریشان تھی کہ نئی رجمنٹیں کھولنا تو درکنار' جنگ عظیم کی وجہ سے زیادہ بھرتی شدہ رجمنوں کو بھی توڑنا ضروری ہو گیا تھا۔ تاکہ خزانہ پر زیادہ بار نہ پڑے نیز حکومت کی توجہ آزادی کی تحریکوں کو کچلنے پر مرکوز ہو چکی تھی۔

انجمن کی دوسری کانفرنس

دوسری آل انڈیا ارائیں کانفرنس اپریل ۱۹۱۶ء میں بمقام لاہور منعقد ہوئی جس کے صدر حافظ عبدالحلیم خلف الرشید حاجی عبدالرحیم صاحب ملک التجار ساکن بسی ریاست پٹیالہ تھے۔

انجمن کی
تیسری کانفرنس،

تیسری آل انڈیا ارائیں کانفرنس ۱۶ اپریل ۱۹۱۷ء کو حافظ عبدالحلیم صاحب 'ملک التجار کی کوٹھی "قصر حلیمی" واقعہ بستی ریاست پٹیالہ میں ان کی زیر صدارت ہوئی۔

انجمن کی
چوتھی کانفرنس

برادری کی چوتھی آل انڈیا ارائیں کانفرنس فروری ۱۹۱۸ء میں بمقام امرتسر منعقد ہوئی جس کے صدر حافظ عبدالحلیم صاحب ہی تھے۔

کانفرنسوں کا التوا

۱۹۱۸ء کے بعد کافی عرصہ تک برادری کی کوئی نتیجہ خیز کانفرنس نہ ہو سکی کیونکہ سیاسی اور ملکی حالات نہایت تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے اور زمانہ نئی کروٹ لے رہا تھا آزادی کی تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں اور سیاسی ہنگاموں سے سارا ملک گونج رہا تھا۔

رائی عمارات لاہور :۔ اسی اثناء میں برادری کے امراء نے باہم اشتراک سے رائی عمارات لاہور کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے شاندار عمارات بنا دیا۔ یہ عمارات موہنی روڈ لاہور پر آج تک ارائیوں کا مرکز اور انجمن ارائیاں کا دفتر ہے یہ میاں سر محمد شفیع 'ملک تاج الدین ' سردار حاجی نور برہان ' حافظ عبدالحلیم ' قاضی فتح محمد ' میاں غلام حیدر ' میاں عبدالعزیز جیسے معززین قوم کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

کانفرنسوں کا اجراء

۳۰-۱۹۲۹ء میں لاہور کے چند نوجوان اکٹھے ہوئے جن میں چوہدری برکت

علی صاحب بی اے اور چوہدری محمد امین صاحب پیش پیش تھے جن کی کوششوں سے وقتاً فوقتاً کئی اجلاس ہوئے مگر ایسا کوئی بھی اجلاس نہ ہو سکا جس میں سارے ہندوستان کی برادری کے نمائندے جمع ہوں یہ بات البتہ قابل ذکر ہے کہ انجمن ارائیاں ہند کے صدر زیادہ عرصہ تک میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ہی رہے۔

متحدہ ہندوستان میں
برادری کی آخری کانفرنس

۵۔۶۔۷ مارچ ۱۹۴۷ء کا جلال آباد ضلع بجنور (یو۔پی) میں سردار محمد شفیع صاحب رئیس گنجہ کلاں ضلع لاہور کی زیر صدارت برادری کی آل انڈیا کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں حافظ عصمت اللہ صاحب جنرل سیکرٹری (مجلس استقبالیہ) تھے۔

چونکہ سردار صاحب کا خطبہ صدارت کا وقت کی معاشی اور معاشرتی حالت کا آئینہ دار ہونے کے علاوہ آج بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لہذا اس خطبہ کے چند اہم اقتباسات درج ذیل کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ متحدہ برصغیر کا آخری اجلاس تھا

کس طرح حسب ونسب کا
جاہلانہ غرور پیدا ہوا

برادران قوم! ہندوستان میں ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت و حقوق کی ترتیب قائم کی تھی۔ کاروان اسلام حسب ونسب کا فرق مٹا کر یہاں آیا۔ صدیوں یکجا رہنے سے دونوں نے ایک دوسرے کا اثر قبول کیا۔ جہاں ہندوستان میں ہندوؤں میں ذات پات کے امتیاز کی وہ شدت نہ رہی۔ وہاں مسلمانوں میں بھی امیر و غریب اور حسب ونسب کے نقش ابھر آئے یہاں بہت تھوڑے مسلمان باہر سے آئے عرب سے براہ راست اسلام کا پیغام لانے والا تو یہی ارینجائیوں کا پہلا گروہ تھا۔ جو محمد بن قاسم کی زیر قیادت یہاں آیا ورنہ اس کے بعد تو افغانستان اور ترکستان سے ہی مسلمان آتے رہے۔ گویا ہندوستان میں اسلام کے پیغامات سیکنڈ اور تھرڈ ہینڈ طریقہ سے آئے اس کے علاوہ مسلمانوں

میں بڑی اکثریت توان لوگوں کی ہے جو اس ملک کے باشندے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تعلیم کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ان میں ہندوانہ تہذیب کی بہت سی باتیں قائم رہیں۔ انہی باتوں میں ایک یہ حسب و نسب کا غرور اور ذات پات کا امتیاز ہے۔ اسی لئے پس ماندہ برادریوں کو مسلمانوں نے بھی کم تر سمجھا یہی وجہ ہے کہ ترقی کی دوڑ اور سیاسی معرکہ آرائیوں میں پیچھے رہ جانیوالوں کو اپنے حسب و نسب کی تلاش ہوئی اور فوقیت کے جواز ڈھونڈے جانے لگے۔ جوں جوں مسلمان مذہب سے دور ہوتے جائیں گے جاہلیت کی باتیں اور عادتیں ابھرتی جائیں گی اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ہم اپنی برادری میں اسلامی تعلیم کا انتظام 'اسلامی شعور اور محمد کی اخلاق پیدا کریں ہم اسلام کے پیغام کو پورے طور پر قبول کر لیں۔

☆برادری کی تنظیم کا مقصد'

حضرات! سن لیں کہ حسب و نسب کے متعلق اسلام کے اس پیغام اور واضح حکم کے بعد برادری کی الگ تنظیم ایسے انداز سے نہیں کی جاسکتی کہ وسیع برادری میں عصبیت کا جذبہ پیدا ہو جائے اور اس کا نتیجہ دوسری برادریوں سے رقابت اور کش مکش کی صورت میں نکلے۔ یہ ایک نئی مصیبت ہوگی۔ ہمارا مقصد اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کو مضبوط بنانا ہے جس طرح ایک شریف خاندان 'ایک اچھا کنبہ اپنے اقتصادی معاملات کی بہتری کے لئے متحد ہوتا ہے اپنی اخلاقی حالت درست کرنے کے لئے غور و فکر کرتا ہے۔ غیر اسلامی رسومات اور فضول خرچی سے باز رکھنے اور اعتدال کی راہ پر سب کو چلانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ کنبہ کے سب افراد ملت کے بہترین۔

خدمتگار بن سکیں۔ اسی طرح اپنی برادری کو اعتدال کی راہ پر چلانے 'فضول خرچی سے باز رکھنے ' مالی و اخلاقی حالت اور زیادہ سے زیادہ اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہونا چاہیئے تاکہ ہماری برادری 'اسلام اور دنیا کی عظیم الشان برادری کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بن سکے ساری دنیا کی اسلامی برادری ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ جس طرح کوئی شاخ درخت کے ساتھ رہ کر ہی زندگی قائم رکھ سکتی ہے ' ٹھیک اسی طرح ہم اسلام اور اسلامی برادری کے ساتھ پورے طور پر وابستہ رہ کر پھل پھول سکتے ہیں۔

☆ایسی خوشحالی جو اسلام کے کام آئے

حضرات!

ہم اپنی برادری کی اقتصادی حالت درست کرنے رسومات کی اصلاح اور اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے کام کریں تو برادری کی یہ خوشحالی اسلام وملت کے لئے مفید ہو گی۔ اس لئے ہمیں برادری کے لئے کام کا کوئی واضح پروگرام بنا کر عمل کرنا چاہئے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ برادری کی موجودہ پوزیشن کیا ہے اور کون سا پروگرام ہمارے لئے مفید ہو سکتا ہے ہمیں تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کرنا ہو گی۔ تاکہ کوئی پروگرام بنایا جا سکے۔

☆غلامی تباہی وبربادی کا موجب بنی

برادران قوم!

غیر ملکی حکومت ملک کی ترقی اور خوشحالی سے بے نیاز ہو کر صدیوں لوٹ کھسوٹ میں مشغول رہی ۔ ادھر متمدن دنیا میں کئی صنعتی اور زرعی انقلاب آئے سب سے بڑا انقلاب سائنس لائی جس نے پرانے اوزار بیکار کر دیئے۔ ہر کام سائنٹیفک طریقہ سے ہونے لگا۔ انسانی ہاتھوں کی بجائے مشینری' بیلوں کی جگہ ٹریکٹر اور نت نئے اوزاروں سے کام لیا جانے لگا جس سے سستے داموں ہر چیز بڑی مقدار میں ملنے لگی اب مغربی لٹیروں کو اپنے مال کی کھپت کے لئے ایسے ملکوں کی تلاش ہوئی جو اس کا مال خرید سکیں۔ چالاک انگریز ہندوستان میں قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی کامیابی کے اول روز سے ہی ہندوستان کی دستکاری کو جس طرح تباہ کر برباد کر کے انگلستان نے اپنے مال کی کھپت کی راہیں نکالیں وہ تاریخ کی ایک دردناک لمبی داستان ہے۔ اس سے لاکھوں بے نظیر دستکار بیکار ہو گئے اور ہندوستان کی وہ دستکاری جس کی دھوم دنیا میں مچی ہوئی تھی ختم ہو گئی تھی۔"

☆مالی حالت درست کرنے کی اسکیم

حضرات!

خالی یہ کہہ دینا کہ برادری صنعت وحرفت تجارت اور زراعت میں دلچسپی لے' بے معنی سی بات ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم لائحہ عمل بنا کر برادری کے سامنے رکھیں اور اس پر

چلانے کی کوشش کریں برادری کے وہ ہزاروں خاندانوں جو بے کسی اور بے بسی میں الجھ کر پریشان حالی' سخت مالی کمزوری اور بے روزگاری میں مبتلا ہیں۔ ان کے لئے اپنی اجتماعی قوت سے راستہ نکالیں۔ ہمیں آج فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہم کو برادری کے لئے واقعی کچھ کرنا ہے۔ سالانہ کانفرنسوں میں خالی تقریر سالہاسال برادری کے کچھ تعلقات قائم ہو گئے ہیں اب ہمیں ہوتی رہی ہیں۔ ذہنی سربلندی کے علاوہ منتشر آگے بڑھنا اور عملی طور پر کچھ کرنا ہے خدا کا شکر ہے کہ ہماری برادری مجموعی طور پر محنتی' شریف اور سمجھدار ہے۔ دنیا کے اس نئے سرے سے چمن بندی کے انقلابی دور میں برادری نے اپنی اصلاح اور اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے کسی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ دی تو چند سالوں میں ہی یہ اپنے مقصد میں انشاءاللہ کامیاب ہو جائے گی۔"

ایک سال کا پروگرام'

"حضرات!

ترقی ارتقائی طور پر ہوا کرتی ہے کسی نئے کام کی ابتداء بہت چھوٹی ہوتی ہے مسلسل کوشش سے وہ پھیلتا ہے لگاتار جدوجہد سے وہ بڑھتا ہے۔ لہذا میں ایک سالہ پروگرام کی ایک اسکیم قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں ہمیں ایک سال کے اندر مل جل کر صنعت و حرفت کے کئی ادارے اور کمپنیاں تھوڑے سرمایہ سے اور بڑی صنعتوں کے لئے بڑے سرمایہ سے کھولنی چاہئیں اور کوشش کرنی چاہئے کہ برادری کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو اس میں شریک کیا جائے چھوٹی صنعتیں ہزاروں ہیں جو تھوڑے سرمایہ سے شروع ہو کر بڑی کامیابی سے چل سکتی ہیں۔ چھوٹی اور بڑی کمپنیوں کی تشکیل کے لئے برادری کے کامیاب سوداگروں کی رہنمائی درکار ہے۔ برادری سے باہر کے کامیاب سوداگروں سے امداد لینے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ماہرین فن کی خدمات بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کانفرنس کے دوران ہی برادری کے ایسے آدمیوں کا انتخاب کر لینا چاہئے یا ایک بورڈ بنا دینا چاہئے جو اس کو بہتر طریقہ سے انجام دے سکیں کمپنیوں کی تشکیل اس وسیع برادری کے لئے بنائی جانی ضروری ہے۔ اس لئے ہمیں برادری کے ان تمام آدمیوں کو شریک کرنا چاہئے جو صنعت و حرفت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہمیں ان حضرات کی خدمت میں جو یہاں تشریف فرما ہیں وفد بھیج کر رہنمائی کی استدعا کرنی چاہئے۔ کانفرنس کا اجتماع بڑا غنیمت ہے۔ روز روز ایسے اجتماع نہیں ہوتے اس لئے اس کانفرنس کے دوران میں ہی ایک یا دو کمیٹیاں بنا کر اس کام کو شروع کر دینا

چاہئے۔ کم از کم پانچ کمپنیاں چھوٹی صنعتوں کی ایک کمپنی بڑی صنعت کی ایک سال کے اندر اندر ضرور بن جانی چاہئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک محنتی قوم میں سرمایہ کی کمی نہیں۔ کام کی ابتداء مشکل ہے۔ اس کی تکمیل مشکل نہیں ہے برادری کے ہزاروں آدمی خوشی شامل ہونے کو تیار ہیں۔"

☆زراعتی فارم'

حضرات!

ہمیں ہر صوبہ میں بہت جلدی زراعتی فارم کھول کر سائنٹفک طریقہ اور مشینری کے ذریعہ اس کام کو کرنے کے لئے چند کمپنیوں کی فوراً تشکیل کرنی چاہئے ہر صوبہ میں کئی کئی فارم کھل سکتے ہیں بعض صوبوں میں اس کی بڑی گنجائش ہے۔ ہندوستان میں اس کام کی ابتداء ہو رہی ہے اور یہی وہ وقت ہے جب ہماری برادری اپنی اقتصادیات کی حالت ٹھیک کرنے کے علاوہ ملک اور قوم کے لئے بہت مفید بن سکتی ہے۔ زراعتی فارم کھولنے کے لئے ایسی زراعتی کمپنیاں یو۔ پی بنگال اور سندھ میں فوراً کام شروع کر سکتی ہیں۔ ان تینوں صوبوں میں اس کی بڑی گنجائش ہے صوبہ یو۔ پی میں بڑے بڑے وسیع علاقے اور بڑی زرخیز زمینیں آپ کی اجتماعی قوت کی راہ تک رہی ہیں۔ صوبہ کی حکومت ضلع نینی تال کو ماڈل بنانا چاہتی ہے۔ فارم کھولنے والوں کو زمینیں اور سہولتیں دینے کو تیار ہے۔ اس کے علاوہ ہر ضلع میں فارموں کے لئے زمین مہیا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح صوبہ سندھ 'بنگال میں بھی پرائیویٹ طور پر بھی اور سرکاری طور پر بھی فارموں کے لئے زمین مل سکتی ہے لہذا ہمیں اس اجتماع کے دنوں میں ہی زراعتی فارم کھولنے کے لئے کمپنیاں بنانے 'ان کا آرٹیکل آف ایسوسی ایشن تیار کرنے 'ان کو رجسٹری کرانے کے لئے ایک دو کمیٹیوں کی تشکیل کرنی چاہئے جس کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ اس اسکیم کے بارے میں سارے پہلوؤں پر غور کر کے مختلف علاقوں میں فارم کھولنے کے لئے ایک سال کے اندر اندر پانچ کمپنیوں کی تشکیل کر کے کم از کم پانچ فارم برادری کے لوگوں کے لئے کھولے جائیں۔ جس میں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو شامل کیا جائے۔

☆منافع میں برادری کا حصہ

ہر "صنعت و حرفت' تجارت اور زراعتی کمپنیوں کے لئے آرٹیکل آف ایسوسی ایشن میں یہ شرط لازمی طور پر ہو کہ کمپنی کے منافع کا **1/10** حصہ ہر سال برادری کے لئے

وقف ہوگا۔ یہ رقم برادری کی انجمن کی تحویل میں برادری کے نادار اور لائق طلبہ کو صنعت و حرفت 'زراعت اور مذہبی تعلیم دلوانے 'اشاعت اسلام اور اسلامی تعلیم کے مدرسے جاری کرنے پر خرچ ہو گی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ ہر کمپنی رجسٹرڈ ہو۔ پرائیویٹ کمپنیوں میں ہزاروں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس میں بہت سے خطرات بھی ہیں اس لئے مل جل کر کام کرنے والوں کو بڑے غور و فکر اور ماہرین کے مشوروں سے کمپنیوں کی تشکیل کرنی چاہئے سوچ سمجھ کر ڈائریکٹر مینیجنگ ڈائریکٹرس' محنتی ایماندار سمجھدار اسٹاف اور کارکن رکھنے چاہئیں۔ اگر سلیقہ سے کام لیا گیا تو قوم کی بہت سی مشکلات کا حل ہو جائے گا اگر خدانخواستہ اس میں رقابت 'پارٹی بازی کا عشر عشیر بھی شامل ہو گیا اور ناموزوں آدمیوں کے ہاتھوں میں کام دیدیا گیا۔ تو نہ صرف یہ کام ناکام ہو جائے گا بلکہ برادری کے رہنماؤں کی ساکھ مٹ جائے گی اور قوم ایسا بد کے گی کہ پھر بنائے نہ بنے گی اور ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔

برادری کے کمزور افراد کے لئے زمین مہیا کرنا

حضرات!

برادری کے ان لوگوں کے لئے زمین مہیا کرنا جن کی زمینیں خاندان میں بٹتے بٹتے تھوڑی رہ گئی ہیں۔ اس وسیع و عریض ملک میں اس کے ابھی بڑے مواقع ہیں۔ اجتماعی قوت سے ہم عوام کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں صوبہ سندھ جہاں سکھر بیراج کی وجہ سے صوبہ کا **1/3** حصہ ابھی آباد ہونے کو ہے محنتی آباد کاروں کی اسی صوبے کو بیحد ضرورت ہے اپنی برادری کے غریب عوام کے لئے وہاں بہت سی گنجائش نکال سکتے ہیں۔ ہم نے غریب عوام کو نئے علاقوں میں بسانا ہے۔ اس کے لئے محنت 'انتظام' سلیقہ اور تجربہ کی ضرورت ہے۔ اس کام میں مرکزی کمیٹی اور صوبائی سب کمیٹی کو خاص طور پر محنت کرنا ہو گی۔

پھلوں 'کی تجارت،

حضرات ________!

جس طرح ہم اپنی زراعت کو سائنٹفک طریقہ پر انجام نہ دے سکے اسی طرح پھلوں کی تجارت بھی کر رہے ہیں جس طرح یہاں صدیوں سے رائج ہے' حالانکہ سائنس نے اس فن میں ہزاروں نئی معلومات اور نئے نئے طریقے نکالے آج پھلوں کو ڈبوں میں بند

کرنا اور بڑے لمبے عرصہ کے لئے اس کو محفوظ بنا کر دور دراز ان علاقوں کو بھیجنا جہاں یہ پھل نایاب ہیں۔ ضروری ہو گیا ہے

امریکہ اور آسٹریلیا والے لاکھوں ڈبے ہندوستان اور یورپ میں بھیج کر کروڑوں روپے کما رہے ہیں دنیا میں سب سے زیادہ پھل ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں کونسا پھل ہے جو ہندوستان میں نہیں پھلوں کو ہم منڈیوں میں سستے داموں بیچ دیتے ہیں اور یہ کام اجتماعی قوت سے ابھی تک ہم نے شروع نہیں کیا۔ اب وقت آ لیا ہے کہ پھلوں کو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں بھیجنے اور زیادہ داموں فروخت کرنے' پھلوں کو سائینٹفک طریقہ سے ڈبوں میں بند کرنا' ان ملکوں میں بھیجنا جہاں یہ پھل نایاب ہونے کی وجہ سے بڑی قیمت سے بک سکتے ہیں اور پھلوں کے رس خصوصاً سنگترہ اور مالٹا کے رس کو بوتلوں میں بند کرنا نیز دیر تک پھلوں کو محفوظ کرنے کے لئے ہمیں جلد کمپنیوں کا اجراء کرنا چاہئے۔"

امرا اور اصلاح رسوم

"حضرات! خلافت راشدہ کے بعد ریاست کے اسلامی تصور کا چہرہ ملوکیت کے بدنما دھبوں سے بگڑ گیا۔ مشکوۃ نبوت سے حضور سرور کائنات کے بعد جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا طبائع میں غیر اسلامی اثرات سرائت کرتے گئے خود غرض امراء اور سلاطین نے حاکمیت الٰہیہ کی جگہ انسانی حاکمیت کی اشاعت اور نفاذ کو شعار بنا لیا۔ اگرچہ ضابطہ حیات کا ظاہری ڈھانچہ تو بدستور اسی حیثیت میں قائم رہا لیکن زندگی کی عملی اقدار میں ناخوشگوار تغیر رونما ہو گیا مسلمان کے عمل کی ساری وسعتیں مذہبی رسوم تک سمٹ کر رہ گئیں۔ اس وقت سے لیکر اب تک ہماری زندگی ایک ساز بے سوز ایک نغمہ بے کیف اور جسم بے جان بن چکی ہے۔ وقت کی گردشوں کو اگرچہ ہمارے دامن حیات کے اسلامی رنگ کو مٹانے میں بالکل کامیابی تو نہیں ہوئی۔ تاہم اس رنگ کی حسین جھلکیاں چھٹ گئیں۔ اب تیس سال سے ہماری برادری کی انجمن اصلاح رسوم پر زور دے رہی ہے۔ ہر سال کانفرنس میں اصلاح رسوم کے ریزرولیوشن پاس ہوتے رہے ہفتہ وار اخبار بھی ہر اشاعت میں اصلاح پر زور دیتا رہا لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا قوم بدستور اسی جاہلیت کی ڈگر پر چل رہی ہے۔ جو شہنشاہی اور لادینی کے دور میں برادری پر مسلط ہو گیا تھا۔

بار بار کہنے اور کانفرنسوں میں تلقین کرنے کے باوجود کیوں اصلاح نہ ہوئی؟ اس

کی اصل وجہ یہ ہے کہ برادری امراء کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ امراء اپنی اصلاح کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے بیاہ شادی پر بے جا خرچ کر کے غریب برادری کے لئے تباہ کن نظیر قائم کی۔ لاہور شہر جہاں انجمن کا مرکز تھا اور جہاں ہر سال اصلاح رسوم پر زور دیا جاتا رہا ۔وہ آج بھی سب سے زیادہ اصلاح کا محتاج ہے اصلاح رسوم پر لیکچر کرنے والے امراء نے اپنی چال نہ بدلی اپنی اصلاح نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تیس سال میں لاہور شہر کی برادری انہی رسومات اور فضول خرچیوں کی بدولت اپنی زمین کے **3/4** حصہ کو گنوا بیٹھی۔ اب برادری کا متوسط اور غریب طبقہ اس معاملے میں برادری کی تنظیم اور اصلاح کی پہل کرے۔ اس طبقہ کی اجتماعی قوت اور طاقت ہی ان امراء کو مرعوب کر سکتی ہے اس ضمن میں میں ایک کامیاب تجربہ کا ذکر دوبارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ لاہور شہر کی دیواروں سے دور ضلع لاہور میں ۱۸۹۸ء میں ضلع لاہور اور ضلع فیروز پور کی برادری کا اجتماع ہوا جس کا میں نے اس خطبہ میں ذکر کیا ہے۔ اس اجتماع میں برادری کے عوام کے سامنے بیاہ شادی اور غمی پر اسلامی شریعت کے مطابق ایک سادہ طریقہ بنا کر پیش کیا جسے سب نے قبول کیا سب سے پہلے معززین نے اس پر عمل کیا ہم نے دیکھا کہ اس نصف صدی میں ان علاقوں کی برادری کے ساتھ عوام نے اس کو توڑنے کی آج تک ہمت نہیں کی۔ سوائے معدودے چند آدمیوں کے جو لاہور شہر کی برادری کے ساتھ رشتہ کرنے سے سادگی چھوڑنے اور فضول رسومات ادا کرنے پر مجبور ہوئے جس کی بدولت وہ اپنی زمین اور جائیداد کا کچھ حصہ گنوا بیٹھے۔ ان کے سوا اس ضلع کی برادری نے ۱۸۹۸ء سے آج تک دوگنا زمین اور پیدا کر کے اپنی خوشحالی میں اضافہ کیا ہے یہ تو خوش قسمتی تھی کہ اس علاقہ کے امراء سب سے پہلے اصلاح کے لئے متوجہ ہوئے اور کام بہت آسان ہو گیا لیکن جہاں امراء فضول خرچیوں اور بے جا رسومات کو نہ چھوڑیں وہاں عوام کو ہی کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ جو جاہلانہ رسومات کے نبھا میں تباہ ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔"

مذہب کا اسلامی تصور

محمد رسول ﷺ جس غرض کے لئے مبعوث ہوئے وہ یہ تھا کہ مذہب کے اس جاہلانہ تصور کو مٹا کر ایک عقلی اور فطری تصور پیش کر کے اس کی اساس پر تہذیب و تمدن کا ایک مکمل نظام قائم کر کے کامیابی سے چلا کر دکھا دیں۔ دین وہ ہے جو زندگی ہو ہر چیز کے صحیح و غلط ہونے میں امتیاز پیدا کرنے والی کسوٹی ہو ' زندگی کے ہر قدم پر راہ راست اور راہ کج کے

درمیان فرق کر کے دکھائے 'زندگی کے اس لامتناہی سفر میں جو دنیا سے لے کر آخرت تک مسلسل چلا جا رہا ہے انسان کو ہر مرحلہ سے کامیابی وسعادت کے ساتھ گزار دے۔

اسلام کی نگاہ میں دنیا اور آخرت دونوں ایک ہی مسلسل زندگی کے دو مرحلے ہیں پہلا مرحلہ سعی و عمل کا' دوسرا مرحلہ نتائج کا۔ اسلام نے مسلمانوں کو ایک مکمل ضابطہ حیات دیا جو مسجد سے لیکر بازار تک طریق عبادت سے لے کر ریڈیو اور ہوائی جہاز کے طریق استعمال تک غسل وطہارت سے لیکر بیاہ شادی اور جزوی مسائل تک مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لیکر آثار فطرت کے انتہائی مشاہدات اور قوانین طبعی کی بلند ترین تحقیقات تک تمام مسائی اور فکر و عمل کے تمام شعبوں کی راہ بتاتا اور مکمل نظام پیش کرتا ہے اور یہ بیاہ شادی پر فضول خرچی تو ایک ضمنی سی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ۔ ہم اسلام ہی سے دور ہو گئے ہیں ہم نے عملی طور پر اس راہ پر عمل کرنا ہی چھوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ ہماری عالمگیر تباہی و بربادی ہے۔ جب تک ہم اس راہ پر نہ "آئیں گے اس وقت تک کسی اصلاح کی امید نہیں کی جاسکتی۔

علمائے کرام اور اھل الرائے حضرات توجہ فرمائیں'

"لہذا ہمیں اپنی برادری کو اسلام کے نزدیک لانے کے لئے ہر خطہ' ہر محلّہ' ہر قصبہ اور قریہ میں قرآن مجید کے درس اور شریعت اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کرنا چاہئے۔ یہ معاملہ سب سے اہم اور سب سے ضروری ہے۔ وسائل اور اسباب کے متعلق غور و فکر اور صالح 'باعمل آدمیوں کی خدمت کس طرح حاصل کی جائیں۔ اور اس عظیم الشان پروگرام کی ابتدا کس طریق سے ہو۔ یہ سب باتیں علمائے کرام اور اھل الرائے حضرات کی خاص توجہ کی محتاج ہیں۔ برادری کو اس راہ پر چلانے کے لئے ضروری ہے کہ اہل الرائے حضرات اور علمائے کرام کی ایک کمیٹی ترتیب دی جائے جو لائحہ عمل اور پروگرام تجویز فرمائے۔ فردا فردا ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو سچا مسلمان بنائے اور اپنی ہر بات اور اپنا ہر کام شریعت کے مطابق کریں ____"

نماز ذریعہ نجات ہے

حزب ارائیاں راولپنڈی

۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کو راولپنڈی میں حزب ارائیاں کے چھٹے سالانہ اجلاس کی صدارت جناب سردار احمد علی صاحب رئیس گنجہ کلاں نے کی اور بڑا پر مغز خطبہ دیا۔ جس کی افادیت کے پیش نظر ہم اس کے چند اقتباسات یہاں درج کرتے ہیں۔ امید ہے برادری مستفید ہو گی'

برادری کی پہلی کانفرنس'

"حضرات! ساٹھ ستر سال سے بزرگ برادری کی اصلاح اور اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے تگ و دو فرما رہے ہیں جس کے بہت اچھے نتائج نکلے۔ بیاہ شادی پر غیر شرعی رسومات کا انسداد اور تباہ کن فضول خرچی کا سیلاب روک دیا گیا۔ جس سے برادری کے جالندہر ' صوفی اکبر علی صاحب (مرحوم) ڈاکٹر مہر محمد فاضل صاحب ' مولوی پیر محمد صاحب (مرحوم) نگل انبیاء ضلع جالندہر ' چوہدری احمد بخش صاحب مرحوم وکیل موگا ضلع فیروز پور ' خان بہادر کپتان محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کرنال ' سردار فضل محمد صاحب مدکھوکھر ' چوہدری شیر محمد صاحب زیلدار مونگووال ضلع شیخوپورہ ' ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی میاں فتح اللہ مرحوم میاں عبداللہ مرحوم ' میاں نوراللہ صاحب مرحوم ' میاں عبداللہ مرحوم ' میاں نوراللہ صاحب سابق منسٹر لائل پور ' سردار محمد حسین صاحب سابق ایم۔ ایل۔اے ضلع لاہور ' مہر آبادان صاحب (مرحوم) لاہور ' ڈاکٹر فرید محمد بخش صاحب لائل پور ' مہر محمد صادق صاحب منسٹر لائل پور ' ملک مظفر علی صاحب۔ لائل پور میاں محمد رمضان یسین صاحب شیخوپورہ میاں محمد عبداللہ صاحب ممتاز احمد ملتان بیگم شاہ نواز صاحبہ باغبانپورہ لاہور میاں عبدالرشید صاحب سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ پاکستان میاں دین محمد صاحب مرحوم ' ذیلدار میاں قمر الدین صاحب اچھرہ لاہور ' مہر خدا بخش صاحب سابق ڈپٹی میئر لاہور منشی بدرالدین صاحب چوہدری رحمت خان صاحب لالہ موسیٰ ' چوہدری رحمت اللہ صاحب سابق ایم ایل اے ' بہاولپور ملک التجار ملک نور احمد صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور ' چوہدری رحمت اللہ صاحب سابق ایم ایل اے ' بہاولپور ملک التجار ملک نور احمد صاحب سابق ڈپٹی سنٹر مرکزیہ میاں محمد شریف صاحب اچھرہ ممبر کارپوریشن لاہور ' پروفیسر علم الدین سالک صاحب لاہور ' میاں محمد حنیف اسحاق صاحب بینکر امرتسری لاوہر خان صاحب

میاں نور دین مرحوم لائل پور چوہدری محمد حسین صاحب وائس چیئرمین کارپوریشن لاہور چوہدری فرزند علی صاحب ایڈووکیٹ وسابق سپیکر بہاول پور۔ سر شاہنواز بھٹو مرحوم سابق وزیراعظم جوناگڑھ ' میاں نوراحمد صاحب اچھرہ لاہور'

حضرات! میں اس اجلاس میں آپ کو آپ کے آباؤاجداد کا (مستند تاریخی حوالہ) سے تعارف کرانا چاہتا ہوں تاکہ بے خبری اور تاریکی تار تار ہو اور آپ حضرات فراموش شدہ حقیقت کو تاریخ کی تیز روشنی میں دیکھ سکیں۔

ارائیں بہ حیثیت کاشتکار'

فن زراعت میں ہماری برادری متحدہ ہندوستان میں عموماً اور شمالی ہند میں خصوصاً بڑی محنتی اور ماہر زراعت سمجھی گئی ہے کہ پنجاب کے ہر بڑے شہر کے گرد اگر میلوں تک زمین کی سرسبزی ہماری برادری کی مدتوں تک رہین منت رہی مغل شہنشاہوں نے بھی ملک کی زراعت کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ ارائیوں سے کام لیا شہنشاہ شاہجہان نے جب نئی دہلی کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے پنجاب سے ارائیوں کو بلا کر دہلی کے ان اطراف میں جہاں زراعت ہوسکتی تھی۔ انہی کو آباد کیا دہلی شہر کے گردونواح کی سبزی انہی کی بدولت حیرت انگیز مناظر دکھاتی رہی۔ عظیم الشان شہر دہلی مرکزی فوج اور قلعہ میں شہنشاہ کے بے شمار آدمیوں کے لئے موسم بے موسم پھل اور عمدہ اناج ان ہی کی محبت کی بدولت میسر آتا رہا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جس کو غیر ملکی غدر کہتے ہیں۔ دہلی کی برادری کے بہت سے دیہات ضبط ہوئے اور ان پر انگریز کا خصوصیت سے عتاب نازل ہوا لیکن اس جنگ کے بعد دہلی میں انہوں نے پھر اپنے قدم جما لئے وہاں کی باہمت برادری اپنی زراعت کو پھر اس معیار پر لے آئی تقریباً ۹۰ سال بعد یعنی ۱۹۴۷ء کو سب سے پہلے دہلی کی سبزی منڈی اور ہماری برادری کے محلوں پر حملے ہوئے دہلی کی بہادر ارائیں برادری نے حملہ آوروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ پھر فوج مدمقابل ہوئی اور ان پر بے تحاشا گولیوں کی بارش کی گئی تب کہیں جاکر یہ وہاں سے بے سروسامانی کی حالت میں پاکستان آنے پر مجبور ہوئے۔

مغل دور میں تمام بادشاہی باغات جو آج تک باغبانپورہ برادری کے ایک سرکردہ گھرانے کی نسلاً بعد نسل تحویل میں چلا آرہا ہے اسی طرح لاہور شہر کے اردگرد خصوصیت سے دریائے راوی کے کنارے میل ہا میل تک برادری کی آبادیاں آج بھی اس بات کا پتہ دے رہی ہیں کہ یہاں سبزی مدت مدید سے انہی کی رہین منت چلی آرہی ہے۔

انگریزی دور میں بھی ارائیں بہترین کاشتکار اور زراعت کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔اسی لئے ہر نئی آبادی مثلاً لائل پور منٹگمری وغیرہ کی داغ بیل ڈالنے کے ساتھ عام طور پر ارائیوں کو آباد کرنا ضروری سمجھا گیا جنہوں نے بنجر علاقوں کو گل و گلزار بنا دیا۔پاکستان بننے پر زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ میں کوئی تمیز نہ رہی جن کا زراعت پیشہ میں کوئی تمیز نہ رہی جنہوں نے زراعت پیشہ سے بحیثیت پیشہ براہ راست کوئی تعلق نہ تھا انہی شہروں کے گرد غیر مسلموں کو زمینوں پر آباد کیا گیا نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے شہروں میں سبزی نایاب اور گرانقدر ہو گئی۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سبزی' ترکاری اور اعلیٰ درجہ کی کاشتکاری ایک ایسا فن ہے جو برسوں کی مہارت اور سالہا سال کے عملی تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ہر کاشتکار اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ نیز ہوشمندی کے ساتھ اس میں سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔

تھل کے وسیع علاقہ میں بھی ارائیوں کو اسی طرح نظر انداز کر دیا گیا۔ اور شائد آج بھی نئی آبادیوں میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اسی لئے نئی آبادیوں میں وہ خوشحالی جو ہونی چاہئے نہیں ہو رہی کیونکہ غلط مہرے فٹ کرنے سے مشین صحیح طور پر کام نہیں کر سکتی ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے محترم حکمرانوں کو توجہ دلائیں کہ ایسے حالات میں جبکہ ہم خوراک باہر سے منگا کر ملک کی ضروریات بمشکل پوری کر رہے ہیں۔ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور چن چن کر ایسے لوگوں کو زراعت کے میدان میں موزوں جگہ پر لانا چاہئے جو نسلاً بعد نسل اس فن میں مہارت اور تجربہ رکھتے ہیں۔

لہذا ہر نئی آبادی کے نئے قصبوں اور اردگرد کے انہی شہروں کو خصوصیت سے آباد کیا جائے تاکہ سبزی ترکاری کی موجودہ سخت کمی اور بڑھتی ہوئی ضرورت کو یہ پورا کر سکیں۔

پیداوار بڑھانے کی اپیل'

"حضرات! حالات کا تقاضا ہے کہ برادری پیداوار بڑھانے کی طرف خاص توجہ دے بڑھتی ہوئی ضروریات اور کمی خوراک ایک ایسا مسئلہ ہے کہ پاکستان کے دیہات میں پھیلی ہوئی ہماری وسیع برادری کی پرجوش اجتماعی قوت اور سخت محنت اس مسئلہ کو بخوبی حل کر سکتی ہے۔

یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان بھر میں ارائیں برادری کاشت کاری اور فن زراعت سے کماحقہ واقف ہونے کے علاوہ بڑی محنتی ہے یہ بھی صحیح ہے کہ مجموعی طور پر کاشتکاری میں ابھی تک کوئی دوسری برادری ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکی۔

اس لحاظ سے ملک میں پیداوار بڑھانے کی سب سے بڑی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، آپ پورے جوش اور ولولے سے اٹھیں کمر ہمت باندھکر اس مسئلہ کو اپنی ہمت سے حل کریں، برادری کے ہر فرد تک میرا پیغام پہنچادیں کہ موجودہ کمی خوراک کا مسئلہ آپ

ہزاروں گھرانے تباہی سے بچ گئے تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ برادری کی عالمگیر جہالت کا سدباب ہوا مقدمہ بازی کی رفتار مدہم ہوئی کاشتکاری نے جو احساس کمتری پیدا کر دیا تھا وہ ختم ہوا۔ اور ترقی کے ولولے دلوں میں اٹھنے لگے۔ یہ سب باتیں بزرگوں کی سالہا سال کی کوششوں اور انتھک محنت کی بدولت ظہور میں آئیں جس کی تفصیل طولانی ہے۔ میں بہت ہی اختصار سے بزرگوں کی محنتوں اور ان کے نتائج کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ برادری حالات کے مطابق ان کامیاب راہوں پر چل سکے اور اپنے دلوں میں خدمت کا جذبہ پیدا کر سکے۔

برادری کا پہلا اجتماع میرے دادا حاجی سردار نور محمد صاحب رئیس گنجہ کلاں کی صدارت میں ریلوے سٹیشن گنڈا سنگھ والا میں ۱۸۹۸ء میں منعقد ہوا۔ اس میں میاں جمال الدین رئیس اعظم باغبانپورہ بھی شریک ہوئے۔ دوسرا اجتماع ۱۹۰۲ء کو گنجہ کلاں میں انہی کی صدارت میں ہوا۔ پہلے عظیم الشان اجتماع میں انہوں نے خطبہ صدارت میں سب سے زیادہ زور تنظیم اور اصلاح رسوم پر دیا۔ اسی اجتماع میں برادری میں شادی اور موت پر رائج شدہ غیر شرعی رسومات اور فضول خرچیوں کو بند کرنے کا تحریری عہد لیا گیا ان کا چھپا ہوا خطبہ صدارت اور فضول خرچیوں سے باز رہنے کا عہد نامہ سالہا سال تک ان دونوں اضلاع کے علاوہ متصلہ ضلع جالندھر اور منٹگمری کی برادری میں بھی تقسیم ہوتا رہا۔ پھر برادری نے اس عہد کو نبھایا۔

بیاہ شادی کی تقریبوں پر بڑی سختی سے اس پر عمل ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان اضلاع کی برادری قرض اور من مانے سود در سود دینے کے خطرناک نتائج سے بچ گئی جس کی وجہ سے ہندو ساہوکاروں کا بہت نفع بخش کاروباری چکر چل رہا تھا جس کی بدولت نہ صرف ان کی اپنی زمینیں محفوظ رہیں بلکہ کفائت شعاری سے دگنی زمین انہوں نے اور حاصل کرلی۔

۱۹۱۵ء میں آنریبل میاں سر محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت ارائیں کانفرنس لاہور میں ہوئی جس میں میاں شاہ دین صاحب چیف جسٹس عدالت عالیہ پنجاب، ملک تاج الدین صاحب اکونٹنٹ جنرل پنجاب میرے دادا صاحب کے چھوٹے بھائی خان بہادر، حاجی نور برہان صاحب رئیس گنجہ کلاں ملک التجار حافظ عبدالحلیم صاحب سرہندی میاں نظام الدین صاحب ریٹائرڈ سیشن جج لاہور (باغبانپورہ) ملک دین محمد صاحب رئیس سانداہ کلاں لاہور،

میاں غلام حیدر ر کٹار ہند لاہور ' وغیرہ اہم شخصیتوں نے بڑا سرگرم حصہ لیا۔ اس اجتماع کی بدولت برادری میں عالمگیر جدوجہد پیدا ہوئی اور دور دور سے برادری کی دعوت پر سالانہ کانفرنسیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ سرہند بسی 'ریاست پٹیالہ میں میرے بزرگ خان بہادر ' حاجی نور برہان کی زیر صدارت برادری کا عظیم الشان اجتماع ہوا۔ یہ تحریک دیہات تک پھیلی ایسا ہی برادری کا ایک اجتماع آنریبل میاں سر محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت میرے گاؤں گنجہ کلاں (عثمانوالہ) میں بھی ہوا۔ ضلع منٹگمری میں میاں چراغ دین صاحب اور میاں نور محمد صاحب رئیسان برج جیوے خان کی کوششوں سے برادری کا بہت بڑا اجتماع منٹگمری میں ہوا۔

اس آواز سے متاثر ہو کر برادری کی یہ اصلاحی تحریک ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلی کلکتہ میں میاں محمد بشیر صاحب بیرسٹرایٹ لاء کی زیر صدارت کانفرنس ہوئی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں آخری آل انڈیا ارائیں کانفرنس کا اجلاس جلال آباد ضلع بجنور یو پی میں میرے بھائی سردار محمد شفیع صاحب کی زیر صدارت ہوا۔ ان کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکابرین برادری نے صرف اصلاح رسومات تعلیم اور اسلامی شعور پیدا کرنے پر زور دیا۔ کبھی عصبیت کو نہیں ابھارا گیا بلکہ ہر ایک بزرگ نے یہی فرمایا کہ ہماری برادری کو مسلمانان عالم کا سب سے زیادہ خدمت گزار بننا چاہیے۔

اعتراف خدمات

حضرات!

جن بزرگوں اور بھائیوں نے اصلاح رسومات و تنظیم کے سلسلہ میں سرگرم عمل رہ کر خدمات انجام دیں۔ اس کا اعتراف کرنا ہمارا فرض ہے ان ہزارہا بزرگوں اور بھائیوں میں سے صرف چند ایک کے نام آج دماغوں میں محفوظ ہیں جن کے اسماء گرامی سے میں آپ کو روشناس کرانا چاہتا ہوں۔

میاں عبدالعزیز صاحب بارایٹ لاء ملک محمد بشیر صاحب رئیس ساندہ کلاں لاہور ' قاضی فتح محمد صاحب مرحوم انبالوی ' خان بہادر میاں خدابخش صاحب مرحوم ذیلدار آنریری مجسٹریٹ لاہور حاجی اللہ دتہ صاحب مرحوم لاہور ' حاجی اللہ دتہ صاحب لاہور ' خان بہادر میاں چراغ دین صاحب مزنگ مرحوم ' میاں احسان الحق صاحب سیشن جج

نے اور صرف آپ نے حل کرنا ہے۔ انھیں اور بنجر زمینوں کو اپنی محنت سے اسی طرح آباد کریں۔ جس طرح سے ہمارے آباؤ اجداد غیر مزروعہ زمینوں کو گل و گلزار بناتے چلے آئے ہیں___"

☆کوآپریٹو فارمنگ سوسائیٹیز

"حضرات! دنیا کے جملہ ترقی یافتہ ممالک مشینری سے بڑی کامیاب کاشت کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں ٹریکٹر اور زراعتی مشینری کی تیاری میں ابھی کافی وقت درکار ہے باہر سے منگائے ہوئے ٹریکٹرز، سپیئر پارٹس کی نایابی ورکشاپوں کی عدم موجودگی (مکینکوں) مستریوں کی کمی کی بدولت یہ ابھی عالمگیر کامیابی نہیں حاصل کر سکتی لیکن وہ زمانہ آ رہا ہے جب یہاں بھی جملہ کاشت مشینری سے ہوا کریگی ہمیں ابھی سے اس کی تیاری کرنی چاہیئے اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم انفرادی طور پر کاشت کرنے کی بجائے فارمنگ سوسائیٹیز بنا کر اجتماعی کاشت کی ہر ضلع میں ابتداء کریں۔ اس صورت میں ہم ٹریکٹرز اور ترقی داوہ اوزاروں کو کام میں لا کر اجتماعی قوت سے ملک کی پیداوار بڑھا سکتے ہیں اور خود بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں نیز ہم بہترین بیج پیدا کر کے ملک کی کاشت کو بڑا فروغ دے سکتے ہیں۔ آپ فارمنگ سوسائٹیاں بنا کر مشینری سے کاشت کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔ خود فائدہ اٹھائیں اور ملک کی خدمت کریں۔

تعلیم،

"حضرات!

اس زمانہ میں جاہل کا کام کوئی کام نہیں نہ وہ اپنا مفہوم سمجھا سکتا ہے اور نہ کسی مہذب سوسائٹی میں بات کر سکتا ہے اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ برادری کا ہر کنبہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائے جو لڑکے ہونہار نکلیں ان کو اعلیٰ تعلیم دلائیں اس معاملہ میں جہاں ضرورت امداد کی ہو وہاں برادری کے متمول آدمی اور ہماری انجمنیں ضرور امداد فرمائیں تعلیم کے متعلق تو میں یہاں تک عرض کروں گا کہ برادری کے ہر پڑھے لکھے کا فرض ہے کہ وہ بالغ ناخواندوں کو فرصت کے وقت خود پڑھائے۔ اگر ہر آدمی پانچ بالغوں کو پڑھانے کا عہد کر کے سرگرم عمل ہو جائے تو جہالت دور ہو جائے____"

☆برادری کی ڈائریکٹری

"ہماری وسیع برادری ملک کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہے کراچی سے لیکر پشاور کے پرے تک برادری کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے ____

شائد پشاور کے پرے کی آبادی سے آپ آشنا نہ ہوں سلطان محمود غزنوی سندھ کے شہر منصورہ اور ملتان کو فتح کر کے جب واپس لوٹا تو کچھ ارائیں خاندان اس کے ہمراہ چلے آئے جو آزاد قبائل کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ آج بھی ان کی خاصی تعداد وہاں موجود ہے جو اپنے آپ کو ارائیں کہتے ہیں۔ یو۔پی دہلی بمبئی احمد آباد اور مغربی بنگال وغیرہ کے بہت سے ارائیں خاندان پاکستان بننے پر کراچی اور حیدر آباد سندھ میں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تر تاجر اور کارخانہ دار ہیں جو کامیابی اور عمدگی سے وہاں کاروبار چلا رہے ہیں۔

اب سے ستر سال پیشتر جالندہر سے چند ارائیں خاندان ضلع میر پور (سندھ) میں آکر آباد ہوئے پھر ہر سال ان کے بھائی بند وہاں آکر آباد ہوتے رہے۔ اب ضلع میر پور (تھرپارکر) کی تمام تحصیلوں میں ان کے کئی دیہات آباد ہیں جنہوں نے وہاں کی زراعت کو چار چاند لگا رکھے ہیں۔ ان کا ایک ہائی سکول بھی مدت سے چل رہا ہے۔ اسی طرح سندھ کے دیگر اضلاع میں بھی بڑی کثرت سے پنجاب سے گئی ہوئی برادری موجود ہے۔

اس کے علاوہ سندھ میں ہزاروں کنبے ہماری برادری کے ایسے موجود ہیں جو محمد بن قاسم سے لیکر آج تک سندھ میں ہی رہے۔ ان کی زبان اور لباس اسی طرح کا ہے جیسا سندھی مسلمانوں کا ہوتا ہے وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ارائیں کہتے ہیں۔ ان میں کئی خاصے تعلیم یافتہ اور متمول ہیں عام طور پر وہ زمینداراہ کرتے ہیں۔

سابق ریاست بہاول پور میں تو برادری کی کئی لاکھ تعداد آباد ہے اضلاع منٹگمری، لاہور اور لائل پور میں کئی لاکھ ہیں جو زراعت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ غرضیکہ برادری ہر ضلع میں موجود ہے ہم ایک دوسرے سے آشنا نہیں۔ اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ چیدہ چیدہ خاندانوں اور برادری کے سرکردہ اشخاص اور تعلیم یافتہ اشخاص کی ایک ڈائریکٹری تیار کی جائے جس سے ہم ایک دوسرے سے واقف تو ہو سکیں۔ ڈائریکٹری کی تیاری ایک آدمی کے بس کی بات نہیں اس لئے ہمیں مختلف جگہوں پر برادری کی کمیٹیاں بنا کر علاقے سپرد کر دینے چاہئیں تاکہ آسانی کے ساتھ ڈائریکٹری تیار ہو سکے۔

برادری 'کی' اصلاح 'اور تنظیم صرف خدمت اسلام کے لئے ہے

حضور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد تقریر فرمائی کہ :-

"سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا خدا فرماتا ہے کہ لوگو ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور گوت قبیلے سب پہچان کے لئے بنا دیئے ہیں اور خدا کے ہاں تو اس کی عزت ہے جو پرہیزگار زیادہ ہو۔"

حضرات! یاد رکھئے اپنی برادری کے دلوں میں عصبیت کا جذبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ہماری برادری کے اجتماع صرف رسومات کی اصلاح کرنے 'برائیوں اور فضول خرچیوں سے بچنے' تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے اور زیادہ سے زیادہ اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے ہیں تاکہ ہم عالم اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں اور اسلامی برادری میں اپنا مقام پیدا کر سکیں۔

رفتار زمانہ

"حضرات! آج زمانہ صدیوں کی منزلیں گھڑیوں میں طے کر رہا ہے دیکھتے دیکھتے ترقی یافتہ ممالک کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ وہ ستاروں پر کمند ڈالنے اور چاند میں آبادیاں قائم کرنے کے سامان پیدا کر رہے ہیں ان کے راکٹ فضا میں گھوم رہے ہیں اس کے ساتھ ہی وہ ایٹم اور ہائیڈروجن بم سے زیادہ مہیب عالمگیر تباہی لانے والی چیزیں بھی بنا رہے ہیں اور ان ہولناک ہتھیاروں کی تیاری سے وہ لرز بھی رہے ہیں کہ کہیں یہ مہلک ہتھیار خود ان کو اور دنیا کو تباہ نہ کر دیں۔ ان حالات کو دیکھ کر اب تو مغرب کے عقلمند بھی دبی زبان میں کہہ رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پروگرام اور اصولوں کو اپنائے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔

کیا یہ ہولناک ایجادیں اور اڑائیں دلوں کو مطمئن کر سکتی ہیں؟ خوشی اطمینان قلب کا نام ہے اگر دلوں میں اطمینان نہ ہو تو خوشی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ یہ اطمینان قلب کا نسخہ تو صرف خدا اور رسولؐ کے فرمائے ہوئے قانون حیات سے ہی ملے گا۔

مسلمانانِ عالم

مسلمان خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس اسلام کا ایک مکمل ضابطہ حیات ایسا نسخہ کیمیاء اور ایسی آسمانی کتاب موجود ہے جس کے کسی ایک لفظ کی زیر زبر میں بھی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔

عالم اسلام کے تقریباً تمام ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔ بقیہ یقینی طور پر بہت جلد آزاد ہو جائیں گے۔ افریقہ کا تاریک براعظم جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ انگڑائیاں لے کر بیدار اور آزاد ہو رہا ہے۔

خطہ اسلام قدرت کے خزانوں سے بھی مالا مال ہے۔ الجزائر سے پاکستان اور انڈونیشیا تک مسلمان نئی کروٹ لے رہے ہیں۔ دلوں میں نئے نئے ولولے اٹھ رہے ہیں صدیوں غافل اور غلام رہنے والا منجمد خون تیزی سے رواں دواں ہے عالم اسلام میں غاصبانہ قابضین کو گوشے گوشے سے باہر نکالا جا رہا ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا کام تجھ سے دنیا کی امامت کا

ایسے نازک ترین وقت میں ہر مسلمان، ہر خاندان اور ہر برادری پر ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سنجیدگی سے اپنی اپنی اصلاح کے لئے کمربستہ ہوں دلوں کے جمود توڑیں جاہلیت کی تقلید اور غیر شرعی رسومات چھوڑ دیں عوام میں خدمت خلق کا جذبہ اپنے عمل اور کردار سے پیدا کریں ہمارا یہ اجتماع اسی مقصد کے لئے ہے کہ ہم اپنی شریف اور محنتی برادری کو اصلاحی اور تعمیری کاموں میں لگائیں۔ ان کو علم حاصل کرنے اور فنی تعلیم کی طرف توجہ دلائیں ان میں اصلاحی شعور پیدا کریں۔ تاکہ ہم اسلام کے ضابطہ حیات پر عمل کر کے عالم اسلام کے لئے تقویت کا باعث بن سکیں۔

☆ برادری کی خصوصیات

اس میں کوئی شک نہیں کہ ارائیں برادری کو بالطبع فن زراعت سے شغف رہا ہے اور اب تک ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ ہر گز نہیں کہ زندگی کے دیگر شعبوں سے اسے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ میں اوپر واضح کر چکا ہوں کہ ہماری برادری عرب کا شجاع اور نبرد آزما

قبیلہ ہے جو ابتداء اسلام کے دور میں جہادوں کی صف اول میں رہا ہے۔ اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی اپنی دماغی صلاحیتوں کو ہر صف میں امتیازی حیثیت سے بروئے کار لاتا رہا ہے۔

انگریزی دور حکومت میں جب علم کے دروازے خاص و عام کے لئے کھل گئے تو ہماری برادری کے افراد ہر شعبہ میں کمال علم سے بہرہ اندوز ہو کر ستارہ بن کر چمکے فلسفہ ' سیاست ' عدلیہ ' انتظامیہ ' کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جہاں ہماری برادری کی چیدہ شخصیتیں اپنی دانشمندی ' وسیع النظری ' قوت عدل و انصاف اور علمی قابلیت کا سکہ نہ منوا رہی ہوں اسلامی تصوف کے سلسلہ میں جو رشد و ہدایت کا سر چشمہ جاری تھا اس سے برادری کی مقدس ہستیاں اس حد تک فیض یاب ہوئیں کہ خود ان کے سلسلہ میں نور کی ندیاں جاری ہو گئیں حضرت عنائت شاہؒ حضرت بلھے شاہؒ قصوری کے پیر و مرشد ہوئے اور حضرت میاں شیر محمد صاحب شر قپوری نقشبندی کا مزار مبارک ہزاروں متلاشیان حق کے لئے چشمہ ہدایت بنا ہوا ہے۔

علم و فلسفہ کے میدان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ فلسفہ کے چیئر مین ہماری برادری کے ہی فرد برسوں تک متمکن رہے انگریزی دور میں پنجاب اور سندھ کی تمام سیاست بالخصوص ہماری برادری کے ہاتھ میں رہی مثلاً پنجاب میں سر میاں محمد شفیع سندھ میں سر شاہنواز بھٹو وغیرہ نے اپنی صلاحیتوں کو ہمیشہ ملک و قوم کے لئے وقف رکھا ہے جنگ آزادی ہند جس کا آغاز عملی حیثیت سے دراصل تحریک خلافت سے ہوتا ہے پنجاب میں اس بانی میانی ہماری برادری کے اکثر سر کردہ حضرات ہیں۔ پاکستان نیوی کے ایڈمرل مسٹر چوہدری آپ حضرات کے سامنے ہی ہیں جنہوں نے اپنی صلاحیتوں سے بحری قوت میں کافی اضافہ کیا ہے غرض اس طرح اگر نام گنوائے جائیں تو ہزاروں کی تعداد بن جائے گی جو مملکت کے ہر شعبہ میں ایک ممتاز حیثیت سے نظر آئیں گے۔

حضرات ــــــــ!

مختصراً اس ذکر سے میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی صلاحیتوں کو ہر شعبہ میں بروئے کار لائیں اور پاکستان کی تقویت کا باعث بنیں۔

تحریک نظام مصطفیٰ اور ارائیں برادری

اسلام کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے در حقیقت مسلمان کی حیات مستعار کا مقصد نصب العین اور (AIMOf Life) ہی یہ ہے اس لئے جو اس کے حصول میں جس قدر سعی کرے گا۔ اسی کے مطابق اللہ جل شانہ سے جزا بھی پائے گا۔ اور انعام بھی کیونکہ خود خالق اکبر نے اپنے کلام پاک کے تیسویں پارہ کی پہلی سورہ (سورہ عمہ یتساء لون) میں فرمایا۔

جزاء من ربك عطاء حسابا.....

تمہارا رب تمہیں جزا بھی دے گا اور عطا (بخشش اور انعام) سے بھی نوازے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا جہاد اکبر ہے"

۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک کا بھٹو دور تاریخ پاکستان میں ہمیشہ "دور سیاہ" کے نام سے لکھا جائے گا۔ اس میں انسانیت کی جس قدر تذلیل کی گئی ہے' اس سے ہر سمجھدار واقف ہے۔ البتہ جن کی آنکھوں پر ذاتی مفاد کی پٹی پڑی باندھی ہے یا جن کے تمام نظریات حیات کا نچوڑ صرف پیٹ ہے انہیں ہم معذور سمجھتے ہیں کیونکہ ان سے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب ہو چکی ہیں انسان جب مرتبہ انسانیت سے گرتا ہے تو بہائم و حوش کی صف میں کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک حلال و حرام بے معنی ہو جاتا ہے اور نیکی و بدی عبث و بے کار قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے کتے کی مثال دے کر دراصل اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح کتا اپنے ہی ابنائے جنس کا دشمن ہوتا ہے۔ لالچی اور حریص ہونے کی وجہ سے اس پر صرف "پیٹ کی حکمرانی" ہوتی ہے اور شہوت کے ہاتھوں بے چین ہو کر گلی کوچوں کو سونگھتا ہوا۔ اپنی "جنس لطیف" کے تعاقب میں سرگرداں رہتا ہے۔ اسی طرح آدمی بھی جب اپنے "انسانیت" کے احساس سے محروم ہو جاتا ہے تو اس میں ایسی ہی صفات رذیلہ و قبیحہ پیدا ہو جاتی ہیں جیسی کتے میں ہوتی ہیں اللہ جل شانہ نے سورہ والتین میں فرمایا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝
إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

یعنی انسان باوجود اس قدر بہترین بناوٹ اور ساخت کے بھی ''اسفل السافلین'' میں

جاگرتا ہے جو گمراہیوں، اور براہیوں کی اتھاہ گہرائیاں ہیں سوائے ان خوش نصیب انسانوں کے جو ''ایمان اور عمل صالح کو اپناتے ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں ان کی حکمرانی کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ بے پایاں اجر وانعام کے مستحق ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

پاکستان کا قیام صرف حکومت الہیہ یا نفاذ نظام مصطفےٰ کے لئے عمل میں آیا تھا اور قرار داد مقاصد کے پاس ہونے کے بعد سے یوم آزادی تک ہر ذی شعور مسلمان خدا سے کیے ہوئے اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ اگر اس نے ایک قطعہ ارض انہیں تفویض کیا تو وہ کیونکہ جب زمین اللہ کی ہے تو اس پر حکم اللہ ہی کا نافذ ہوگا۔

قیام پاکستان کے بعد سے ۱۹۷۰ء تک ہر آنے والی حکومت اس ''وعدہ'' کو ہیرا پھیری (STUNT) کے طور پر استعمال کرتی رہی تاکہ اس کا سنگھاسن نہ ڈولنے پائے کیونکہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ کو اپنی ''عیاشیوں'' کی راہ میں زبردست رکاوٹ سمجھتے تھے۔ تاہم وہ ''اسلام'' کا نام برابر لیتے رہے تاکہ عوام ان سے بدکنے نہ پائیں لیکن ۱۹۷۰ء کے بعد اسلام کو ''دین نامکمل'' قرار دینے والے میدان عمل میں آگئے اور جس دین کو اللہ جل شانہ نے یہ کہہ کر ''مکمل کر دیا تھا کہ۔

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی

اسے ان لوگوں نے نامکمل قرار دیا ہے اور بڑے زور شور سے یہ پرچار شروع کر دیا کہ جب تک اسلام میں سوشلزم کا پیوند نہ لگایا جائے گا یہ نہ تو قائم رہ سکتا ہے نہ قابل عمل ہو سکتا ہے انہوں نے اس پرچار کو موثر بنانے کے لئے ایک نئی اصلاح ''اسلامی شلزم'' وضع کی اور لوگوں کی توجہ اخلاق فاضلہ اور ''احتساب یوم الحساب'' سے ہٹا کر پیٹ اور اس کے جملہ تقاضوں پر مرکوز کرنے کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو ان کے خیال میں مفید ہو سکتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ سب ''پیٹ کے بندے'' ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور انہوں نے پانچ سال تک وہ اودھم مچایا کہ کہ الامان والحفیظ۔

خالق اکبر نے جب پاکستانیوں کو اپنے ''وعدہ نفاذ نظام اسلام'' سے یوں منہ موڑتے دیکھا تو مشرق و مغرب کے فاصلے بڑھا دیئے چنگیز اور ہلاکو کے جانشین مسلط کر دیئے اور پورے ملک پر کرب و بلا کی اذیت کے سائے پھیلا دیئے۔ کیونکہ نافرمانوں اور سرکشوں کا یہی علاج ہوتا ہے اس ''دور سیاہ'' میں جس طرح خون بہایا گیا عزتیں اور عصمتیں لوٹی گئیں جائدادوں کو ہتھیایا گیا اسلام اور شعائر اسلام کا مذاق اڑایا گیا ڈاڑھیاں نوچی گئیں زبانوں پر

تالے ڈالے گئے محراب و منبر پر پہرے بٹھائے گئے علماء سو کو دین مبین اور اس کے نام لیواؤں کے خلاف ہشکایا گیا۔ یہ سب باتیں تاریخ نے محفوظ کر لیں ہیں اور آئندہ نسلوں تک من و عن پہنچادی جائیں گی۔

ظلم و جواز اور جبر و استبداد کے اس دور میں کلمہ حق کہنا' جو جہاد اکبر ہے سر کو ہتھیلی پر رکھنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ غیرت مندوں نے سر کٹوائے' جیلوں میں محبوس رہ کر ہر تشدد کا مقابلہ کیا اور ان سر فروشوں میں کسی طبقے' برادری' عمر' علاقے اور حالات کی کوئی تخصیص باقی نہ رہی تھی۔ بلکہ ایمان والے ہر جگہ اپنے اپنے حالات و سائل اور عزائم کے مطابق "جاھدوا فی سبیل اللہ" کی عملی تفسیر بنے رہے"

الحمد للہ ہماری برادری کے نامور سپوت بھی اس جدوجہد میں کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔

قومی اسمبلی کو بھٹو کی "داشتہ" بنتے دیکھ کر سردار احمد علی صاحب نے جو انجمن ارائیاں پاکستان کے صدر بھی تھے سب سے پہلے استعفے پیش کر کے یہ ثابت کر دیا کہ غیرت مند لوگ ضمیر فروشوں کے ساتھ نہیں چل سکتے' ڈاکٹر نذیر احمد نے جان کا نذرانہ پیش کر کے ہر ذی شعور کو یہ باور کرادیا کہ وہ اس راہ میں اس وقت سے گامزن تھے جب انہوں نے ابھی یہ اعلان بھی نہیں کیا تھا۔

"ایوب خان کا انجام عبرت ناک ہوا یحییٰ خان کا حسرت ناک ہوا' اور اے بھٹو تیرا انجام عبرت ناک بھی ہو گا حسرت ناک اور ہولناک بھی خواہ میں اسے دیکھنے کے لئے زندہ نہ بھی رہوں۔"

اور اس اعلان کے تیسرے دن کے بعد ہی شام کو بھٹو کے "چمچوں" نے ڈاکٹر نذیر احمد کو ان کی ڈسپنسری میں شام کے وقت گولی ماردی جب کہ وہ اپنے مریضوں سے محو گفتگو تھے

میاں طفیل محمد صاحب امیر جماعت اسلامی نے "دور سیاہ" کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کوٹ لکھپت جیل میں جن ہولناک مصائب کو برداشت کیا۔ جس طرح انہیں بدنی' ذہنی اور روحانی عقوبتوں کا تختہ' مشق بنایا گیا' اس کا حال لاہور کے اس مجسٹریٹ سے پوچھئے جن کی عدالت میں میاں صاحب پر ان غیر انسانی سلوک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقت طاری ہو گئی تھی مجسٹریٹ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھتا ہی رہ گیا تھا اور وہاں موجود وکلاء نے کہا تھا کہ میاں صاحب جیسے بلند پایہ لیڈر اور بلند حوصلہ انسان پر نا قابل بیان انسانیت سوز عقوبتوں کو روا رکھا جائے تو ایسا ہو جانا بالکل فطری امر ہے۔

جمیعت العلمائے اسلام کے صدر مولانا عبداللہ درخواستی صاحب اس قدر پیرانہ سالی میں بھی جیل جانے سے ذرا ہچکچائے ان کے پائے استقامت میں لغزش آئی۔

مساوات پارٹی کے کنوینر جناب محمد حنیف رامے اگرچہ بھٹو کے جگری دوست تھے لیکن جب اس کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ گئیں تو اس کے خلاف ڈٹ گئے جب شاہی قلعہ لاہور کے زندان میں داخل ہوئے تو ان کے سر کے بال سیاہ تھے۔ لیکن جب دو سال کے بعد وہاں سے باہر آئے تو سر کے تمام بال سفید ہو چکے تھے اور زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ مصائب و آلام کی داستان ہم سے پوچھو۔ روزنامہ جسارت کراچی نے اپنے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کے اداریئے میں لکھا ہے کہ محمد حنیف رامے کی کمزوری یہ تھی کہ ان کے اندر قدرت نے عزت نفس کے جوہر کی مقدار زیادہ رکھی تھی۔ اس لئے وہ پارٹی کے اندر نہ رہ سکے۔

جنرل محمد ضیاء الحق کو جن کے متعلق بھٹو کو بہت سی خوش فہمیاں تھیں جب ان کے رفقائے کار نے ظلم کے خلاف سرگرم عمل ہونے کو کہا تو بلا تامل اس پر تیار ہو گئے اور اس کٹھن منزل کو بڑی خوبی سے سر کر لیا وہ اپنے عزل و استقلال اور زور سیرت و کردار جذبہ توکلت علی اللہ اور یقین محکم کی وجہ سے اس راہ میں حائل ہونے والی ہر گھاٹی عبور کر گئے اور دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ ابھی چند دن پہلے تک "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگانے والا آمر اس مومن کی بصیرت اور فراست کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا ہے انہوں نے ملک کو تباہی کی گہرائیوں سے نکال کر اوج ثریا تک پہچانے میں جس ہمت و جواں مردی فہم و فراست اور دور اندیشی سے کام لیا ہے زمانہ اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

خطبہ

ایثار و قربانی کے سلسلہ میں ہم صرف جناب حمزہ صاحب کا ذکر بحوالہ قومی ڈائجسٹ لاہور کرتے ہیں کہ صدر محمد ضیاء الحق صاحب انہیں اپنی کابینہ میں شامل کرنا چاہتے تھے اور سر فہرست ان کا نام تھا لیکن جب مسلم لیگ نے جناب میاں زاہد سرفراز کا نام دیا تو خود جناب حمزہ نے صدر صاحب سے کہا کہ آپ بھی ارائیں ہیں، میں اور میاں سرفراز بھی ارائیں ہیں اگر ہم دونوں کو آپ نے کابینہ میں شامل کر لیا تو لوگ کہیں گے کہ صدر صاحب اپنی برادری کے لوگوں کو اپنے گرد و پیش جمع کر رہے ہیں لہذا آپ میاں زاہد سرفراز کو کابینہ میں شامل کر لیں اور مجھے چھوڑ دیں تاکہ کسی کو نکتہ چینی کا موقعہ نہ ملے۔ آپ نے ایثار و قربانی کی یہ مثال اس وقت قائم کی جب صدر محترم خود آپ کو کابینہ میں شامل کرنا چاہتے تھے اور جب کہ ہر سیاستدان وزیر بننے کے لئے بیتاب تھا۔

ارائیں بھارت (انڈیا) میں

آل انڈیا ارائیں کانفرنس ناگپور

منعقدہ ۳۰ مئی ۱۹۸۳ء میں منتخب ہونے والے عہدیدار

☆اسداللہ عثمانی ایڈووکیٹ جبلپور (صدر) ☆سلیمان اشرف راعینی کلکتہ (خازن)
☆نور محمد رائی کلکتہ (نائب صدر)☆محمد عاصم ناگپور جوائنٹ (سیکرٹری)
☆خورشید احمد راعینی (ایم اے ایل ایل بی) (جنرل سیکرٹری)☆ظہور احمد علی گڑھ (جوائنٹ سیکرٹری)
☆عبدالحلیم راعینی (سابق جنرل سیکرٹری)☆ محمد نذیرالدین ناگپور (ناظم نشرواشاعت)
☆چوہدری محمد نفیس راعینی کانپور (نائب صدر)☆محمد حنیف جبل پور (جوائنٹ سیکرٹری)
☆سمیع احمد راعینی لکھنؤ (نائب صدر)☆ محمد نسیم راعینی جے پور (جوائنٹ سیکرٹری)
☆محمد یوسف باغبان شولہ پور (نائب صدر)

آل انڈیا راعین تنظیم پر ایک نظر

از محمد خلیل الرحمٰن عزیزی نائب صدر آل انڈیا جمعتہ الراعین (بھارت)

راعین برادری نے خواب غفلت سے ایک کروٹ کرلی۔ اور بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ''آل انڈیا انجمن ارائیاں لاہور (پنجاب)'' کا قیام عمل میں آگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد انجمن ارائیاں ہند کی جانب سے قاضی فتح میں انبالوی نے پورے ملک کا دورہ کیا جس میں بہار اور یوپی کا صوبہ بھی شامل تھا بہار میں راعین تحریک کی پہلی آواز کل ہند انجمن راعیان کے ذریعے پہنچی۔ اس کے بعد بہار اور یوپی کے مختلف مقامات میں مختلف اور وقتاً فوقتاً راعین تحریک مختلف ناموں سے جنم لیتی رہی۔ اور خرمن غفلت و جہالت میں دب کر رہ گئی۔ لیکن اس کی چنگاری زندہ باقی رہی۔ جس کو کل ہند راعیان ہند کے اخبار ''الراعی ہفتہ وار لاہور'' سے ہوا ملتی رہی۔

صوبہ بہار کی مقدس سرزمین پر ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء کو بہار شریف سب ڈویژن جمیعتہ الراعین کے نام سے پہلے پہل راعین تحریک کا آغاز کیا جس کی روئیداد اخبار الراعی لاہور اور علاقائی اخبارات میں شائع ہوئی اور نوجوانوں نے اپنے اکابرین و رہنماؤں کی حسن

قیادت اور کمال رہبری ہیں راعین تحریک کے فروغ کے لئے تن من دھن اور پوری لگن کے ساتھ کامیابی کی منزل تک پہنچانے کی انتھک کوشش کی۔

۳۰ جون ۱۹۳۷ء دن بہار شریف سب ڈویژنل جمعیۃ الراعین "بہار شریف ضلع نالندہ (سابق ضلع پٹنہ) کا پہلا اجلاس زیر صدارت جناب مولوی عبدالمالک صاحب ایڈووکیٹ داناپور (پٹنہ) منعقد ہوا۔ اور اس اجلاس میں "بہار ریاستی جمعیۃ الراعین" کے قیام کی تاریخی تجویز منظور کی گئی پھر بہار شریف کے نوجوان نے صوبہ بہار کے دیگر اضلاع کے دانشوروں اور راہنماؤں کے ساتھ مل کر ریاستی جمعیۃ الراعین کے قیام میں اہم رول ادا کیا اور ۲، ۳، اکتوبر ۱۹۳۸ء کو زیر صدارت جناب ڈاکٹر عبدالشکور صاحب داناپور پٹنہ میں بہار ریاستی جمعیۃ الراعین کا قیام عمل میں آیا اور ڈاکٹر صاحب موصوف صدر اور جناب زین الدین احمد ایڈووکیٹ سمتی پور (بہار) جنرل سیکرٹری منتخب کئے گئے۔ بہار ریاستی جمعیۃ الراعین کے قیام کے بعد راعین تحریک میں عظیم انقلاب پیدا ہو گیا اور بہار' مدھیہ پرورش 'بنگال' اتر پردیش وغیرہ صوبوں میں جمعیۃ الراعین کے نام سے راعین تنظیم بڑی سرعت و تیزی کے ساتھ پھیلتی گئی اور بہار شریف سب ڈویژنل جمعیۃ الراعین" کی تحریک چند سال کے قلیل عرصہ میں پورے صوبہ اور بیرون صوبہ تک پہنچ گئی۔ اس لئے اس دور کو راعین تحریک کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔

اگرچہ ہر صوبہ میں جمعیۃ الراعین کے نام سے راعین تنظیم و تحریک کا کام تن دہی کے ساتھ ہوتا رہا لیکن اب تک "آل انڈیا جمعیۃ الراعین" کا قیام عمل میں نہ آسکا تھا چنانچہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، اپریل ۱۹۵۱ء کو بہار ریاستی "جمعیۃ الراعین" کا ایک عظیم الشان اجلاس انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں زیر صدارت فخر قوم جناب مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی صدر آل انڈیا احرار پارٹی منعقد ہوا۔ جس میں پہلی بار چند صوبوں کے راعین دانشور اور اکابرین کثیر تعداد میں شریک ہوئے شرکا صاحب نے مرکزی جمعیۃ الراعین کے قیام کا شدت کے ساتھ احساس کیا۔ اور بہار ریاستی جمعیۃ الراعین کی اہم تجاویز کے ساتھ آل انڈیا کے قیام کی تجویز منظور ہوئی۔

اس کے بعد ہر صوبہ میں آل انڈیا جمعیۃ الراعین کے قیام کے لئے راعین رائے عامہ کو بیدار و ہموار کرنے کی پوری جدوجہد جاری رہی اور پھر انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں ایک اہم اجلاس ۳، ۴، نومبر ۱۹۵۶ء کو زیر صدارت جناب ڈاکٹر محمد یسین صاحب پی ایچ ڈی منعقد ہوا اور ڈاکٹر صاحب موصوف صدر اور جناب غلام سرور صاحب جنرل سیکرٹری منتخب

کیئے گئے۔

۳,۲ ۔ مئی ۵ ے۱۹ء کو بھاگل پور میں بہار ریاستی جمیعتہ الراعین کا ایک عظیم تاریخی و انقلابی اجلاس زیر صدارت اسد االراعی جناب اسد اللہ صاحب عثمانی ایڈ ڈوکیٹ سپریم کورٹ وہائی کورٹ جبل پور (مدھیہ پردیش) منعقد ہوا۔ جس میں صوبہ بہار کے تمام اضلاع کے نمائندوں کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ویسٹ بنگال ' اتر پردیش ' مدھیہ پردیش صوبوں کے راعین اکابرین اور دانش ور بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ شرکاء مجلس نے آل انڈیا جمعیتہ الراعین کی تجدید واحیاء پر زور دیا۔ اور اسی جگہ اس اجلاس میں دیگر تجاویز کے ساتھ انتہائی جوش و خروش اور نعرہ تکبیر کی گونج میں " آل انڈیا جمیعتہ الراعین " کی تشکیل جدید کی تجویز منظور کی گئی اور پھر فخر قوم عالی جناب غلام سرور صاحب ربانی اخبار سنگم روزانہ پٹنہ و سابق وزیر تعلیم ثانوی گورنمنٹ بہار کی جدوجہد سے ۲۱ دسمبر ۵ ے۱۹ء کو صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ میں "آل انڈیا جمعیتہ الراعین کی ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جناب اسد اللہ عثمانی صاحب ایڈووکیٹ صدر اور جناب عبدالحلیم صاحب سابق میئر آلہ آباد کارپوریشن جنرل سیکرٹری بنائے گئے۔

آل انڈیا جمیعتہ الراعین کے عہدیداران خصوصی جو ۲۹ مئی, ۳۰ مئی ۱۹۸۲ء کو آل انڈیا راعین کانفرنس ناگپور (مہاراشٹر) میں منتخب کئے گئے۔

صدر: جناب اسد اللہ عثمانی ایڈووکیٹ جبلپور (مدھیہ پردیش)

نائبین صدر:

۱۔ جناب نور محمد راعی صاحب کلکتہ (ویسٹ بنگال)
۲۔ محمد خلیل الرحمٰن عزیزی آسانگر (نالندہ) بہار شریف۔
۳۔ " سمیع احمد صاحب لکھنؤ (اتر پردیش)
۴۔ " محمد یوسف محمد قاسم صاحب شولاپور (مہاراشٹر)
۵۔ " چوہدری نفیس احمد کانپور (اتر پردیش)

جنرل سیکرٹری

جناب خورشید احمد صاحب ایم اے ایل ایل بی۔
بہرائچ لکھنؤ (یو۔پی)

سیکرٹری

۱۔ جناب محمد حنیف صاحب جبل پور (ایم۔پی)
۲۔ جناب عاصم صاحب ناگپور (مہاراشٹر)
۳۔ نسیم صاحب جے پور (راجستھان)
۴۔ " جلال الدین صاحب مظفرپور (بہار)
۵۔ جناب پروفیسر ظہور احمد صاحب علی گڑھ (یو۔پی)

خازن

جناب سیٹھ سلیمان اشرف صاحب کلکتہ (ویسٹ بنگال) سیکرٹری نشر و اشاعت:

جناب ماسٹر نذر الدین صاحب ناگپور (مہاراشٹر)

راعین کانفرنس، صوبہ بہار

منعقدہ ۲۰ اکتوبر یوم یکشنبہ، ۱۹۳۸ء داناپور (پٹنہ)

خطبہ صدارت

حضرات محترم ______!

میں آپ کی اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اس اہم جلسے کی صدارت کی عزت بخشی اپنی نااہلی و کم مائیگی کا اچھی طرح احساس کرتے ہوئے میں اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ ایسے نازک وقت میں قوم کی رہنمائی اور قیادت کی ذمہ داری اپنے سر لوں۔ کیونکہ مجھ سے بدرجہا بہتر حضرات یہاں موجود ہیں، جو اس کام کو عمدہ طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن میں اس بارگراں کو اٹھانے کے لئے محض اس وجہ سے تیار ہو گیا کہ آپ کے سچے جذبات کو ٹھیس نہ لگے اور ان مقاصد کو لے کر آپ آگے بڑھنا چاہتے ہیں میرا انکار روڑا ثابت نہ ہوں مجھے امید ہے کہ جن مہربانیوں کے ساتھ آپ نے میرا انتخاب فرمایا ہے اس سے زیادہ شفقتوں اور ہمدردیوں کے ساتھ اس خدمت کی انجام دہی میں میری مدد فرمائیں گے۔

ڈاکٹر عبدالشکور

ایل آر سی پی ایل آر سی ایس (ایڈن)

ایل آر ایف پی ایس (گلاسکو)

میں آج کے اس اجتماع عظیم کو دیکھ کر اپنے دل و دماغ میں خوشی و مسرت کا ایک سمندر موجیں مارتا محسوس کرتا ہوں جس کی صرف یہی وجہ ہے کہ میری سابقہ زندگی میں کوئی اس طرح کی مثال نہیں ملتی جسے اس کے مقابل میں پیش کر سکوں۔

اس جلسہ میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اس برادری کو جو راعین و المعروف بہ سبزی فروش و کنجڑہ و کباڑی کے نام سے پکاری جاتی ہے بیدار کیا جائے تاکہ وہ اپنی تعلیمی و اقتصادی و معاشرتی حالت کو درست کریں۔ آج دنیا کا ہر ملک و قوم اور ہر قبیلہ و جماعت اپنی اپنی تنظیم و اصلاح کی جدوجہد کر رہا ہے تاکہ انقلاب زمانہ کی ہستی کو میٹ نہ دے اور طوفان حوادث خس و خاشاک کی طرح بہا کر نہ لے جائے۔ اسی طرح ہماری تحریک کا بھی مقصد ہے کہ اپنے قبیلہ کے انتشار و پراگندگی اور نقائص دور کر کے نیک راہ پر جانے کی کوشش کرے اور قوائے عمل میں نظم و اتحاد پیدا کرے تاکہ ضرورت کے وقت ملک و ملت کے تمام کشاکش حیات میں یہ برادری بڑی سے بڑی خدمت و ایثار سے دریغ نہ کرے لیکن بعض مسلم جماعتیں یا ان کے افراد ہماری اس جدوجہد کو افتراق بین المسلمین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ شور برپا کر رہے ہیں کہ قبائلی تنظیم سے مسلمانوں میں انتشار پھیل رہا ہے آپس میں افتراق و انشقاق کی خلیج حائل ہو رہی ہے اسلام کی طاقتیں کمزور ہو رہی ہیں لیکن میں ان حضرات سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ قبائلی تنظیم کی رفتار اگر سست پڑ گئی اور مسلمانوں کے تمام قبائل اپنی ضرورت اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو یقین جانیے کہ اسلام کی روشن پیشانی پر بدنما دھبہ کی زیادتی ہو جائے گی جو ہمارے لئے باعث ننگ ہو گا۔

حضرات!

برادران بہار شریف لائق صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس اہم ضررت کو محسوس کرتے ہوئے اس صوبہ میں سب سے پہلے ایک اصلاحی مجلس کا قیام عمل میں لا کر برادری کی

اصلاح و تنظیم اور فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہوئے اور انہی حضرات کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ کہ آج ہم صوبائی انجمن قائم کر رہے ہیں۔ خصوصا ہمارے دو عزیز نوجوان مولوی خلیل الرحمٰن (عزیزی) حافظ عبدالوکیل کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہے کہ صدیوں کے بعد متفرق جگہ کی برادری ایک جگہ اکٹھا ہو کر اپنی پستی کی غائیت معلوم کرنے اور فلاح و بہبود کی اسکیم تیار کرنے کو جمع ہوئے ہیں۔ (برادران آرہ) کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے بہت جلد اپنے یہاں قومی انجمن قائم کر لی اور برادری کے بچوں کی تعلیم کے لئے
مدرسہ بھی جاری کر دیا۔

برادران! ہر کمالے را زوال اور ہر زوالے را کمال قدرت کا اٹل قانون ہے ہماری جہالت و پستی اور افلاس غربت اب انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اس لئے ہماری حالت میں انقلاب برپا ہونا ضروری اور لابدری ہے اگر آج ہمیں اپنے مستقبل سنوارنے کا احساس پیدا ہوا ہے۔ اور ہم کچھ کرنے کو آمادہ ہیں تو ہمیں خصوصیت کے ساتھ چند امور پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

مکمل تنظیم کی ضرورت

حضرات! ہمیں اپنی تحریک کو کامیاب و مکمل بنانے کے لئے سب سے پہلے مضبوط تنظیم کی ضرورت ہے ہمیں مکمل تنظیم کے لئے سعی بلیغ اور کوششیں مزید سے کام کرنا چاہئے اور ہر ہر ضلع، قصبہ تحصیل میں انجمن راعین کی صوبہ بہار کی شاخیں قائم کرنی چاہئیں جن سب کا تعلق صوبائی انجمن تک ہو برادران غیور! یہ بے بدلی اور لاپرواہی کا وقت نہیں ہے۔ ہر ہر ضلع و قصبہ کے نوجوانوں کو مستعد ہو کر اس تحریک میں بیش از بیش حصہ لے کر اپنی تنظیم کو کامیاب بنانا چاہئے اگر ہم نے اپنی تنظیم مکمل کر لی تو چند دنوں میں وہ سب کر سکتے ہیں جس کی ہمیں ضرورت و حاجت ہمارا یہ سب سے اہم اور غیر فراموش فریضہ ہے کہ اپنی اجتماعی زندگی کو مضبوط شاندار بنانے کے لئے کوئی ایسا گاؤں بھی نہ چھوڑیں جہاں ہماری تنظیمی انجمنیں اور باقاعدہ پنچایت نہ ہوں اور ہماری برادری کا کوئی ایسا شخص نہ ملے جو اس انجمن یا پنچایت کا ممبر نہ ہو کیونکہ اسی طرح ہم اپنی تحریک کو کامیاب بنا سکتے ہیں اور اتحاد و

اتفاق جیسی نعمت عظمیٰ حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ اگر یہ نعمت ہمیں مل جائے تو دنیا کی تمام چیزیں ہمیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

حضرات! کون ایسا شخص ہے جو اتحاد و اتفاق کی فضیلت و خوبی کو نہیں جانتا۔ اس کی خوبیاں آفتاب کی طرح روشن ہیں دنیا کی کسی چیز پر نظر ڈالئے بغیر اتحاد کے اس کا وجود ہی قائم نہیں رہ سکتا مثال کے طور پر بجلی کے قمقموں پر نظر کیجئے کہ جب تک اس کے تار کا سرا کسی مرکز سے متحد نہ ہو اس قمقمہ میں روشنی کی جھلک پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ظلمت کو دور کر سکتی ہے لیکن جب اس کے مرکز کو تار سے ملا دیا جاتا ہے تو صرف ایک قمقمہ تاریک کمرہ کو روشن و منور کر دیتا ہے لیکن اگر دوسری چیزیں جو اس مرکز کی طاقت کا سبب ہیں۔ مرکز سے وابستہ نہ ہو تو پھر مرکز محض ایک شے بے کار کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ مرکز میں ایسی قوت پیدا ہو سکتی ہے کہ کسی ایک قمقمہ کو بھی روشن کر سکے۔ اسی طرح ہمیں اپنی اصلاح و تنظیم کے لئے اور اپنی تنظیم کو آگے بڑھانے کی خاطر ہمیں ایک مرکز متحدہ کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ ہر شاخ بلکہ ہر فرد برادری مرکز کی طاقت سے مضبوط ہو۔

پنچائیت

اتحاد واتفاق قائم رکھنے کا سب سے بہتر طریقہ پنچائیت ہے۔ اگر ہم پنچائیت کے موجودہ اصول میں کچھ ترمیم کر کے پنچائتی اصول کو استوار کر لیں، تو شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں کی برادری میں اتفاق یکجہتی کے آثار کا سمندر لہریں مارتا دکھائی دے۔ باقاعدہ پنچائیتوں، سے ہماری تنظیم میں بہت کچھ مدد ملے گی اور ہم اس کے ذریعہ ہر مفید سے لائحہ عمل سہولت و آسانی کے ساتھ جاری کر سکیں گے اور اسی پنچائیت کے ذریعہ ہم اپنی برادری کو عدالت و فوجداری کی مالی زیرباری۔ پریشانی اور بے عزتی سے محفوظ دمامون رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے اپنی ٹوٹی اور غیر منظم پنچائیتوں کو درست کریں اور ان کے ذریعہ آہستہ آہستہ دباؤ ڈال کر اپنے افعال مذمومہ اور مراسم غیر شرعیہ جو ہمارے لئے باعث ننگ ہے۔ دور کرنے کی کوشش کریں۔

تعلیم و تربیت،

خدائے بزرگ و برتر نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ ولله العزة ولرسوله وللمومنین یعنی عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہم مومن و مسلم ہونے کے باوجود بھی ایسی ذلیل زندگی بسر کر رہے ہیں جس کے بارے میں حضرت حالی نے فرمایا ہے۔

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں،
کہ جس حال میں ہیں! اسی میں ہیں شاداں

یوں تو ہم مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے اور مسلمان ہیں۔ لیکن اپنے افعال کا جائزہ لیتے ہوئے انصاف سے کہیں کہ کیا ایک مسلم کی یہی شان ہے جو آج ہماری ہے۔ کیا ہم اسلام کے لئے باعث ننگ اور اس کے صاف دامن پر بدنما دھبہ نہیں ہیں؟ کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے تعلیم کو پس پشت ڈال دیا۔ خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔ روزہ و نماز کو چھوڑ دیا۔ جن امور سے اسلام نے منع کیا تھا۔ ان کو دستور العمل، بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے کبھی نہ بدلنے والے اور ابد آلاباد تک قائم رہنے والے قانون، ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا امابا نفسھم (یعنی اللہ کسی قوم کی حالت خود نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلے) کے مطابق ہمیں بلندی سے ایسی پستی میں پھینک دیا جہاں اپنی پستی کے احساس کا شعور بھی باقی نہ رہا۔ لیکن ابھی وقت نہیں گیا۔ اگر بھولا ہوا صبح کا شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے، اس لئے: اگر ہم اپنی حالت سدھارنا چاہیں تو مذکورہ بالا قانون کے مطابق یعنی ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جدوجہد کر کے پستی کو عروج سے ذلت کو عزت سے، جہل کو علم سے تبدیل کر سکتے ہیں۔

یاد رکھیے! کوئی قوم مذہب کی تعلیم کو چھوڑ کر اور خصوصاً اسلامی تعلیمات سے کنارہ کش ہو کر ترقی و عروج کے زینہ پر قدم نہیں رکھ سکتی۔ اگر ہمیں دینی و دنیاوی ترقی حاصل کرنی ہے تو ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور احکام شرعیہ بجالائیں، لیکن

احکام شرعیہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا قول مبارک طلب العلم فریضہ علی کل مسلم ومسلمۃ یعنی ہر مسلمان مرد عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اور اطلبوا العلم ولوباکان لصین علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو، کو اپنا نصب العین بنائیں۔

لیکن اگر تعلیم سے بے پروائی کا اظہار کیا گیا تو حضرت سعدیؒ کے قول کے مطابق بے علم نتواں خدارا شناخت۔ یعنی بغیر علم کے خدا کو نہیں پہچانتا۔ بن کر رہ جائیں گے اور خدا ہی کی معرفت حاصل نہ ہو گی تو اس کے دین اور رسول کی کس طرح تصدیق کر سکیں گے اور جب رسول کی تصدیق کرنے کی صلاحیت نہ ہو گی تو ہمارا ٹھکانہ کیا ہو گا۔ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے اس لئے، بھائیو! اگر تمہیں اسلام کا دعویٰ ہے تو خدارا مسلمان کامل بننے کی کوشش کیجئے۔

آج جب ہمارا ملک جبری تعلیم پر زور دے رہا ہے اور ہمارے ملک کے مرد عورت کو پڑھانے کی کوشش ہو رہی ہے اور خصوصاً ہمارا صوبہ جہالت کے خلاف جہاد کر رہا ہے جس سے دوسرے لوگ فائدہ بھی حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس ہے، کہ ہم اپنے کانوں میں پنبہ غفلت ڈالے پڑے ہیں، جیسے ان باتوں سے ہمیں کوئی سروکار ہی نہیں۔ لیکن اس انقلاب انگیز زمانہ میں ماضی کے حالات سے عبرت حاصل کر کے مستقبل کی فکر نہ کرنی، اپنے کو زندہ فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اس کا تہیہ کر لینا چاہیئے کہ ہم اپنی برادری کے ایک ایک مرد عورت اور بچے بچیوں کو جاہل و ناخواندہ نہ رہنے دیں گے۔ بلکہ جہالت کے خلاف ایک مکمل جہاد کرینگے نیز اپنے اس قاعدہ کو جو ایک زمانہ سے ہم میں رائج ہو کر ہمیں تباہ و برباد کر رہا ہے یعنی یہ کہ بچے جہاں پانچ چھ سال کے ہوئے ہیں۔ ماں باپ ان کے سروں پر ٹوکریاں رکھ کر سودا بیچنے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ دال نمک کے لئے دو پیسے حاصل ہو جائیں۔ ہم اسے ملیامیٹ کر کے دکھلا دینگے کیونکہ ان ناعاقبت اندیش والدین کو اسکی قطعی خبر نہیں کہ اس ظلم سے ہمارے کتنے ہونہار سپوت بچوں کا مستقبل جو ملک میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے، جہالت کی گندگی سے دب کر تیرہ و تار ہو کر رہ جاتا۔

حضرات گرامی! ہمارا یہ طریقہ بچوں کو پیدا ہونے کے بعد تنگ دستی و محتاجی کے خوف سے گلا گھونٹ دینے کے مترادف ہے، عرب اپنی بچیوں کو افلاس بڑھنے کا تصور کر کے زندہ درگور کر دیا کرتے تھے لیکن جب اسلام نے لوگوں کو اس فعل سے روکا تو کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ لڑکیاں تنگدستی کے باعث زندہ نہ رہ سکیں؟ اگر آج ہم اپنے بچوں سے دو پیسے کے لالچ سے باز آجائیں تو کیا افلاس و غربت سے ہم مر جائیں گے؟ یا ہمیں فاقہ پر فاقہ کرنا پڑے گا؟ نہیں! ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ مسبب الاسباب ہے، وہ کسی نہ کسی طرح ہمارے رزق کا

سامان کر دے گا۔ صرف ہمیں متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرات! خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچے بچیوں کو تعلیم دلانا فرض اولین سمجھیں اور ان کی عمدہ تربیت کا خیال رکھیں۔ کیونکہ محنت وجفاکشی، محبت، عزم صمیم، بلند حوصلگی، خودداری، کفائت شعاری اور ذہنی پاکیزگی یہ تمام صفات صرف عمدہ تربیت سے انسان کے اندر آتی ہیں۔ کیونکہ یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جو کتاب کی ورق گردانی اور اساتذہ کی فصیح وبلیغ تقریروں سے کسی شخص کے اندر پیدا ہوں۔ بلکہ اس کے لیے ایک پاکیزہ اور ایمان پرور ماحول کی ضرورت ہے، جو بچے بچیوں میں ان صفات حمیدہ کی پرورش کرے تاکہ آگے چل کر کتب بینی واساتذہ کا فیض صحبت ان خصوصیات کو راسخ کر دے۔

آپ حضرات سے مکرر عرض کروں گا کہ ہمارے ہونہار بچوں کی تعلیم ضرور ہونی چاہئے اور حسب حیثیت اعلی تعلیم کا بھی انتظام ہونا چاہئے کیونکہ ہمارے ملک کی دوسری قومیں بہت آگے نکل چکی ہیں۔ اور غیر ملکی تعلیم سے فائدہ حاصل کر رہی ہیں لیکن ہم اس معاملہ میں سب سے پیچھے ہیں اور جہالت ولاعلمی کے خوفناک غار میں پڑے ہیں۔ اس سے باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اس وقت تعلیم سے غفلت کرنا ہمارے لئے سخت خطرناک ہے۔

قومی فنڈ

اس زمانہ میں ہر تحریک کے قیام وبقاء کے لئے فنڈ کی ضرورت ہے بغیر فنڈ کے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہماری تنظیمی انجمن کی کچھ فیس ممبری مقرر کرنی نہایت ضروری ہے لیکن اس کا خیال کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ رقم اتنی قلیل ہو جو کسی پر بار نہ گزرے اس لئے میری رائے ہے کہ فیس ممبری صرف دو آنہ (بارہ پیسے) رکھی جائے تاکہ وہ ہر شخص جو برسر روزگار ہے وہ ضرور صوبائی انجمن کا ممبر بن جائے۔ اس فیس ممبری کا کچھ حصہ قصبوں سے ضلع اور ضلعوں سے صوبہ کی انجمن کو پہنچنا چاہئے۔ اس طرح صوبائی انجمن کے پاس کچھ سرمایہ جمع ہو جائے گا جس سے صوبائی انجمن کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں مدد ملے گی۔ اس ضروری سلسلہ کے علاوہ ہماری قومی ترقی کے لئے ہر شخص کو عموما اور اصحاب زرومال کو کچھ ایثار کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک ہم اس تحریک میں دامے درمے فراخ حوصلگی کے ساتھ ہاتھ نہ بٹائیں گے کامیابی مشکل ہو گی۔

حضرات! ہمارے قومی نام کے متعلق آئے دن استفسارات ہوتے رہتے ہیں پمفلٹ بازی ہوتی ہے اخبارات میں مضامین شائع ہوتے ہیں لیکن ہمیں اس وقت اس بحث و مباحثہ میں پڑ کر اپنا قیمتی اور سنہرا موقعہ ہاتھ سے نہ کھونا چاہئے کیونکہ صرف نام کی وجہ سے کوئی شخص معزز نہیں ہوتا ہے عزت واقتدار صرف افعال و کردار کی عمدگی سے حاصل ہوتے ہیں ہمیں اپنے افعال و کردار کو عمدہ سے عمدہ تر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔اس کے بعد انشاء اللہ عزت و اقتدار خود ہمارا دروزاہ کھٹکھٹائے گی۔ ہمیں اپنے فعال و کردار سے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہم شاندار سے شاندار ناموں کے مستحق ہیں۔ شعر

تمہارے کام گر اچھے تو نام اچھے ہیں
گھرانے اچھے گھر اچھے تمام اچھے ہیں

خاتمہ'

میرے محترم بزرگو عزیز دوستو! اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں یا کسی غیبی امداد کی امید کریں بلکہ جرات وہمت اور عمل وایثار کی ضرورت ہے ہمیں کمر ہمت چست باندھکر میدان عمل میں گامزن ہونے کی ضرورت ہے۔اور اپنے راستے کی تمام روکاوٹوں ' آفات و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کر کے منزل مقصود کی طرف بڑھنے کی ضرورت ہے۔

حضرات! میں نے آپ کا بہت عزیز وقت اپنی طویل تقریر میں صرف کر دیا۔ اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہو کہ خداوند تو ہمیں ہمت و جرات اور نیک عمل کی توفیق دے۔ استقلال 'بلند حوصلگی عطا کر اور ہماری انجمن کو منزل مقصود تک پہنچا۔ شعر

مانگوں تیرے در سے داتا ہمیں کیا دے
جیسے تھے کبھی ہم ہمیں ویسا ہی بنا دے
---- (آمین)

پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف

ماں کی محبت

ماں آٹا گوندھ رہی ہے بچہ دھول میں لت پت کھیل رہا ہے یکایک ماں کی نظر اس پر جا پڑتی ہے اور اس کے دل میں بچے کے لئے محبت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ آٹا گوندھنا بند کر دیتی ہے اور آٹے سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ "آجا میرا بچہ۔ آجا میرا عبدالحمید" کہتی ہوئی اسے اپنے سینے سے چمٹاتی اور ان گنت بوسے لیتی ہے وہ بار بار "میرا چاند۔ میرا سوہنا" کہتی ہے سینے سے لگاتی اور بلائیں لیتی ہے اسے دھول کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ آٹا گوندھنا بھول چکی ہے۔ بس اس کا چاند سا بیٹا عبدالحمید ہی اس کی شفقت اور محبت کا مرکز بن چکا ہے اور ماں کی بے حد و حساب محبت ہر شے پر غالب آچکی ہے۔

ماں تو بڑی شفیق ہوتی ہے۔ دنیا میں ماں کی محبت ضرب المثل بن چکی ہے۔ لیکن جب ماں سے ستر گنا زیادہ شفیق محبت کی اتھاہ گہرائیوں سے ہمیں پکارتا ہے۔ "آجا میرے بندے" تو ہم باشعور ہونے کے باوجود ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ وہ پکارنے والا مہربان مالک ہمیں گناہوں کی غلاظت میں لتھڑا ہوا دیکھتا ہے لیکن نفرت نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر بھی ہمارے لئے محبت و شفقت کا ایسا ستر گنا بڑا طوفان اٹھتا ہے جو گناہوں کی اس تمام غلاظت اور کثافت کو آنکھ جھپکنے میں بہا لے جاتا ہے۔

رحمٰن کی محبت وہ ہمیں ہر وقت پکارتا ہے:۔

(اے نبی) کہہ دو کہ میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور اور رحیم ہے۔

(سورۃ الزمر آیت نمبر ۵۳)

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ حضرت قرآن مجید میں سب سے زیادہ رحمت کی نشاندہی کرنے والی آیت کون سی ہے۔ تو انہوں نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا۔ ارحم الرحمٰن نے گناہگاروں کو "میرے بندو" کہہ کر پکارا ہے اس سے بڑی رحمت

اور کیا ہو گی چونکہ ہمیں صرف اللہ کے قہر و غضب اور عذاب دوزخ و قبر کی سزاؤں کے متعلق ہی زیادہ تر بتایا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس کی رحمت کا یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ نیکوں کو چھوڑ کر صرف ہم گناہگاروں کو "میرے بندو" کہہ کر پکارتا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ ہم کب اس کی طرف پلٹتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ اگر کسی کا بچہ گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں وہ کس قدر پریشان اور سرگرداں رہتا ہے۔ اسے کسی چیز کا ہوش باقی نہیں رہتا اور صرف اپنے بیٹے کی دھن اس پر ہوتی ہے۔ پھر جب اس کا بچہ مل جاتا ہے۔ تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی اور وہ فرط شادمانی سے اکثر پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔

حضرت عیسے علیہ اسلام نے اس سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ تمثیل بیان فرمائی ہے۔

تم میں سے کون ایسا آدمی ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیابان میں چھوڑ کر اس کھوئی ہوئی کو۔۔۔ جب تک مل نہ جائے۔۔۔۔ ڈھونڈتا نہ رہے۔ پھر جب مل جاتی ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کندھوں پر اٹھالیتا ہے اور گھر پہنچ کر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلاتا اور کہتا ہے میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی ہے۔،، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت۔۔۔ جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے۔۔۔ ایک توبہ کرنے والے گناہگار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہو گی،،

حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی ہی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر سفر پر نکلا۔ دور کا سفر تھا اس نے زاد راہ کو اونٹ کی عماری کے ساتھ باندھ دیا تھا وہ چلتے چلتے ایک جگہ تھک کر ایک سایہ دار درخت کی چھاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے ستانے کی خاطر لیٹ گیا اور اونٹ چرنے لگا۔ اسے نیند آگئی اور جب جاگا تو اونٹ کو غائب پاکر بہت پریشان ہوا نہ لمبے سفر پر پیدل چل سکتا تھا نہ زاد راہ کے بغیر گزارہ ہو سکتا تھا اس لئے بے تاب ہو کر اونٹ کی تلاش میں نکلا اور تھک ہار کر چور ہو گیا اور مایوسی نے اس کی کمر توڑ دی تو یکایک اونٹ پر اس کی نظر جا پڑی جو جنگل میں چر رہا تھا خوشی کے مارے اس کی زبان سے بے اختیار طربیہ کلمات نکلے اور اسے اس قدر خوشی ہوئی جس کا اندازہ مشکل ہے اسی طرح جب کوئی بھٹکا ہوا بندہ پھر اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے تو اللہ کو اس مسافر سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

تو کیا ہم اپنے رب کی طرف نہ پلٹیں ؟

اپنے رب کی طرف کس طرح پلٹیں

اپنے رب کی طرف پلٹنے کے لئے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا اور ان سے توبہ کرنا ضروری ہے اور توبہ بھی سچی توبہ ہو کہ ندامت سے شرمسار ہو جائیں گویا۔

ع اک بار گناہ ہو جاتا ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

یقین کیجئے سچی توبہ پر اللہ پاک تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ بہت ہی مہربان اور گناہ معاف کرنے والا ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب حضور ﷺ سے پوچھا کہ شب قدر پالینے کی حالت میں اللہ سے کیا مانگیں تو آپؐ نے فرمایا۔ ,,عائشہؓ کہو اے اللہ تو کریم ہے۔ گناہوں کو معاف کرنا تجھے بہت پسند ہے تو میرے گناہوں کو معاف کر دے،،

توبہ کونسی مقبول ہے

اللہ پاک نے قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۔۱۸ میں فرمایا ہے کہ " ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔"

مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو برے کام کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس وقت کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔

اور اس طرح توبہ ان کے لئے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں ایسے لوگوں کے لئے ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔"

صاحب تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۳۳۳ پر کہتے ہیں۔

"توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں گناہ کرنے کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے منہ پھیر گیا تھا۔ اب اپنے کئے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف سے پلٹ آیا ہے اور خدا کی طرف

سے بندے پر توبہ یہ معنی رکھتی ہے کہ غلام کی طرف سے مالک کی نظر عنایت جو پھر گئی تھی وہ ازسر نو اس کی طرف منعطف ہو گئی اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں۔

کہ میرے ہاں معافی صرف ان بندوں کے لئے ہے جو قصداً نہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے تو اس کا دروازہ کھلا پائیں گے کہ

ایں درگہ ما درگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(ہماری درگاہ ناامیدی کی جگہ نہیں ہے اگر تو سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے تو ہماری طرف پلٹ آ)

مگر توبہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پرواہ ہو کر تمام عمر گناہ پر گناہ کئے چلے جائیں اور پھر عین اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہو معافی مانگنے لگیں۔ اس مضمون کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

"ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغر غر"

اللہ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ آثار موت شروع نہ ہوں۔ کیونکہ امتحان کی مہلت جب پوری ہو گئی اور کتاب زندگی ختم ہو گئی تو اب پلٹنے کا کون سا موقع ہے اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔

اپنے رب کی طرف پلٹنا کیوں ضروری ہے!

اللہ پاک نے سورۃ الزمر کی آیات ۵۲ تا ۶۱ میں فرمایا ہے۔

"پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ اس کے۔ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے۔ اور پھر کہیں سے تمہیں مدد نہ مل سکے اور پیروی کرو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں (۱) کوئی شخص کہے۔

"افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا بلکہ میں تو الٹا مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا۔" یا کہے
"اے کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا"
یا عذاب دیکھ کر کہے
"کاش مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔"

(اور اس وقت اسے یہ جواب ملے کہ) "کیوں نہیں میری آیات تیرے پاس آچکی تھیں۔ پھر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔

"آج جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ باندھے ہیں قیامت کے روز تم دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے۔

"کیا جہنم میں متکبروں کے لئے کافی جگہ نہیں ہے کہ اس کے برعکس جن لوگوں نے یہاں تقویٰ کیا ہے ان کے اسباب کامیابی کی وجہ سے اللہ ان کو نجات دے گا۔ ان کو نہ کوئی گزند پہنچے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

نمبر ۱

کتاب اللہ کے بہترین پہلو کی پیروی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کی تعمیل کرے اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے بچے اور امثال اور قصوں میں جو کچھ اس نے ارشاد فرمایا ہے اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے خلاف اس کے جو شخص اللہ کے حکم سے منہ موڑتا ہے منہیات کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ کے وعظ و نصیحت سے کوئی اثر نہیں لیتا وہ کتاب اللہ کے بدترین پہلو کو اختیار کرتا ہے یعنی وہ پہلو اختیار کرتا ہے جسے کتاب اللہ بدترین قرار دیتی ہے۔

(ترجمہ قرآن مجید صفحہ ۱۱۷۱)

آخری بات

اے دل۔ اب تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے۔ کیا تو اسے بھی غفلت میں برباد کرنا چاہتا ہے تیرا سرمایہ حیات ختم ہونے کو ہے اب توبہ کر لے تاکہ تجھے میدان حشر میں شرمسار

نہ ہونا پڑے کیا اب بھی اپنے رب کی طرف پلٹنے کا وقت نہیں آیا؟

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

اللہ پاک کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا مسلمان بنایا اور ہماری رہنمائی کے لئے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعے ہم تک اپنا پاک کلام پہنچایا جو دونوں جہانوں میں ہمارے لئے باعث ہدایت ور ہنمائی ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عالم وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لادی گئی ہوں۔ علم کا سر چشمہ اللہ کی ذات پاک ہے ' اور اس سے علم حاصل کرنے کا ذریعہ وحی ہے جو انبیاء کرام کے لئے مخصوص تھی۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے خلق خدا تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے بے حد و حساب تکالیف برداشت کیں اور اپنے عمل سے اس علم الٰہی کی تفسیریں اور تعبیریں واضح کر دیں۔ ان نفوس قدسیہ پر لاکھوں درود و سلام ہوں۔

علم بغیر عمل کے بیکار ہے۔ اور عمل بغیر علم کے بیکار ہے۔ ان دونوں کا حامل ہی دینی اور اخروی زندگی میں کامیاب و کامران ہو سکتا ہے جب کہ ان میں سے کسی ایک کی کمی کی وجہ سے انسان کسی بھی وقت گمراہی کا شکار ہو سکتا ہے جیسا کہ اس حکایت سے واضح ہے۔
شیطان سے کسی نے پوچھا کہ تم عالم با عمل سے ڈرتے ہو یا عابد بے علم سے۔ اس نے کہا عالم با عمل سے۔ کیونکہ ایک عالم با عمل ہزاروں عابدوں پر بھاری ہے۔ اس نے اپنی بات ثابت کرنے کے لئے اس شخص کو ساتھ لیا اور انسانی صورت میں مسجد سے تھوڑی دور کھڑا ہو گیا۔ فجر کی نماز کا وقت تھا۔ ایک عابد صاحب نماز کے لئے جلدی جلدی جا رہے تھے شیطان نے کہا حضرت ایک مسئلہ بتا دیں۔ بولے نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ اس نے کہا کوئی بات نہیں رک جائیں۔ پھر پوچھا کیا اللہ میاں اس پوری کائنات کو سوئی کے نالے سے گزار سکتا ہے۔ عابد صاحب بولے "نہیں" اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک عالم با عمل بھی نماز فجر کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے گزرے شیطان نے کہاں حضرت ایک مسئلہ بتا دیجئے۔ بولے " : کہو کیا بات ہے ؟"

شیطان نے پوچھا حضرت کیا اللہ پاک پوری کائنات کو سوئی کے ناکے سے گزار سکتا ہے ؟ عالم نے جواب دیا اللہ کے لئے کوئی بات مشکل یا ناممکن نہیں ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر

قادر ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ اور شیطان نے اس شخص سے کہا۔ دیکھا تم نے عابد کس طرح کفر کا مرتکب ہو گیا ہے۔ اور عالم نے کسی خوبی سے جواب دیا۔ اس لئے مجھے سب خطرہ عالم با عمل سے ہے۔

علم جب وحی الٰہی کا تابع ہوتا ہے تو ہر جگہ بھلائی کی راہیں کھلتی ہیں اور جب نفس کے تابع ہوتا ہے تو ہر معاملہ گمراہی کی نذر ہو جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔"

(یا اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر آپ معاف نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔"

لیکن شیطان کو جب سجدہ نہ کرنے پر پوچھا تو اکڑ کر بولا میں اس مٹی سے بنے ہوئے آدم سے بہتر ہوں کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں۔"

علم جب وحی الٰہی کے تابع ہوا تو عمر بن خطاب فاروق اعظمؓ بن گئے اور علم جب نفس کے تابع رہا تو عمرو بن ہشام ابو جہل کہلایا۔

علم جب وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے تو عمل سے جنت کی راہیں کھلتی ہیں۔ قرون اولیٰ میں ایک سردار اپنے کھجوروں کے باغ میں گیا اور اپنے ملازم کی حسین بیوی کو دیکھ کر اس کی نیت فاسد ہو گئی۔ تو اس نے ملازم کو شہر سے کچھ لانے کے لئے روانہ کیا اور خود اس کی بیوی سے کہا سب دروازے بند کر دو۔ وہ مجبور ہو گئی اس نے دروازے بند کر دیئے اور جب سردار نے پوچھا سب دروازے بند ہو گئے ہیں تو بولی: "وہ جس سے خدا دیکھتا ہے۔"

سردار کا ضمیر جاگ اٹھا۔ علم اور عمل دونوں بروئے کار آ گئے اور وہ تیزی سے جھونپڑی چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے بعد میں باغ ملازم کو فی سبیل اللہ دے دیا۔

علم جب وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے تو عمل آنے والوں کے لئے انمٹ نقوش چھوڑتا ہے

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مدائن کی فتح کے بعد قصر ابیض کے ایک کمرے میں تشریف فرما تھے ایک مجاہد اندر داخل ہوا اس نے چادر میں لپٹا ہوا کسی کا قیمتی تاج ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا مجھے یہ فلاں جگہ سے ملا ہے۔ حضرت سعدؓ اس کی دیانت داری سے متحیر رہ گئے اور پوچھا تمہارا نام۔ وہ الٹے پاؤں واپس لوٹا اور دروازے کے قریب پہنچ کر بولا

:"میں نے جس کی خاطر یہ کام کیا ہے وہ میرا نام خوب جانتا ہے۔"

قرآن مجید میں جہاں امنو کا ذکر ہے وہاں عملو ا الصلحت کا ذکر بھی ہے "امنوا "علم ہے یعنی ایمان کیا ہے ؟ کس پر ایمان لائیں کیوں لائیں ؟ کیسے لائیں ؟ وغیرہ وغیرہ اور عملو ا الصلحت عمل ہے گویا قرآن مجید نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ امنو اور عملو ا الصلحت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

پس ثابت یہ ہوا کہ علم وہی حقیقی اور صحیح ہے جو اللہ پاک کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور زندگی کا مقصود اس علم پر عمل کر کے اپنے خالق اور مالک کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور سارے علوم کا مجموعہ کلمہ شریف ہے جسے سمجھنے میں ہم یہ غلطی کرتے ہیں کہ بس کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے۔ حالانکہ پڑھنے سے عمل کرنے کی تاکید خود بخود ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں ایک بانکے صاحب کی شادی ہوئی تو چند روز دعوتوں میں گزرے لیکن جب ان سے فارغ ہوئے اور بیوی نے آٹا دال لکڑی وغیرہ کی فرمائش کی تو بولے :"ہم نے نکاح میں صرف تمہیں قبول کیا ہے ' آٹا دال لکڑی کو نہیں۔" اس پر جھگڑا ہوا لوگ جمع ہوئے تو بولے ہم نے تو نکاح کے وقت فلاں بنت فلاں کو قبول کیا ہے آٹا۔ دال لکڑی کا وہاں ذکر تک نہ تھا۔" لوگوں نے سمجھایا کہ حضرت نکاح کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں خود بخود ہی قبول ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کلمہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ توحید اور رسالت کی عاید کردہ ذمہ داریاں خود بخود اٹھانی پڑیں گی۔ صرف کلمہ پڑھ لینے سے نجات نہ ہو گی۔

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے :

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ہماری چند تاریخی کتب

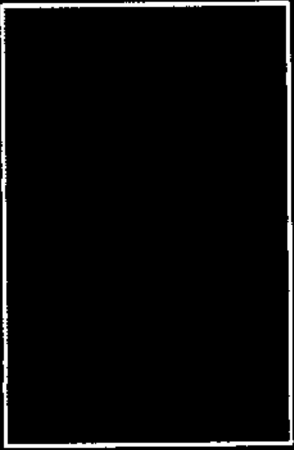

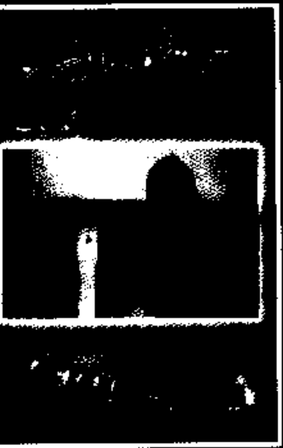

مکتبہ تعمیر انسانیت

7237500-7310530